آفتاب عالم

حضرت محمد صلعم کے حالات زندگی

آفتاب عالم

مصنفہ

مولانا محمد صادق صدیقی سردھنوی مرحوم

حصہ اول

Register

قیمت دو روپے آٹھ آنے

مطبوعہ
(جید برقی پریس دہلی)

پہلا باب (۱)

خدا کا انعام

حارثہ خیبر سے رخصت ہو کر جلیل، دیادس کے اہل قبیلہ اس کے ساتھ تھے یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر ابتدائی حصہ میں اسوقت تک سفر کرتے رہے جب تک آفتاب نصف النہار پر نہ آجاتا۔ اور جب دوپہر ہو جاتی دھوپ تیزی سے پڑنے لگتی۔ باد سموم کے جھونکے چلنے لگتے۔ ریگزار اسقدر تپ جاتا کہ اس پر پیر رکھنا دشوار ہو جاتا تو یہ لوگ خیمے نصب کرتے اونٹوں کو چھوڑ دیتے خود خیموں میں چھپ جاتے اور اونٹ دھوپ میں پڑے جگالی کرتے رہتے۔ اور جب آفتاب ڈھل جاتا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو جاتی۔ گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے رک جاتے تو یہ لوگ خیمے لاد کر چل دیتے اور ایک ثلث رات تک چلتے رہتے۔ تہائی رات گزرے پر ٹھہر جاتے اور آسمان کے نیچے چادریں بچھا بچھا کر فرش زمین پر دراز ہو جاتے۔ اور بقیہ تمام رات آرام و اطمینان سے سوتے رہتے۔ جب یہ لوگ خیبر سے رخصت ہو کر چلے تھے تو ان کے پاس زادراہ بہت کم تھا۔ صرف چند تھیلے کھجور ساتھ تھے جنکو یہ بڑی احتیاط سے کھا رہے تھے۔

چونکہ جس سرزمین میں یہ سفر کر رہے تھے اسے انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ لہٰذا وہ نہ جانتے تھے کہ وہ اس ریگستان سے کب نکلیں گے۔ اس سرزمین میں اول اول تو نخلستان آتے ہی نہیں اور اگر آتے بھی تو ایسے جن کے درخت آفتاب کی حرارت سے جل کر خشک ہو گئے تھے۔ سوکھے ہوئے ببول کے یا جھلسے ہوئے کھجوروں کے درخت کھڑے تھے اور ان کی شاخیں مرجھا کر جھک گئی تھیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے خشک نخلستان میں کھانے کا کیا سامان ملتا۔ مشکل سے اونٹوں کو کچھ چارہ ملجاتا تھا۔ یا کہیں کہیں پانی دستیاب ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ پانی مشکیزوں میں بھر لیتے۔ گھاس یا ببول کی سبز شاخیں اگر کہیں مل جاتی تو کاٹ کر اونٹوں کے چارے کیلئے ساتھ لے لیتے اور سفر کرتے رہتے۔ انہیں اسطرح بادیہ پیمائی کرتے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ کئی مہینے گزر گئے۔ مدتوں تک ریگزاروں میں بھٹکتے پھرے۔ مگر انہیں کوئی رہبر نہ ملا۔ نہ کوئی مسافر ملا۔ نہ آبادی ملی۔ نہ اس ریگستان سے نکلنے کا راستہ ملا۔ نہ کوئی سرسبز نخلستان ملا۔ نہ کسی جگہ کوئی کھانے کا سامان ملا۔

وہ واقف نہ تھے کہ عرب کے کس حصہ میں سفر کر رہے ہیں۔ اتنا جانتے تھے کہ عرب کا کوئی ایسا خطہ ہے جس میں انسان آباد نہیں ہیں۔ نہ موت کے خوف سے کوئی اس نواح میں آنے کی جرأت کرتا ہے۔ کھجوریں جو وہ ساتھ لیکر آئے تھے دن بدن کم ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ چند ہی روز میں بالکل ختم ہو جائیں گی۔ کھجوروں کا قریب اختتام ان کی زندگی کا خاتمہ تھا۔ اگرچہ وہ پہلے ہی احتیاط سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ صرف بقائے حیات کیلئے دو چار کھجوریں کھا کر پانی پی لیا کرتے تھے۔ مگر اب جب کھجوروں کا ذخیرہ بہت ہی کم رہ گیا۔ تو انہوں نے یہ وطیرہ کر لیا تھا کہ ایک کھجور صبح کو ایک شام کو کھا کر پانی پی لیتے تھے۔

ظاہر ہے کہ چوبیس گھنٹے میں دو کھجوریں کیا سہارا دے سکتی ہیں بھوک لگتی تھی اور زور دار لگتی تھی کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ اس لئے سب کے سب تن بدن کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے مگر وہ ایسے سخت جان تھے کہ کمزور ہونے پر بھی سفر کی صعوبات۔ بھوک کی سختی ہوا برداشت کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ کھجوروں کا تمام ذخیرہ ختم ہو گیا۔ کسی کے پاس ایک کھجور باقی نہ رہی۔ صرف پانی پر گزارا رہ گیا۔

پانی پیکر انسان کتنے دن جی سکتا ہے۔ کس طرح اپنی طاقت کو قائم رکھ سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ ضعیف و کمزور ہو گئے۔ ایسے کمزور کہ چلنا پھرنا دو بھر ہو گیا۔

جب اونٹوں پر سوار ہو کر چلتے تو ان کو چلنے پر جھٹکے لگتے تو سر گھوم جاتا۔ چکر آنے لگتے نڈھال ہو کر کجاووں کے اوپر پڑ جاتے اور اونٹوں کی مہار چھوڑ دیتے جس طرح اور جس طرف اونٹ چاہتے چلتے رہتے۔ جب کہیں بیٹھ جاتے تو یہ لوگ جوں توں کر کے اترتے اور اسی کسمپرسی کی حالت میں اونٹوں کے سہارے بیٹھ جاتے۔ یا دو چار قدم اونٹوں سے الگ ہو کر ریت پر گر جاتے اور صبح تک بیدم ہو کر پڑے رہتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان سب لوگوں نے سمجھ لیا کہ موت قریب ہے اور اس سے رستگاری غیر ممکن ہے۔

وہ نہ جانتے تھے کہ موت کیا ہے۔ اور کیسے آ جاتی ہے۔ انسان مر کر کہاں جاتا ہے۔ اور مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ انہیں مرنے کا فکر نہ تھا۔ فکر اس بات کا تھا کہ وہ قبیلہ بنی قحطان سے انتقام نہ لے سکتے تھے۔ انکے [illegible] کی روح انتقام۔ انتقام پکارتی پھر رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پہلے انتقام لینا چاہتے تھے۔ عربوں میں یہ بات سخت معیوب تھی کہ کوئی شخص انتقام نہ لے سکے۔ انتقام لینا ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ زندگی کے لیے کھانا۔

حارثہ نے جب دیکھا کہ اسکی اور اسکے قبائل کی زندگی خطرہ میں ہے۔ تب اسے [illegible]

تو اس نے کہا۔ تعجب ہے ہم اپنے معبودوں کی برابر پرستش کر رہے ہیں ان سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ لیکن وہ ہم پر مہربانی نہیں کرتے۔ ہمیں فاقہ کشی سے نجات نہیں دلاتا۔ کیا ہمارے معبود ہم سے خفا ہو گئے ہیں ؟

ایک عرب نے کہا۔ خفگی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جب ہم اس حالت میں بھی انہیں پوج رہے ہیں۔ انہیں سجدے کر رہے ہیں۔ پھر وہ کیوں خفا ہوتے۔ ! حارثہ ! آہ حارثہ کیا ہم بھوک سے یوں تڑپ کر مر جائیں گے ؟ کیا ہم بنی قحطان سے انتقام نہ لے سکیں گے ؟

حارثہ نے کہا۔ میں عرصہ سے اس فکر میں ہوں کہ کیا بت ہمارے معبود ہیں۔ اگر یہ ہمارے واقعی معبود ہیں۔ تو کیوں ہماری مدد نہیں کرتے۔ کیوں ہمیں بھوک سے نجات نہیں دلاتے ! ایک اور عرب نے حیران ہو کر حارثہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اگر یہ معبود نہیں تو پھر کون معبود ہے ؟

حارثہ نے کہا۔ کیا تم نے جبیر کی گفتگو نہیں سنی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ مکہ میں کوئی رسول ہوا ہے جو کہتا ہے کہ بت خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے جس نے دنیا و جہان کو پیدا کیا ہے جو خالق مطلق اور رازق عالم ہے

عرب نے دریافت کیا۔ لیکن وہ ہے کہاں ؟ وہ معبود کہاں رہتا ہے ؟

حارثہ نے جواب دیا۔ میں نہیں جانتا مگر میرا دل کہتا ہے۔ ضرور ہمارا اور سارے عرب کا اور ساری دنیا کا کوئی خدا ہے ! میرے دوستو ! مجھے معاف کرنا۔ میرا دل بتوں کی طرف سے پھر گیا ہے

ایک بڈھے عرب نے کہا۔ کیا تم مرتد ہو گئے ہو۔ حارثہ ! کیا تم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے

حارثہ نے کہا نہیں۔ میرے محترم بزرگ نہیں۔ لیکن میرے دل کو کچھ خدشہ جو وسوسہ۔ جو بات پیدا ہو گئی ہے کہہ دی۔ میرا خیال ہے۔ یا مجھے خیال ہوا ہے کہ اس قدر معبود جس قدر کہ ہم ہمارے قبائل۔ ہماری قوم پرستش کرتے ہیں۔ خدا نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ہر قبیلہ کا ہر خاندان کا ہر شخص کا جدا جدا خدا ہے اس قدر خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یقیناً خدا ایک ہے۔ دنیا و جہان کا خدا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ میں نے اس عرب سے باتیں نہ کیں جو اسلام اور مسلمانوں کی خبر لایا تھا۔

چند آدمیوں نے کہا۔ حارثہ تم نے ہمارے عقائد متزلزل کر دیئے۔ تمہاری گفتگو نے ہمیں تذبذب میں ڈال دیا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں ہم اپنے آبائی مذہب کو نہ چھوڑ دیں۔

حارثہ نے کہا۔ میں نے تم نے سب لوگوں نے اپنے معبودوں سے دعائیں مانگیں لیکن ہماری دعا قبول نہ ہوئی۔ وہ معبود جنکو ہم پوجتے رہے ہیں۔ ہم پر مہربان نہ ہوئے۔ اور اب ہم سب ان دیکھے خدا کے سامنے جھک کر اس سے دعا کریں ؟

بڈھے عرب نے کہا کچھ حرج نہیں ہے۔ مانگو اس خدا سے اس معبود سے۔ اس رازق مطلق سے دعا مانگو جسکو آج تک ہم نے نہیں دیکھا ہے ممکن ہے وہ ہم پر رحم کرے ہماری خبر لے۔ وہ ہمیں

بھوک سے نجات دے

حارث سربسجود ہوگیا۔ اسکے ساتھ سب جھک گئے۔ حارث نے بلند آواز سے کہا۔ اے خدا! اے محمدؐ کے خدا۔ اے دنیا و جہان کے معبود ہم بھٹک گئے ہیں۔ گمراہ ہو گئے۔ تجھ سے تیری سرکار سے دور جا پڑے ہیں۔ اب ہم ٹھوکریں کھا کھا کر تیرے در پہ آپڑے ہیں ہماری خبر لے ہم بھوکے مر رہے ہیں۔ ہم کو نجات دے میرے خدا نہیں ہمارے خدا اگر تو نے ہمکو بھوک سے نجات دیدی تو ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسول حضرت محمدؐ پر ایمان لے آئیں گے تجھے اور صرف تجھے ہی پوجینگے

جو کچھ حارث کہتا جاتا تھا۔ سب لوگ آہستہ آہستہ وہی کہتے جاتے تھے کچھ عرصہ کے بعد حارث نے سر اٹھایا۔ اس نے کہا۔ میرے عزیزو اور بزرگو! میرے دل کو دعا مانگنے سے کچھ تسکین سی ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت محمدؐ کا خدا ہم پر ضرور مہربانی کرے گا۔ ہماری خبر لے گا۔ ہمکو بھوکا نہ مرنے دے گا۔ ان لوگوں کی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ ان کی زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ دو ہفتے سے زیادہ گزر گئے تھے کہ انھیں ایک کھجور یا اناج کا دانہ تک نصیب ہوا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا جب ان لوگوں نے دعا مانگی۔ دھوپ شدت سے چمک رہی تھی۔ ہوا کے گرم اور تیز و تند جھونکے چل رہے تھے۔ دھوپ کی حدت اور گرم ہوا نے انہیں اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ سب کے سب سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے۔ گویا وہ موت کا انتظار کر رہے تھے۔ ضعف اور نقاہت کیوجہ سے ان پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ انہیں خبر نہ رہی کہ وہ اس حالت میں کتنی دیر پڑے رہے۔ تب انہیں سے چند اشخاص کو ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں تو دیکھا دھوپ کی شدت کم ہو گئی ہے۔ ہوا کی گرمی میں بھی کمی آ گئی ہے۔ لیکن ایسی آواز آ رہی تھی جیسے تیز ہوا کے جھونکے چل رہے ہوں انہوں نے ادھر ادھر دیکھا وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے ٹڈیوں کا دل ہوا میں پرواز کرتے دیکھا۔ اس کثرت سے ٹڈیاں آ رہی تھیں۔ کہ آفتاب انکے پیچھے چھپ گیا تھا۔

حارث خدا کی قدرت کا یہ کمال دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھا۔ خدا کی مدد آ گئی حضرت محمدؐ کے خدا نے ہماری بھوک کا انتظام کر دیا۔ اب ہم بچ جائیں گے۔ اٹھو اٹھو اے قبیلہ بنی بکر کے فرزندو! اٹھو ٹڈیاں پکڑو بھونو اور کھاؤ خدا کا شکر ادا کرو۔ اس خدا کا جس سے ہم نے ابھی دعا مانگی ہے

اس آواز کو سنکر سب لوگ اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ٹڈیاں آ آ کر ان کے اوپر اس کثرت سے گر رہی ہیں۔ کہ جس قدر چاہیں پکڑ سکتے ہیں۔ چونکہ وہ بھوکے تھے عرصہ کے بعد انہوں نے ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر چبانی شروع کر دیں۔

ہوتا ہے کہ بھوک میں گوبر بھی پکوان معلوم ہوا کرتے ہیں ٹڈیاں انہیں بہترین نعمت معلوم ہوئیں لیکن ٹڈیاں کھا کر ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔ وہ پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ دراصل وہ ہفتوں سے بھوکے تھے۔ بھوک کی شدت میں نیند نہ آئی تھی۔ ٹڈیاں کھانے سے نیند کا غلبہ ہو گیا۔ وہ بے خبر ہو گئے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو اب ان میں توانائی آ گئی تھی۔ ہاتھ پیر کام دینے لگے تھے۔ وہ اٹھے اور ٹڈیاں جمع کرنے لگے۔

ابھی تک ٹڈیوں کا دل آسمان پر پرواز کر رہا تھا۔ اس کثرت سے ٹڈیاں اڑ رہی تھیں کہ آفتاب نظر نہ آتا تھا۔ دھوپ چھپ گئی تھی۔ ٹڈیوں کی پرواز کی سائیں سائیں سے فضا گونج رہی تھی۔ ان لوگوں نے منوں ٹڈیاں جمع کر لیں۔ اور انہیں سکھانے کیلئے ریت پر پھیلا دیا۔ شام تک وہ ٹڈیاں جمع کر کے انہیں پھیلاتے رہے۔ شام کے وقت انہوں نے کچھ اپنے حصہ جمع کر کے بھونیں۔ کھائیں۔ اور ابتدائی شب ہی سے سو گئے۔ صبح سویرے ہی بیدار ہو کر پھر ٹڈیاں جمع کرنے لگے۔ سارے ریت پر ٹڈیاں اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ ریت کی سفیدی کو ٹڈیوں نے ڈھک لیا تھا۔ حارثہ نے یہ دیکھ کر کہا۔ بنی بکر کے فرزندو! تم نے ان دیکھے خدا کی مہربانی دیکھی! کیا اب بھی تم محمد کے خدا پر ایمان نہ لاؤ گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ہم ان دیکھے خدا پر ایمان لا چکے ہیں۔ اب ہم بتوں کو زندگی بھر نہ پوجیں گے۔ حارثہ نے کہا۔ دیکھو آفتاب طلوع ہو گیا ہے۔ ٹڈیوں کو پھیلا دو۔ تاکہ یہ سوکھ جائیں۔ اور کھانے کے کام آتی رہیں۔ سب نے کہا۔ ہاں ہمکو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ چنانچہ سب پھیل گئے۔ اور ٹڈیوں کو سکھانے کیلئے پھیلانے لگے۔

دوسرا باب

اسلام کا تاثر

آنحضور صلعم سراقہ کو امان نامہ دلا کر روانہ ہوئے چونکہ آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا اس لئے دھوپ کی تپش اور گرم ہوا کے جھونکے ناقابل برداشت ہو گئے تھے ریت اس قدر تپ گیا تھا کہ ہوا کے بگولے جو ریت کے ذرے اٹھا دیتے تھے اور سفر کرنیوالوں کے جسم سے چھو جاتے تھے تو مسافروں کے بدن میں آگ سی لگ جاتی تھی عرصہ تک سوزش رہتی تھی عربستان کے ریگزار میں دوپہر کے وقت تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔ چونکہ دھوپ تیز پڑتی ہے اس لئے ہوا کے جھونکے گرم آتے ہیں جگہ جگہ گرم ہوا چکر کھا کر ریت کو اڑا لیجاتی ہے

جو لوگ ان بگولوں میں پھنس جاتے ہیں وہ پوری طاقت صرف کرنے پر بھی ان کا مق
سکتے۔ ہوائیں انہیں کچھ دور جا گرتے تھے۔ یا ہوا انہیں اٹھا کر کچھ دور پھینک دیتی تھی کہا۔ اے
آنحضور جب سرگرم سفر تھے تو ریت کے سمندر میں گرم و تیز ہوا بگولے اٹھائے پھرتی تھی
کوئی بگولہ حضور کے قریب تک سے نہ گزرا سب ادھر ادھر کترا کر نکل گئے۔

چونکہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ آنحضور کے تعاقب میں نہ آتے ہوں۔ اسلئے عبداللہ بن
اریقط جو رہبر تھا اور نہ سیدھے راستے کو چھوڑ کر سمندر کی جانب عسفان کی طرف روانہ ہوئے
جس راستہ پر یہ مختصر قافلہ سفر کر رہا تھا اسکے چاروں طرف حد نگاہ تک سفید سفید ریت
پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کوئی درخت کوئی پہاڑ یا کوئی ایسی جگہ پناہ کے لیے نظر نہ آتی تھی۔ جہاں
دو گھڑی بیٹھ کر سستایا جا سکے۔ ہر طرف ریت کا سمندر تھا۔ یا ریت کے فلک نما تودے
یا پہاڑ پھیلے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن اریقط نے کہا۔ یا سیدی دھوپ اور گرم ہوا نے پریشان کر دیا ہے
پیاس سے جان لبوں پر آگئی ہے اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو اندیشہ ہے کہ کہیں
ہماری زندگیاں ختم نہ ہو جائیں۔

آنحضور نے فرمایا۔ عبداللہ تم ذرا سی تکلیف سے گھبرا گئے۔ مسلمانوں کو دیکھو انہوں نے
کس قدر سختیاں برداشت کیں۔ کس قدر مظالم سہے۔ سارے سارے دن گرم ریت پر سنگسار کئے
گئے۔ جلتے ہوئے وزنی پتھر سینوں پر رکھے گئے۔ آہ! جب میں ان واقعات کو اور مسلمانوں کے
بے نظیر صبر و استقلال کو یاد کرتا ہوں تو میرے دل کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے کفار نے مسلمانوں کو
اسلئے ستایا کہ وہ ایک خدا کی پرستش کرتے تھے۔ ایک خدا کو مانتے تھے۔ عبداللہ! مجھے کہا
گیا۔ میں بھی اور انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قوم کو بددعا دوں۔ لیکن میں بددعا نہ دے
سکا۔ بددعا کیسے دیتا۔ وہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔ ضرور ہے کہ وہ مجھے
پہچانیں۔ ضرور ایک دن ایسا ہوگا کہ وہ اسلام کی طرف جھکیں گے۔ کلمہ پڑھیں گے۔ مسلمان
ہوں گے۔۔۔ عبداللہ یاد رکھو ہر تکلیف کے بعد راحت ہے۔ ہیرا تراش کر خوبصورت بنتا
ہے سونا پگھلنے سے نکھرتا ہے انسان کو تکلیف و مصیبت میں گھبرانا نہ چاہیئے۔

اس وقت ایک نہایت بلند ٹیلہ سامنے راستہ کے سرے پر نظر آنے لگا تھا ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے اس بلند اور شمالی اور جنوب تک پھیلے ہوئے ٹیلہ نے سو راستہ روک دیا ہو
حضرت صدیق نے ٹیلہ کو دیکھ کر کہا۔

عبداللہ! کہیں تم راستہ تو نہیں بھول گئے ہو۔ دیکھو ٹیلہ سد راہ ہو گیا ہے۔ کیا ہم کو واپس لوٹنا پڑے گا؟

عبدالرد نے کہا۔ نہیں میرے آقا! ہم تھوڑی دور جنوب کی طرف چل کر مغرب کی طرف نکل جائیں گے۔ اونٹ اور اونٹنیاں باوجود تیز دھوپ اور گرم ہوا ہونے کے نہایت تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں پہاڑ جیسے ریت کا تودہ قریب آگیا۔ عبدالرد نے ٹھیک کہا تھا۔ راستہ اس پہاڑ دار ریت کے انبار سے کسی قدر بچ کر جنوب کی سمت چلا گیا تھا۔ اور تھوڑی دور چل کر مغرب کی جانب مڑ گیا تھا۔ اس طرف یہ ریت کا پہاڑ ختم ہو کر کسی قدر فاصلہ سے پھر شروع ہو گیا تھا۔ مگر دور سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوا ہو۔

جب اس قافلہ نے اس ریت کے پہاڑ کو عبور کیا تو اس سے کچھ فاصلہ پر چند کھجور کے درخت نظر آئے۔ ان درختوں کو دیکھ کر یہ لوگ خوش ہوئے۔ ریگستان میں کھجور کے درختوں کو دیکھ کر جو مسرت مسافروں کو ہوتی ہے۔ ہندوستان کے باشندے اسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اونٹوں نے بھی کھجوروں کے درختوں کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بھی اپنی رفتار خود ہی تیز کر دی اور بہت جلد درختوں کے پاس جا پہنچے۔ یہ چند درخت تھے۔ جو دھوپ کی تپش اور باد سموم کے گرم جھونکوں سے پژمردہ اور خشک سے ہو رہے تھے۔ ان کی لمبی لمبی شاخیں جھک گئی تھیں۔ درختوں کے نیچے ہرنوں کی کھال کا ایک خیمہ ایستادہ تھا۔ خیمہ کے سامنے دو اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ اور خیمہ کے دروازہ پر ایک دبلی سی بکری کھڑی تھی۔

اس قافلہ نے خیمہ سے کسی قدر فاصلہ پر اپنے اونٹ بٹھائے اور اونٹوں سے نیچے اترے۔ اونٹوں کے آنے بیٹھنے اور ان کے اترنے سے جو آواز ہوئی اسی آواز کو سن کر خیمہ کے اندر سے ایک ضعیف عورت باہر نکلی۔ وہ دروازہ پر کھڑی آنحضور اور حضرت صدیقؓ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

اس ضعیفہ کا نام ام معبد تھا۔ قبیلہ بنو خزاعہ سے تھی۔ نہایت نیک اور مسافر نواز تھی۔ جب آنحضور اور حضرت صدیق اسکی طرف بڑھے تو وہ خود بھی انکی طرف چلی قریب آکر اس نے حضرت صدیق سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ میں کسقدر خوش قسمت ہوں اے ابوبکر صدیق کہ آج میرے خیمہ پر ابو قحافہ کا معزز بیٹا مہمان بنکر آیا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ اور کون ہیں۔ حضرت صدیق نے جواب دیا۔ یہ میرے رہبر دین ہیں......

ام معبد نے چلا کر کہا۔ کیا حضرت محمد؟ اے آمنہ کے لال۔ اے عرب کے روشن سورج خوش آمدید!! بنو خزاعہ کی ایک ضعیف عورت کا ہدیۂ سلام قبول ہو۔

چونکہ حضرت صدیق تجارت پیشہ تھے۔ تجارت کی غرض سے یثرب، طائف، جدہ، حبشہ اور ملک شام وغیرہ جاتے تھے اسلئے انہیں لوگ پہچانتے تھے۔ آنحضور کو بہت کم لوگ جانتے تھے۔ لیکن آپکا قد آپکی پیاری جمال صورت اور جلالت مآب چہرہ ایسا تھا۔ کہ ہر شخص پر آپکا رعب پڑتا تھا۔

آنحضور صلعم نے ام معبد کا سلام لیا۔ وہ بڑی مسرت سے آنحضور اور حضرت صدیق کو ہمراہ لیکر خیمہ کے دروازہ پر پہنچی۔ اس نے کہا اے قوم کے درخشاں ستارے اس حقیر خیمہ کے اندر تشریف لیجا کر آرام کیجئے۔ میں حضور کے لئے دودھ لینے جاتی ہوں۔

حضرت نے فرمایا ٹھہرو! اے مسافر نواز ضعیفہ ٹھہرو۔ دھوپ سخت ہے ہوا گرم چل رہی ہے۔ ایسی تیز اور گرم ہوا میں کہاں جاؤ گی؟ ام معبد نے کہا۔ جو ٹیلہ حضور نے دیکھا ہے اسکے دوسری طرف بکریوں کا ریوڑ چر رہا ہے میرے حضور! میں بہت جلد واپس آجاؤنگی۔

حضور نے فرمایا! میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تم ہمارے واسطے دودھ لینے کیلئے دھوپ میں دور تک جاؤ!! اگر دو چار کھجوریں اور تھوڑا سا پانی ہو تو لے آؤ۔ ام معبد نے کہا۔ میرے حضور! میں ہر مسافر کی دودھ سے تواضع کرتی ہوں۔ کیا قریش کے چاند کی صرف کھجوروں اور پانی سے تواضع کی جائے۔ میرے حضور اس سے مجھے رنج ہوگا۔

آنحضور نے فرمایا۔ اچھا اتنی دیر ٹھہرو کہ میرے ساتھی یہاں آجائیں۔

ام معبد نے کہا۔ بہت اچھا حضور!

عامر اور عبداللہ اونٹوں کو باندھ کر اس کے آگے چارہ ڈال رہے تھے حضور اور حضرت صدیق دونوں انکے انتظار میں خیمہ سے باہر کھڑے رہے۔ جب وہ دونوں بھی آگئے تب انہیں ہمراہ لیکر دونوں آفتاب و مہتاب خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ خیمہ کے اندر کوئی آرائش نہ تھی۔ ایک بادیہ نشین ضعیفہ عورت کا خیمہ تھا۔ خیمہ کے اندر صرف کمبل کا فرش تھا۔ آنحضور حضرت صدیق۔ حضرت عامر۔ اور عبداللہ کمبلوں پر جا بیٹھے۔ ام معبد نے کہا میرے حضور اب مجھے اجازت ہے۔ کہ میں اپنے ریوڑ میں جاکر دودھ لے آؤں۔

آنحضور نے فرمایا! جو بکری خیمہ کے دروازہ پر کھڑی ہے تم اسے کیوں نہیں دوہ لیتی ہو؟ ام معبد نے کہا۔ حضور یہ بکری بڑھیا ہے کمزور ہے دودھ نہیں دیتی۔ حضور نے

فرمایا۔ تم اس بکری کو یہاں لے آؤ۔ ام معبد بکری لے آئیں۔ حضور نے اسکے تھنوں میں ہاتھ ڈالا۔ اگرچہ بکری نہایت کمزور دبلی اور بڑھیا تھی۔ مگر آپکے تھنوں میں ہاتھ ڈالتے ہی تھن دودھ سے بھر آئے۔ حضور نے پیالہ لیکر خود ہی دودھ دوہنا شروع کیا۔

پیالہ لبریز کرکے پہلے حضرت صدیقؓ کو پلایا۔ پھر عامر۔ عبداللہ۔ ام معبد۔ سب کو دیا۔ جب سب شکم سیر ہو گئے۔ تب حضور نے خود پیکر جس قدر برتن رکھے تھے سب حضور نے دودھ سے بھر دیئے۔

حضرت صدیقؓ۔ حضرت عامر۔ عبداللہ اور ام معبد سب ہی حیرت سے حضور کے اس معجزہ کو دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے بے ساختگی سے لہجہ میں کہا۔ بیشک آپ خدا کے رسول ہیں۔ یہ خدا ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے آپکے لئے ایک کمزور بکری سے دودھ دلایا۔ دودھ پی کر سب کمبل پر لیٹ گئے۔ اور آرام کرنے لگے۔ تقریباً دو گھنٹے آرام کرکے اٹھے۔ آنحضرت حضرت صدیقؓ۔ عامر نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اور نماز پڑھکر پھر روانہ ہو گئے یہ قافلہ تھوڑی دور چل کر مقام اجج کے زیریں جانب چلا اور عصر کے بعد مقام قدید پر جا پہنچا۔ یہاں انہیں ایک قافلہ ملا۔ جو ملک شام سے تجارت کیلئے آرہا تھا۔

اس قافلہ میں زبیر العوام تھے۔ زبیر کی شادی۔ حضرت صدیقؓ کی دختر اسماءؓ سے ہو چکی تھی۔ وہ حضور اور حضرت صدیقؓ کو دیکھتے ہی آپکے پاس آئے آتے ہی دریافت کیا۔ حضور کہاں تشریف لیجا رہے ہیں۔؟

حضور نے فرمایا۔ مجھے مکہ والوں نے مکہ میں نہ رہنے دیا۔ اسلئے میں ہجرت کرکے یثرب جا رہا ہوں۔" حضرت زبیرؓ نے کہا۔" یا رسول اللہ۔ جب آپ مکہ چھوڑ کر یثرب تشریف لیجا رہے ہیں۔ تو میں بھی مکہ جاکر کیا کروں گا۔ میں بھی یہیں سے حضور کی معیت میں چلوں گا۔

حضور نے فرمایا۔ زبیر یہ بات مناسب نہیں ہے تم مکہ جاکر وہاں کے تمام کاموں سے فراغت کرکے یثرب آنا۔

حضرت زبیرؓ نے کہا۔ بہت اچھا۔ لیکن میں حضور اور حضرت صدیقؓ کیلئے ملک شام سے کچھ کپڑے تیار کرا کر لایا ہوں۔ وہ حضور کی نذر کرتا ہوں۔ مہربانی فرماکر قبول کر لیجئے۔

لے از تاریخ نور جہاں۔

آنحضور نے کہا۔ اچھا لے آؤ۔

حضرت زبیر واپس گئے۔ اور ایک بکری کو بغل میں دبا کر لے آئے۔ حضرت صدیق نے بکری لے لی۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ رات کو ایک مقام پر ٹھہرے۔ صبح ہوتے ہی پھر روانہ ہوئے چونکہ اندیشہ تھا تعاقب کا اسلئے عبداللہ نے شارع عام کو چھوڑ کر صحرا کے وسیع میدان میں سفر شروع کر دیا۔ یہ میدان نہایت وسیع تھا۔ دوپہر کے بعد طے ہوا اب مشقتدار کی وادی شروع ہوئی۔ اسکے اختتام پر لف کا لق و دق میدان آیا۔ رات کو اسی میدان میں قیام کیا۔ صبح ہوتے ہی پھر روانہ ہوئے اور لحی مخارج کو عبور کر کے ذوالعضوین کا علاقہ طے کرنے لگے۔ دوپہر کے قریب یہ علاقہ طے کر کے ذی سلم کے عظیم الشان صحرا میں قدم رکھا ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ کچھ خیمے نظر آئے۔ خیموں کے سامنے کچھ لوگ باتیں کر رہے تھے۔

چونکہ دوپہر کا وقت تھا ان سب کو پیاس لگ رہی تھی۔ اسلئے انہوں نے اونٹوں کا رخ خیموں کی طرف کر دیا۔ خیموں والوں نے انہیں دیکھا۔ وہ سب اٹھ کر انکی طرف روانہ ہوئے سب سے آگے ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ جو ذی وجاہت معلوم ہوتا تھا۔ اسنے قریب آ کر کہا خوش آمدید۔ اے صحرائے ذی سلم کے عبور کرنیوالو آؤ اور قبیلہ بنو سلم کے خیموں میں آرام کرو۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ اے مسافر نوازو بادیہ نشین کر بو! ہم پیاسے ہیں ہمکو پانی پینے کیلئے دو۔ جو شخص پہلے ہمکلام ہوا تھا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھا پہچانا اور پہچانتے ہی کہا۔ اے ابی قحافہ کے بیٹے ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔ کہ مکہ کا بڑا تاجر آج ہمارا مہمان ہوا ہے تم پانی مانگتے ہو کیا ہم ایسے گئے گزرے ہیں کہ آپکو دودھ بھی نہ پلا سکیں گے۔ ہم تمہاری مدارات کریں گے۔ آؤ خیموں میں چل کر بیٹھو اور آرام کرو۔

یہ سب روانہ ہوئے۔ جب خیموں کے قریب پہنچے تو خیموں کے اندر سے بہت سے لوگ نکل پڑے۔ یہ سب غالباً ستر آدمی تھے۔ سب کے سب مسافروں کو دیکھکر بڑے خوش ہوئے جیسے انکے عزیز و اقارب آگئے ہوں۔

خیموں کے قریب پہنچکر شتر سوار اترے ایک بڑے خیمہ میں داخل ہوئے۔ یہ خیمہ اسی ذی جاہ شخص کا تھا۔ جو حضرت صدیق سے ہمکلام ہوا تھا۔ اسنے اپنے ہمراہیوں کو دودھ لانے کیلئے کہا۔ کئی آدمی دودھ لینے گئے۔

آنحضور حضرت صدیق حضرت عامر۔ عبداللہ سب خیمہ کے اندر کمبل کے فرش پر بیٹھ گئے انکے سامنے ہی انکا میزبان بھی بیٹھ گیا۔ وہ آنحضور کو بار بار دیکھتا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن

ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت صدیق نے اس سے دریافت کیا۔ معزز میزبان! تمہارا کیا نام ہے میزبان نے جواب دیا میرا نام بریدہ ہے۔

حضرت صدیق۔ کیا تم اپنے قبیلہ کے سردار ہو؟

بریدہ۔ جی ہاں۔ میرے قبیلہ میں کل ستر آدمی ہیں اور سب میرے ساتھ ہیں

حضرت صدیق۔ تم یہاں کب سے فروکش ہو؟

• بریدہ۔ تقریباً دو ہفتوں سے!

حضرت صدیق۔ اب کہاں جانیکا ارادہ ہے

بریدہ۔ ہم بادیہ نشینوں کا ارادہ ہی کیا۔ ابھی تو یہیں قیام کرنیکا قصد ہے

اس عرصہ میں لوگ دودھ لیکر آگئے سب نے دودھ پیا اب بریدہ نے حضرت صدیق سے دریافت کیا۔ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت صدیق نے جواب دیا۔ ھٰذا بھرابن السبیل۔ یعنی یہ میرے ہادیٔ طریق ہیں! بریدہ نے کسی قدر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہ محمد ہیں؟

حضرت ابوبکر صدیق نے کہا۔ ہاں یہ حضرت محمد ہیں۔ بریدہ کے چہرے سے قدرے خشونت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے کہا یہ ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہیں ہمارے مذہب کو باطل بتاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

آنحضور نے فرمایا۔ بریدہ انسان کا! ایک ہوشیار انسان کا فرض ہے کہ ہر بات کو غور سے سنے۔ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرے اور پھر جو کچھ اس کا دل اسکا دماغ اسکا ضمیر اسے اجازت دے اس پر عمل کرے سنو! جن بتوں کو تم پوجتے ہو انہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو۔ یا تمہارے بزرگوں نے بنایا ہے۔ بت تراشوں نے جس بت کی جیسی صورت چاہی بنائی۔ عوام نے اس کی پرستش شروع کردی لیکن اس بات پر کبھی کسی نے غور

نہ کیا کہ جو بت حرکت نہ کر سکتے ہوں۔ نہ دیکھ سکتے ہوں نہ سن سکتے ہوں۔ وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے ہر شخص کی بات سنتا ہے اور ہر فعل کو دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی کام یا کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے

یہ دنیا جو ہماری نظروں کے سامنے ہے اور وہ عالم جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اسی نے بنائے ہیں۔ وہ لا محدود قدرت والا ہے۔ تنہا ہے کوئی اس کی خدائی میں شریک نہیں ہے زندگی اور موت پر قادر ہے۔ اس کے حکم بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا وہ خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے خشک اور مردہ زمین پر بارش برسا کر میرے اور تمہارے لیے اناج اگاتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بتاؤ اور سوچو کہ بتوں کو پوجنا مناسب ہے یا خدا کو" ... " بریدہ اور ان کے ساتھی نہایت توجہ اور غور سے حضور کی تقریر سن رہے تھے۔ جب حضور خاموش ہوئے تو بریدہ نے کہا۔ میں نے حضور کی تقریر سنی ہے۔ نہایت موثر تقریر ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آج سے پہلے ہی جب میں نے حضور کے مبعوث ہونے کی خبر سنی تھی۔ کیوں نہ جا کر مسلمان نہ ہو گیا۔

آنحضور نے فرمایا اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ مسلمان ہو جاؤ۔ بتوں کا دامن چھوڑ کر خدا کی آغوش رحمت میں آ جاؤ۔ جو شخص کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہوتا ہے خدا ایسا رحیم ہے کہ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیتا ہے مسلمان ہونے والا ایسا ہی معصوم ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک نوزائیدہ بچہ!

بریدہ نے کہا۔ میں تیار ہوں۔ مجھے مسلمان کر لیجیے۔ حضور نے کلمہ پڑھا کر ان سے مسلمان کر لیا۔ بریدہ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے کہا اے میرے قبیلہ کے لوگو تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی غیر دانشمندانہ کام نہیں کیا کبھی نادان بات کی پیروی نہیں کی۔ سنو آج میں مسلمان ہو گیا ہوں میں اسلام کو اچھا مذہب سمجھ کر

مسلمان ہوا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ۔ صرف ایک خدا کو پوجو!

تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ سب بت پرست تھے انہوں نے کبھی اسلام کا نام بھی نہ سنا تھا انہیں حیران دیکھکر بریدہ نے کہا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے جن بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں وہ پتھر کی مورتیاں ہیں۔ جو نہ حرکت کر سکتی ہیں نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہیں پرستش کے قابل وہ ذات ہے جس نے دنیا و دو جہان کو پیدا کیا ہے اور ہر جگہ موجود ہے سب لوگوں نے کہا۔ اے قبیلہ کے سردار جب تم مسلمان ہو گئے ہو تو ہم سب بھی مسلمان ہونے کو تیار ہیں۔ بریدہ۔ حضور۔ حضرت صدیق الغرض سب ہی انہیں مسلمان ہونے پر آمادہ دیکھکر کمال خوش تھے۔ آنحضرت۔ حضرت صدیق۔ اور حضرت عامر نے کلمہ پڑھا پڑھا کر سب کو مسلمان کر لیا۔

اس قدر آدمیوں کا ایک ہی مجمع میں مسلمان مشرف با اسلام ہونا نہایت خوش کن بات تھی۔ سب کے چہرے فرط انبساط سے چمکنے لگے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک دم اسقدر آدمی مسلمان ہوئے۔ بریدہ نے آنحضور سے دریافت کیا۔ حضور کہاں تشریف لیجا رہے ہیں؟ .. .. حضور نے فرمایا۔ یثرب!

بریدہ نے حیرت سے حضور کے روئے منور کو دیکھکر کہا۔ یثرب۔ اس غیر معروف راستہ سے سیدھا راستہ کیوں اختیار نہ کیا؟

آنحضور نے فرمایا۔ اسی لئے کہ میری قوم نے مجھے بیحد ستایا۔ جب میں نے انکے جور و ستم سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کیا۔ تو انہوں نے مزاحمت کی آخر میں موقعہ پاکر نکلا اور تعاقب کے اندیشہ سے اس غیر معروف راستہ پر چل پڑا ہوں

بریدہ نے کہا کہ لیکن حضور کو یہ کیسے اطمینان ہو کہ مکہ والوں کی طرح یثرب والے

آپ کو ایذا نہ پہنچا ئیں گے۔ حضور نے فرمایا۔ یثرب کے لوگ زیادہ تعداد میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے انکا پرتپاک خیر مقدم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے خدا کا حکم بھی وہیں جانیکا ہوا ہے اور اہل یثرب نے بھی مجھے مدعو کیا ہے۔

بریدہ نے دریافت کیا۔ کیا ہم بھی حضور کے ہمراہ چل سکتے ہیں؟ آپنے جوابدیا ہاں چل سکتے ہو۔ یثرب والے تمہارا بھی خیر مقدم کریں گے۔ بریدہ نے مسرور ہو کر کہا۔ تب تو ہم بھی چلیں گے۔ حضور کے جلو میں۔

حضور نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو فوراً تیار ہو جاؤ۔ ہم دو گھڑی آرام کر کے چلیں گے۔ بریدہ نے کہا۔ حضور ہمیں تیاری ہی کیا کرنی ہے۔ صرف خیمے اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کر لینا ہے۔ آپ آرام فرمائیں۔ اتنے میں ہم تیاری کر لیں گے۔

یہ کہکر بریدہ اور اسکے ہم قبیلہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ حضور نے حضرت صدیق نے حضرت عامر اور عبداللہ نے آرام کیا۔ تقریباً دو گھنٹہ کے بعد حضور اٹھے۔ صدیق اکبر بھی اٹھے۔ سب خیمے سے باہر آئے! دیکھا تو بریدہ کے قبیلہ نے تمام خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کر لئے ہیں۔ ... حضور نے وضو کر کے نماز شروع کی۔ اور سب بھی نماز پڑھنے لگے نماز سے فراغت کر کے بریدہ نے بھی اپنا خیمہ اکھاڑ کر اونٹ پر لاد دیا۔ اور سبز رنگ کی ایک چادر ایک نیزہ پر باندھ کر کہا "حضور یہ علم اسلامی مسلمانوں کا قومی علم ہیبت دیدبہ پیدا کرنیوالا علم! کیا اجازت ہے کہ ہم اس علم کو اٹھائیں ... حضور بریدہ کے اس جوش اسلام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے آپنے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر علم اٹھایا۔ اور حضور اونٹ پر سوار ہو لئے۔ تو وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حضور کے برابر آیا اور علم اٹھا کر چلنے لگا۔

اب یہ قافلہ عظیم الشان قافلہ ہو گیا تھا۔ بلکہ علم ہونے کی وجہ سے لشکر کی صورت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ دور تک اونٹوں کی قطار پھیل گئی تھی۔ اس شان و شوکت سے حضور ذوالعوصنین کا علاقہ طے کرنے لگے۔ آپکے گرد آپکے جاں نثار صحابہ کا ہجوم تھا

تیسرا باب
آفتاب رسالت قبا میں

یثرب میں آپکے تشریف لانے کی خبر عام ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کو۔ کفار کو۔ یہود کو الغرض سب کو معلوم ہو گیا تھا۔ اگرچہ یثرب میں کفار اور یہود کی کثرت تھی۔ مگر مسلمان بھی کافی تعداد میں ہو گئے تھے۔ زیادہ تر تو یثرب کے لوگ بھی مسلمان تھے کچھ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ اسطرح مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی

چونکہ مسلمانوں کو آپکے آنیکا انتظار تھا۔ اسی لئے مشتاقان دید جمع ہو کر قبا میں آ جاتے ہیں اور دوپہر تک انتظار کرتے جب آفتاب میں پوری حدت آ جاتی یا دھوپ ناقابل برداشت ہو جاتی تو شمع رسالت کے پروانے واپس لوٹ جاتے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یثرب بڑا شہر تھا دو دو اور تین تین میل کے فاصلہ پر چاروں طرف متعدد قلعے اور گڑھیاں تھیں۔ ان قلعوں اور گڑھیوں کی وجہ سے یہ شہر اور بھی بڑا ہو گیا تھا۔ قبا اصل شہر یثرب سے دو میل کے فاصلہ پر جانب مکہ واقع تھا۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اس میں زیادہ تر مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں نے قبا کو یثرب کے ملحقہ علاقہ جات کو آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا۔ سارا شہر اور تمام قلعے سجا کر دولہن بنا دیئے گئے تھے۔ ،، .. ،، مسلمانوں نے حضور کے استقبال کی اس شان سے تیاریاں کی تھیں جس شان سے کسی شہنشاہ کے خیر مقدم کی تیاریاں

کی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے گھر گھر میں خوشی کا دور دورہ تھا۔ ہر قبیلہ، ہر خاندان ہر شخص نہایت مسرور تھا۔ عورتیں اور بچے رات کو اور دن میں قبا میں اور یثرب میں حضور کی مدح سرائی کرتے رہتے ہیں۔

چونکہ قاصد یثرب والوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں۔ حضور کو بلانے کے لیے گیا تھا وہ واپس آگیا تھا۔ اور اس نے یہ خوشخبری آکر سنائی تھی کہ حضور عنقریب آنے والے ہیں۔ اسی لیے یثربی مسلمان روزانہ قبا میں آکر حضور کا انتظار کرتے تھے۔

انتظار کرتے کرتے ربیع الاول ۱۲ نبوی کا دن آگیا۔ آج بھی مسلمان بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ قبا کے قلعہ سے باہر نکلکر کھجوروں کے درختوں کے سائے میں لب راستہ میں بیٹھ کر شمع رسالت اور آفتاب عرب کے آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ان انتظار کرنیوالوں میں مرد بھی تھے۔ عورتیں بچے لڑکے اور لڑکیاں بھی تھیں۔ لڑکے اور نوعمر لڑکیاں دف چنگ اور رباب لئے ہوئے تھیں۔ وہ یہ باجے بجا بجا کر حضور کی شان میں اشعار گا رہی تھیں۔ ان اشعار کا مضمون یہ تھا۔ ہم خدا کے مشکور ہیں کہ اس نے ہماری ہدایت کیلئے۔ ایسا نبی بھیجا۔ جو بڑے کریم الاخلاق بڑے پاکیزہ نفس بڑے باحوصلہ انسان ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ محترم رسول ہیں۔ انہوں نے ہمیں تو ذلت اور گمراہی سے نکالا ہے۔ کفر کی لعنت سے نجات دلائی ہے۔ اسلام کی روشنی میں خدا کی رحمت کے سایہ میں۔ معبود حقیقی کے دامن میں لا کھڑا کیا ہے۔ آج جھوٹے فخر و غرور کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ نسلی امتیاز مٹ گیا ہے۔ آقا غلام ایک درجہ میں آگئے کیسی خوشی کی بات ہے کہ اب نہ کوئی بندہ ہے اور نہ بندہ نواز ہے یہ حضور کی کیسی اچھی تعلیم ہے کہ سب مساوی درجہ میں آگئے ہیں۔ حضرت محمد پر سلام ایک بار نہیں ہزار بار سلام دوپہر تک کمسن لڑکیاں چھوٹے لڑکے گاتے رہے۔ جب آفتاب نصف النہار کے قریب آگیا اور آفتاب کی تپش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ دھوپ نا قابل برداشت

ہو گئی۔ بادِ سموم کے جھونکے چلنے لگے۔ یہ مشتاقان ناامید ہو کر آخری نظر کہ پر ڈالکر واپس لوٹ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں قبا کے سامنے کا تمام میدان خالی ہو گیا۔ ایک متنفس باقی نہ رہا۔ دھوپ ریگزار پر پڑ رہی تھی۔ ریگزار کے ذرے جگمگا رہے تھے۔ لو کے تیز و تند جھونکے چل رہے تھے۔ کھجوروں کی لمبی شاخیں مرجھا کر جھک گئی تھیں۔ اسوقت مکہ کی جانب سے گرد و غبار اٹھتا نظر آیا۔ قبا کے قریب ایک گڑھی تھی۔ اس گڑھی میں یہود آباد تھے ایک یہودی اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا۔ اس نے اس غبار کو دیکھکر متعجب ہوا کہ اس تیز دھوپ میں کون لوگ آرہے ہیں۔ وہ جو کام کر رہا تھا۔ اسے بھول گیا۔ اور غبار کی طرف دیکھنے لگا۔

غبار بڑھتا چلا آرہا تھا۔ گرد اڑاڑ کر دھوئیں کی طرح پیچ و خم کھا کھا کر آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی۔ کچھ عرصہ میں غبار کا دامن چاک ہوا اور بہت سے شتر سوار قبا کی طرف بڑھتے نظر آئے ساتھ ہی ایک علم بھی لہراتا ہوا دکھائی دیا۔

یہودی نے قرائن و قیاس سے سمجھ لیا کہ آنیوالے حضرت محمد ہیں۔ جنکی آمد کا انتظار مسلمان کئی روز سے کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ یہودی تھا۔ مگر اسوقت اس پر کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے۔ بلند آواز سے کہا۔ یا معشر العرب یا تی فیہ حظکم الذی تنتظرون یعنی اے عرب! اے دوپہر کے آرام کرنیوالو! تمہارا مطلوب یا تمہاری خوش نصیبی کا سامان آپہنچا۔ تیز ہوا نے اسکی آواز دور تک پہنچادی۔ قبا کے اکثر مسلمان نے اس آواز کو سنا وہ گھبرا گئے۔ اور جوش مسرت سے مغلوب ہو کر۔ گھروں سے نکلے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا! مسلمانو! چلو آفتاب عرب نے یثرب پر طلوع کیا ہے۔

یہ آواز تمام قبا میں گونج گئی۔ قبا کے سامنے مسلمان۔ عورتیں۔ مرد۔ بچے۔ لڑکے اور لڑکیاں سب گھروں سے باہر نکل آئے۔ اور جلدی جلدی قبا سے باہر کی طرف دوڑے۔ ہر شخص۔ کمال مسرور تھا۔ ایسا خوش جیسے اسے کوئی خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ بچے بھی بیحد مسرور تھے۔ سب کے چہرے شگفتہ ہو رہے تھے۔ تمام قبا میں ہلچل شروع ہو گئی تھی۔ ہر شخص مکہ کے راستہ کی طرف جا رہا تھا۔ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی کفار اور یہود بھی دوڑنے لگے۔ سیکڑوں لوگ بھاگ بھاگ کر قبا سے باہر پہنچے۔ یہ سب لوگ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے والے کھجوروں کے باغ کے آگے شتر سواروں کا رسالہ آرہا ہے۔ سب سے آگے ایک اونٹنی ہے۔ اونٹنی پر ایک وجیہہ عرب سوار ہے اسکے برابر میں ایک شخص علم لئے چلا آرہا ہے۔ علم کا پھریرا اسکے سر پر لہرا رہا ہے ایک خوبصورت اور شاندار عرب چادر لئے ان پر سایہ کئے ہوئے ہے۔

لوگوں نے اس خوبرو عرب کو پہچان لیا۔ یہ حضرت صدیق تھے۔ حضرت صدیق نے حضور کو متمیز کرنے کے لئے چادر سے حضور پر سایہ کر دیا تھا۔

یہ شاندار قافلہ یا مختصر اسلامی لشکر نہایت شان سے بڑھا۔ چلا آرہا تھا۔ جب حضور کی سواری قریب آئی تو لوگوں نے آنحضرت صلعم کو پہچان لیا۔ سب نے آپکو سلام کیا۔ حضور نے اونٹنی سے اترنے کا ارادہ کیا۔ تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ حضور ہماری سب کی آرزو یہ ہے کہ آپ بدستور سوار رہیں۔!

حضور بدستور سوار رہے حضور نے سب کے سلام کا جواب دیا۔ قبا کے سب سے معزز شخص نے بڑھ کر آپکی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور بڑے فخر۔ بڑی مسرت۔ بڑے جوش سے روانہ ہوا۔ " " " " " " " " لوگوں کا سیلاب حضور کی سواری کے آگے برابر اور پیچھے چلا۔ حضور کی سواری نے جلوس کی صورت اختیار کر لی۔ دور تک لوگ بکھر گئے جس طرف نظر جاتی تھی لوگوں کا اژدھام نظر آتا تھا۔ جب آپکی سواری قبا میں داخل

ہوئی تو قبا کی کمسن اور نوخیز لڑکیوں نے دف بجا بجا کر جوش مسرت سے گانا شروع کیا۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
ہم پر بدر (چاند) طلوع ہوا ہے	ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ہم پر اس وقت تک شکر کرنا واجب ہے	جبتک کوئی اللہ سے دعا کرنیوالا ہے
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع
اے ہم میں مبعوث ہونیوالے پیارے نبی	آپ ایسا حکم لیکر آئے ہیں جسکی اطاعت ہم پر واجب ہے

اگرچہ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ نہایت شدت سے پڑ رہی تھی۔ اور لو چل رہی تھی دھوپ اور گرمی نے لوگوں اور بچوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ مگر مشتاقان دید کو نہ دھوپ کی پرواہ تھی نہ گرمی کا خیال۔ سب آپکے جلو میں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

حضور کے ہمراہیوں کے ساتھ تقریباً ساٹھ اونٹ تھے۔ ہر اونٹ کی مہار دوسرے اونٹ کی دم سے بندھی ہوئی تھی۔ اس لئے دور تک اونٹ پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ تو اونٹوں کی کثرت اور کچھ آدمیوں کی بہتات سے حضور کی سواری کا منظر نہایت شاندار ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ جوش عقیدت اور فرط مسرت سے آنحضور کی سواری کے گرد ٹوٹے پڑتے تھے۔

کفار یثرب اور نواح کے کفار کے یہودی جو جمع ہو گئے تھے۔ نہایت حیرت سے مسلمانوں کا جوش مسلمانوں کی مسرت اور آپ کی سواری کی شان و شوکت دیکھ رہے تھے۔ مسلمان قدم قدم پر اللہ اکبر کے نعرہ لگا رہے تھے۔ ان پیہم نعروں کی آواز در و دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر فضا میں گونج رہی تھی۔

اگرچہ یثرب سے قبا دو میل تھا۔ مگر مسلسل نعروں کی آواز یثرب میں

بھی پہنچ گئی۔ یثرب کے مسلمان کبھی دوڑ پڑے تمام یثرب میں حضور کی آمد کا غلغلہ ہوگیا۔ ہر شخص بے تحاشہ دوڑا۔ عورتیں، مرد بچے بھاگ بھاگ کر قبا کی طرف جانے لگے۔ بعض اونٹوں پر سوار بعض گھوڑوں پر سوار ہو کر اکثر پیادہ ہی دوڑ پڑے۔ فاصلہ ہی صرف دو میل کا تھا۔ بہت جلد یہ لوگ قبا میں داخل ہو گئے۔ اور بھاگ کر آپ کی سواری کے جلوس میں جا ملے۔

ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے جلوس بہت طویل ہوگیا۔ انسانوں کا سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آنے لگا۔ یوں تو سیکڑوں جلوس نکلے اور نکلیں گے مگر ایسے پر اخلاص۔ ایسے عقیدت کیش۔ ایسے مسرت سرور والو قت لوگوں کی معیت میں کوئی جلوس نہ نکلا ہوگا۔ نہ نکلے گا۔ جیسا حضور کا نکلا۔

حضور کی اونٹنی کی جو اعرابی مہار پکڑے تھے۔ ان کا نام کلثوم بن یدم تھا یہ قبیلہ بنی النجار سے تھے۔ اس قبیلہ میں آنحضور کی ننھیال تھی۔

یثرب سے آنے والوں میں سعد ابن معاذ بھی تھے۔ یہ قبیلہ اوس کی مشہور شاخ عبدالاشہل کے سردار اور تمام قبائل کے سردار اعظم تھے حضور کی سواری کی شان دیکھ کر انہیں ایسا جوش آیا کہ فوراً گھوڑے سے اتر کر آنحضور کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔

چونکہ یہ نہایت ذی عزت لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے اسی لئے عوام پر ان کے مہار پکڑ کر چلنے سے گہرا اثر پڑا۔ ہر شخص نے بجائے خود سمجھ لیا کہ اب نسلی امتیاز مٹ گئے آقا و غلام مساوی درجہ میں آ گئے۔ اسلام کے حلقہ بگوش کسی کے غلام نہ رہے۔ جلوس نہایت شان و شوکت سے قبا کے راستوں سے چلتا ہوا۔ بازاروں سے گذر رہا تھا۔ مسلمان اللہ اکبر کے پر ہیبت نعرے لگا رہے تھے۔

جب جلوس قبا کے وسط میں پہنچا تو ایک کافر عرب گھبے ہیں ہڈیوں کی مالا ڈالے راستہ کے

سڑوں پر کھڑا نظر آیا۔ اس عرب کا چہرہ مہیب تھا آنکھیں سرخ اور ابل کر باہر نکلی ہوئی تھیں۔ پیشانی پر موٹی موٹی شکنیں پڑی تھیں۔ گالوں کی ہڈیاں پچکی ہوئی تھیں داڑھی عجیب قسم کی تھی۔ محض ٹھوڑی پر تھی۔ گاؤ دم سینہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے حضور کو غور سے دیکھا آپکی سواری کو دیکھا اور سواری کے جلوس کو دیکھا۔ اہل جلوس کے جوش کو دیکھ کر بڑبڑایا۔ اور اس نے کہا۔ آج یثرب سے اصنام پرستی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا عنقریب اسلامی حکومت کا آغاز ہو گا۔ اصنام اور اصنام پرست۔ ذلیل کر کے یہاں سے نکال دیئے جائیں گے۔ لوگوں نے اسکے الفاظ سنے مسلمان سنکر خوش ہوئے۔ اور کفار بحرالم میں ڈوب گئے۔

جلوس بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنی النجار کا محلہ شروع ہوا۔ جب کلثوم کا مکان آیا۔ انہوں نے رک کر عرض کی۔ یارسول اللہ۔ آپکے خادم کا غریب خانہ یہی ہے۔ کیا حضور یہاں قیام نہ کریں گے اور مجھے اپنی خدمت کرنے کی سعادت عطا نہ ہو گی۔

حضور نے فرمایا۔ ہاں میں یہیں قیام کروں گا اونٹنی کو بٹھا دو۔

کلثوم نے اونٹنی کو اشارہ کیا۔ اونٹنی بیٹھ گئی۔ فوراً ہی تمام اونٹ بٹھائے گئے اول حضور اترے پھر صدیق اکبر انکے بعد حضرت عامر۔ حضرت بریدہ۔ اور بریدہ کے اہل قبیلہ اترے حضور کلثوم کے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ چند معزز لوگ حضور کے ساتھ مکان کے اندر چلے گئے۔ باقی لوگوں کو تمام مسلمان ایک ایک دو دو کر کے لے گئے۔ جلوس منتشر ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام گلیاں سنسان اور ویران نظر آنے لگیں

حضور کلثوم کے مکان میں داخل ہو کر اطمینان سے ایک کمرے میں بیٹھ گئے آپکے بیٹھتے ہی یثرب اور قبا کے سربرآوردہ لوگ جو حضور کے ساتھ مکان کے اندر آگئے تھے نہایت ادب سے آبیٹھے۔

اب کلثوم نے جلدی جلدی ستو گھول کر پہلے حضور کو پلایا۔ پھر باقی حاضرین

کو مدعو کیا گیا۔ جب سب لوگ ستو پی چکے تو سعد بن معاذ نے پہلے حضور سے
تعارف کرایا۔ پھر تمام لوگوں کا تعارف کرانے لگے۔

چوتھا باب
شاہانہ جلوس

آنحضور ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱ نبوی بروز دوشنبہ قبا میں تشریف لائے تھے۔
تمام دن لوگوں سے ملنے اور تعارف کرنے کرانے میں گزر گیا۔ دوسرے روز پھر صبح ہی
لوگوں کی آمد کا تانتا لگ گیا۔

اگرچہ کلثوم کا مکان وسیع تھا۔ مگر حضور سعد بن خیثمہ کے مکان کو دار العلوم
بنا کر اس میں مجلس فرمانے لگے۔

لوگ صبح سے شام تک جمع رہتے وعظ سنتے۔ قرآن شریف سن کر یاد کرتے
نمازیں پڑھتے سارے دن سعد بن خیثمہ کے مکان پر میلہ سا لگا رہتا۔ دوسرے
ہی روز آنحضرت نے ایک مسطح اور خوش سواد قطعہ زمین دیکھکر ایک مسجد
کی بنیاد رکھی۔ اہل قبا نے جلد جلد مسجد کی تعمیر شروع کی۔

یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو اسلام میں بنائی گئی۔ اس مسجد کی بنیاد خود
آنحضور نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ چار روز تک حضور قبا میں تشریف
فرما رہے چوتھے روز جمعہ کے دن ۲۲ ربیع الاول کو صبح کی نماز پڑھ کر حضور نے یثرب
چلنے کا قصد کیا۔

اہل قبا نے حضور کے مزید قیام پر اصرار کیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں کہیں دور تو
نہیں جا رہا ہوں۔ قبا یثرب کا ایک محلہ ہے۔ میرا قصد یثرب میں تا زندگی رہنے کا ہے۔
لوگ خاموش ہو گئے۔ حضور نے حضرت صدیق کو تیاری کرنے کا حکم دیا۔ حضرت

صدیق نے عامر اور بریدہ سے کہا۔ دونوں تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اونٹ لائے گئے۔ اونٹوں پر پالان رکھ کر کجاوے کسے جانے لگے۔ سامان بار ہونے لگا۔ جبکہ تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ حضور کلثوم کے مکان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور حضور کے جاں نثار صحابی حضور کے سامنے صف بستہ خاموش کھڑے تھے۔ عامر اور بریدہ کے آدمی کجاوے کس رہے تھے۔ سامان باندھ رہے تھے۔ اس وقت سامنے سے حضرت علی کرم اللہ نمودار ہوئے۔

حضرت کے پیروں پر گرد چڑھا ہوا تھا۔ پیروں پر کچھ ورم سا معلوم ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ ان کی رفتار بتا رہی تھی۔ کہ وہ تھکے ہوئے ہیں۔

آنحضور انہیں دیکھتے ہی بڑھے۔ حضرت علی نے آنحضور کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اپنی رفتار کسی قدر تیز کر دی۔ آپ نے حضور کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ حضور نے سلام کا جواب دیکر کہا۔ خوب آئے علی۔ کہو امانتیں امانت والوں کے سپرد کر آئے۔

اگرچہ حضور نے دیکھ لیا تھا۔ کہ حضرت علی تھکے ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ دور سے سفر کرکے چلے آ رہے ہیں۔ انہیں آرام کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن حضور کو امانتوں کا اس قدر فکر تھا کہ آپ نے نہ حضرت علی کی حالت معلوم کی اور نہ سفر کے واقعات معلوم کئے۔ بلکہ سب سے پہلے امانتوں کے متعلق پوچھا۔

حضرت علی نے کہا۔ جی ہاں میں نے تمام امانتیں امانت والوں کے سپرد کر دی ہیں۔

آنحضور۔ بہت خوب کیا۔ تم مکہ سے کب چلے تھے!؟

حضرت علی۔ آج بارہ روز ہوئے۔

آنحضور نے۔ حیرت سے حضرت علی کو دیکھ کہا۔ بارہ روز ہوئے۔ گویا تم بھی اسی روز چلے جس روز میں غار ثور سے روانہ ہوا تھا۔؟

حضرت علی نے۔ کہا۔ اس حساب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہم ایک دوسرے کو دیکھ کیوں نہ سکے۔؟ حضور نے فرمایا۔ کہ اس لئے کہ میں سیدھے راستے سے نہیں آیا۔

بلکہ غیر معروف راستہ سے چلا اور تم سیدھے راستے سے آئے۔ ہذا راستے میں ملاقات نہ ہو سکی۔ کیا تم پیدل آئے ہو؟

حضرت علی نے کہا۔ جی ہاں میں پیدل آیا ہوں۔ رات کو سفر کرتا تھا۔ اور دن کے وقت پہچانے اور گرفتار ہو جانے کے اندیشہ سے ریت کے ٹیلوں چھپ رہتا تھا۔

آنحضور نے فرمایا۔ کاش تم پیدل نہ چلتے اور تھوڑے روز مکہ میں رہ کر انتظار کرتے اور کسی قافلہ کے ہمراہ آجاتے۔

علی۔ دراصل مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ امانتیں تقسیم کرنے ہی چل پڑا۔

آنحضور نے دریافت کیا۔ میرے چلے آنے کے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں پر یا میرے اور میرے رفیق حضرت کے رفیقوں پر سختیاں تو نہیں کیں۔؟

حضرت علی نے جواب دیا۔ سختیاں کرنا تو ان کی عادت میں داخل ہے۔ عام مسلمانوں پر انکی سختیاں بھی عام ہیں۔ البتہ حضور اور حضرت صدیق کے لواحقین پر زیادہ سختیوں کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نگرانی شدید طور پر کی جا رہی ہے۔

حضور نے فرمایا انشاءاللہ عنقریب ان کی حکومت اور نا روا جبر و تشدد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ خدا ظالموں کو زیادہ ڈھیل نہیں دیتا۔ علی تم میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ حضرت صدیق نے کہا۔ حضور! یہ میرے اونٹ پر سوار ہو جائینگے۔ یہ اور عامر۔ سوار ہو کر چلیں گے۔... آنحضرت نے دریافت کیا! اور تم؟

حضرت صدیق نے جواب دیا۔ میں حضور کے جلو میں پیادہ چلنا چاہتا ہوں۔

حضرت عامر نے کہا۔ یا سیدی یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے آقا ہو کر پیادہ چلیں اور میں غلام ہو کر اونٹ پر سوار ہو کر چلوں۔ آپ سوار ہو جائیں میں پیدل چلوں گا۔ فاصلہ ہی کتنا ہے۔ صرف دو ہی میل تو چلنا ہے۔

اگرچہ صدیق اکبر یہ نہ چاہتے تھے۔ کہ سوار ہو کر چلیں۔ مگر حضرت عامر نے انہیں اس درجہ مجبور کیا۔ کہ انہیں اونٹ پر سوار ہونا پڑا۔ انکے پیچھے حضرت علی سوار ہوئے۔ حضور پہلے ہی قصوہ پر سوار ہو گئے تھے۔ اب عبداللہ بن اریقط۔ بریدہ اور اسکے ساتھی اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ عامر نے حضور کی اونٹنی کی نکیل پکڑی اور چلے۔ اہل قبا نے جس گرمجوشی۔ جس مسرت سے۔ جس جوش عقیدت سے استقبال کیا تھا۔ اسی طرح سب نے آ کر رخصت کیا۔ حضور کی سواری نہایت شان سے روانہ ہوئی۔

حضور کے آنے کی خبر یثرب میں پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ اہل یثرب اہل قبا سے زیادہ شان و شوکت سے تیاریاں استقبال کر رہے تھے۔ لوگوں کا ازدحام یثرب سے باہر قبا راستہ پر کھڑا آفتاب عرب اور مکہ و صدیق کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ اس عظیم الشان مجمع میں عورتیں۔ مرد۔ لڑکے اور لڑکیاں سب ہی تھے۔ سب کے سب مسرور و شادماں تھے ایسے مسرور جیسے شہنشاہ وقت کی آمد پر وفادار اور جاں نثار رعایا ہوا کرتی ہے۔

بچے اچھل کود رہے تھے۔ ریت کے ٹیلوں پر دوڑ دوڑ کر چڑھ اور اتر رہے تھے لڑکیاں آپ کی شان بے پایاں میں مدحیہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

جب آفتاب بہت کچھ بلند ہوا۔ تو لڑکوں نے دور سے اونٹوں کو آتے دیکھا سب سے اگلے اونٹ پر علم کا پھریرا لہرا رہا تھا۔ اگرچہ بچے نا سمجھ تھے۔ مگر انہوں نے اونٹوں کو دور سے دیکھتے ہی سمجھ لیا۔ کہ آنحضور تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے غل مچایا۔ قبا سے آفتاب طلوع ہو گیا۔

چونکہ لڑکے ٹیلوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے اونٹوں کو

آتے ہوئے انہوں نے قافلہ دیکھا انکے غل مچاتے ہی لوگوں کی نظریں قبا کی طرف اٹھیں۔ اس طرف سے اونٹوں کی قطار آتی ہوئی نظر آئی۔

تمام لوگ سمٹ کر راستہ کے دونوں طرف صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اونٹ اپنی مخصوص رفتار سے آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ لیکن اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان کے راکبوں کی صورتیں نظر آنے لگیں۔ یہ سواری آنحضور کی تھی۔ آپکے سر پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ برابر میں بریدہ علم اٹھائے آرہا تھا۔ اور تمام اونٹ ایک کے پیچھے ایک لگے چلے آرہے تھے۔

لوگوں نے آپکو دور سے دیکھتے ہی اللہ اکبر کے پرشگاف نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ ان نعروں سے یثرب کی وادی گونج اٹھی۔ یثرب کے کنارہ کو یثرب کے نواحی یہود کو حضور کی تشریف آوری کی اطلاع ہو گئی۔ حضور کو حضور کی سواری کی شان کو دیکھنے کے لئے۔ دوڑ پڑے۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع آ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آپکی سواری قریب آ گئی۔

لوگ آگے بڑھنے لگے۔ چونکہ ان سے بد نظمی ہو کر بچوں یا عورتوں کے کچلے جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے۔ سعد بن معاذ نے لوگوں سے ڈپٹ کر۔ بدستور کھڑے رہنے کے لئے کہا۔ سب لوگ پھر سمٹ کر کھڑے ہو گئے۔

جب حضور کی سواری سامنے آ گئی تو لوگوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ زمین ہل گئی۔ فضا تھرا گئی۔ وادی گونج اٹھی۔ حضور نے یہاں بھی اترنے کا ارادہ کیا۔ حضرت سعد نے بڑھ کر حضور کو روکنے کی کوشش کی اور کہا اے شہنشاہ دین و دنیا آپکو اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب خادمان کی تمنا ہے کہ حضور بدستور سوار ہو کر تشریف لے چلیں۔

مجبور ہو کر آپ سواری ہی پر بیٹھے رہے حضرت سعدؓ نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور آگے چلنا چاہا حضورؐ نے فرمایا اے یثرب کے حکمراں! میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ آپ میری اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلیں۔ اس سے خوف ہے کہ کہیں میرے دل میں غرور پیدا نہ ہو جائے میں وہی ہوں جو پہلے تھا۔

ایک یتیم۔ لاوارث۔ بیکس۔ اپنی قوم کا ستایا ہوا۔ بے خانماں۔ وطن سے نکالا ہوا۔ بے کس خدا کا بندہ۔ تم یثرب کے حکمراں ہو۔ نہ تمہارے لئے یہ مناسب ہے نہ میرے لئے

حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ حضورؐ اب نہ لاوارث ہیں۔ نہ بیکس ہیں بے خانماں ہیں۔ اب مسلمانوں کے دل میں۔ مسلمانوں کے شہنشاہ ہیں۔ مسلمانوں کے پشتیبان یہ کس کی قسمت ہے کہ حضورؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ سعدؓ! میری یہ تمنا ہے کہ تم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر میرے ساتھ چلو۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اس میں بھی میری سعادت ہے میں حضورؐ کے ہر حکم کی تعمیل کرونگا۔

حضرت سعدؓ بھی اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اب آپ کی سواری بڑھی مسلمان نعرہ لگاتے ہوئے ہمرکاب ہوئے۔ حضورؐ کی سواری نے یہاں بھی جلوس کی صورت اختیار کر لی جلوس نہایت شان وشکوہ سے یثرب میں داخل ہوا۔ جو مرد یا عورتیں یثرب میں رہ گئے تھے ان میں سے کچھ تو راستوں کے کناروں پر کھڑے ہو کر کچھ مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر حضورؐ کی آمد کا شاندار نظارہ دیکھنے لگے

اگرچہ اس وقت آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ دھوپ میں نہایت تیزی آگئی تھی گرم ہوا جھونکے چلنے لگے تھے۔ لوگوں کو پسینے آنے لگے تھے۔ مگر وہ اس قدر جوش مسرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کہ ان میں سے کسی کو بھی دھوپ کی پرواہ نہ تھی۔ سب نہایت اطمینان سے اور بڑی مسرت سے جلو میں چل رہے تھے۔ یثرب کے کفار اور یہود حیرت سے مسلمانوں کا جوش باہمی۔ اخوت اور جلوس کی شان دیکھ رہے تھے۔

جس وقت کہ یہ جلوس محلہ بنو سالم میں پہنچا۔ تو نماز کا وقت آگیا۔ چونکہ آج جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز ظہر کے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے اسلئے حضورؐ نے حاضرین کو سواری روکنے کا حکم دیا۔ حاضر کھڑے ہو گئے۔ اونٹ ٹھہرا دئیے گئے۔ اور جلوس ٹھہر گیا۔ حضورؐ اترے۔ حضورؐ کے اترتے ہی سب لوگ اتر پڑے۔ سب ایک وسیع میدان میں جمع ہوئے لوگ دوڑ کر پانی

لائے۔ مسلمانوں نے وضو کیا۔ سب نے میدان میں بغیر کسی فرش اور سائبان کے جلتی دھوپ میں اور تپتے میدان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

نماز سے قبل آنحضورؐ نے خطبہ پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ حمد و تعریف کے قابل وہ خدا کی ذات ہے جس نے کائنات کو کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی قضا بھیجتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مسلمان وہ ہے جو خدا کی صرف خدا کی عبادت کرے عیش و عشرت میں دکھ میں آرام میں کبھی خدا کو نہ بھولے دنیا چند روزہ ہے۔ لہٰذا دنیا کا آرام بھی چند روزہ ہے۔ انسانی کی زندگی پانی کا بلبلہ ہے پانی ہوا کے جھونکے برابر ہے بہت جلد ختم ہو جاتی ہے دائمی زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو چند روزہ زندگی پر عیش و آرام میں پڑ کر خدا کی عبادت نہیں کرتے یاد رکھو مرنے کے بعد سب سے پہلے نماز کے بابت سوال ہوگا جس نے نماز وقت پر اور دل لگا کر پڑھی ہوگی۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے نمازیں قضا کی ہونگی یا دل سے اور وقت پر نہ پڑھی ہونگی وہ دوزخ میں جائے گا مسلمانوں کی حفاظت کرو۔ وقت پر اور دل سے پڑھو۔ حق العباد کا خیال رکھو نیکی کرو پرہیزگاری کرو۔ گناہوں سے بچو۔ کفر و شرک سے مجتنب رہو۔ یہی ماحصل زندگی ہے۔

یثرب میں پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔ لوگ سکون سے سنتے رہے خطبہ کے بعد نماز پڑھی گئی۔ نماز پڑھ کر حضورؐ اونٹنی القصوہ پر سوار ہوئے آپ کے سوار ہوتے ہی حضرت سعدؓ۔ صدیق اکبرؓ۔ حضرت بریدہؓ اور انکے ساتھی سوار ہو گئے۔

ابھی حضورؐ چلے ہی تھے کہ محلہ بنو سالم کے معزز لوگ آ گئے۔ اور آپکی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اندرون محلہ کی طرف چلنے لگے۔ چونکہ ہر محلہ اور ہر قبیلہ والے یہ چاہتے تھے کہ حضورؐ انکے یہاں مقیم ہوں۔ اس لئے اکثر قبائل کے لوگ آگے بڑھے اور بہت سے لوگ اونٹنی کی مہار پکڑنے لگے۔ اس سے بحث و تکرار ہونے لگی۔ ہر شخص اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنحضورؐ نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا مسلمانوں ہٹ جاؤ۔ اونٹنی کی مہار چھوڑ دو۔ اسے خدا کی طرف سے حکم ملا ہوا ہے۔ جس جگہ یہ خود بیٹھ جائیگی۔ اس محلہ میں قیام کرونگا۔ لوگ یا تو بحث و تکرار کر رہے تھے یا آپ کا یہ حکم سن کر سب ہٹ گئے اونٹنی روانہ ہوئی اسکے پیچھے تمام اونٹ چلے لوگ جلوس میں چلے۔

ناقہ خاموشی سے روانہ ہوا لوگ ناقہ کی رفتار دیکھ رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچا۔ اس محلہ کے سردار زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو تھے۔ فوراً دونوں نے بڑھ کر ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ دعوھا فانھا مامورۃ یعنی اسے چھوڑ دو اسے حکم ملا ہوا ہے۔

زیاد اور فروہ مہار چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے ناقہ پھر چلنے لگا اب عوام میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں ہر شخص کہہ رہا تھا۔ کہ دیکھئے وہ کونسا خوش قسمت محلہ ہے جس میں جا کر ناقہ بیٹھے گا۔ اور وہ کون خوش قسمت شخص ہے جو آنحضورؐ کی مہمان داری کی سعادت حاصل کرے گا ناقہ برابر چل رہا تھا یہاں تک کہ محلہ بنو ساعدہ میں پہنچا۔ اس محلہ کے سردار سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو تھے دونوں خوش ہو کر آگے بڑھے اور ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ اسے حکم ملا ہوا ہے۔ سعد اور منذر الگ ہٹ گئے ناقہ پھر چلنے لگا۔ اور محلہ بنو حارث میں پہنچا۔ اس محلہ کے معزز لوگ سعد بن ربیع خارجہ بن زید اور عبداللہ بن رواحہ تھے۔ جب انہوں نے ناقہ کی مہار پکڑنی چاہی تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ اسے چھوڑ دو اسے حکم ملا ہوا ہے

وہ بھی مہار چھوڑ کر الگ ہو گئے ناقہ پھر چلنے لگا۔ اور محلہ عدی بن النجار میں داخل ہوا چونکہ اس محلہ کے لوگوں میں حضورؐ کے جد امجد عبدالمطلب کے ننہیال تھے اس لئے ان لوگوں کو بڑا دعویٰ بڑا خیال تھا کہ آپ اپنی قرابت کا خیال کر کے ان کے محلہ میں قیام کریں گے۔ اسلئے سلیط بن قیس اور سیرہ بن ابی خارجہ نے بڑھ کر ناقہ کی مہار پکڑ لی لیکن حضورؐ نے ان سے بھی وہی فرمایا۔ کہ مہار چھوڑ دو اسے اللہ کی طرف سے حکم ملا ہوا ہے۔

فوراً وہ دونوں بھی مہار چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ناقہ پھر روانہ ہوا اور کچھ دور چل کر محلہ بنی مالک بن النجار میں پہنچ کر ایک غیر آباد اور افتادہ زمین پر جا کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کھڑا رہ کر بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی پھر اٹھا اور پھر چلا گیا۔ مگر کچھ دور چل کر خود ہی واپس لوٹا اور ٹھیک اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھا تھا پھر آ کر بیٹھ گیا۔

اس مرتبہ القصویٰ نے بیٹھ کر جھرجھری لی۔ گردن نیچے ڈال دی اور دم ہلانی شروع کی مطلب یہ تھا کہ منزل مقصود آ گئی۔ اب اتریئے چنانچہ آنحضورؐ اتر گئے آپ کے اترتے ہی سب لوگ جلدی جلدی اتر پڑے۔

اس افتادہ قطعہ زمین کے قریب حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان تھا۔ انہیں خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ حضورؐ انکے مکان کے قریب آ کر ٹھہریں گے اور انھیں حضورؐ کی خدمت

کی سعادت نصیب ہوگی۔

چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ ناقہ ان کے مکان کے قریب آکر بیٹھ گیا اور حضورؐ
سے نیچے اتر آئے۔ تو انہوں نے بڑھ کر حضورؐ سے عرض کی! یا رسول اللہ۔ اس افتادہ زمین کے
قریب میرا غریب خانہ ہے۔ میں غریب آدمی ہوں کیا حضورؐ مجھے مہمانداری
سے مشرف فرمائیں گے۔

آنحضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ غریبی اور امیری دنیاداروں کی نظروں میں کوئی قد
رکھتی ہوگی۔ دین والوں کے لئے نہیں۔ مسلمان امیر ہوں یا غریب سب بھائی بھائی ہیں تم
بھی بھائی ہو۔ میں تمہارے ہی مکان میں ٹھہرونگا۔

حضرت ابو ایوبؓ کو اس نوید روح پرور کے سننے سے بڑی مسرت ہوئی فرط مسرت
سے آپکی آنکھوں میں آنسوں چھلک آئے۔ آپنے بڑھ کر جلدی جلدی آنحضورؐ کا اسباب
اٹھایا۔ خوشی خوشی اپنے مکان میں لے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آنحضورؐ حضرت ابو ایوبؓ کے مکان میں تشریف لے گئے اب
بقیہ مسلمانوں کو دوسرے مسلمان ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ کچھ ہی عرصہ میں یہ افتادہ زمین
انسانوں سے خالی ہوگئی۔

پانچواں باب (۵)

آغاز انتقام

حارثؓ اور انکے ہمراہیوں نے ٹڈیاں سکھا سکھا کر تھیلیوں میں بھر لیں وہ
خدا کے بے حد مشکور تھے۔ کہ اس نے اس وقت جبکہ بھوک سے انکی جان لبوں پر آگئی
تھی اور انکے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ غیب سے انکی مدد کی تھی عربستان کے خشک اور
جھلسے ہوئے پہاڑوں میں اس کثرت سے ٹڈیاں رہتی ہیں کہ جب وہ غاروں میں سے
نکل کر پرواز کرتی ہیں تو آفتاب انکے نیچے چھپ جاتا ہے اگر وہ ریگزار پر گرتی ہیں تو تمام
ریت کے ذروں کو ڈھک لیتی ہیں اگر اتفاق سے کبھی نخلستان میں جا پڑتی ہیں۔ تو
آناً فاناً تمام درختوں اور سارے سبزے کو چاٹ جاتی ہیں۔

عرب کی ٹڈی ہندوستان کی ٹڈی سے جسامت میں بڑی ہوتی ہیں رنگ بھی بدلا ہوا

مائل ہوتا ہے مادہ ٹڈی بے شمار انڈے دیتی ہے آفتاب کی حرارت سے انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں اور دو چار روز ہی میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ ٹڈیاں پہاڑوں کے غاروں میں رہتی ہیں اور پتھروں کو چاٹا کرتی ہیں۔ جب کبھی پتھر میں چاٹنے سے سوراخ یا خلا ہو جاتا ہے۔ فوراً ٹڈیاں باہر نکل آتی ہیں۔ اور جس طرف ان کا منہ اٹھتا ہے۔ پرواز کر جاتی ہیں۔ ملک کے جس حصہ میں ان کا گذر ہوتا ہے۔ اس طرف وہ سبزہ کا نشان تک نہیں چھوڑتیں کھجوروں کے درختوں کو چاٹ چاٹ کر ٹھنٹ کر دیتی ہیں۔ گھاس کا تنکا تک نہیں رہنے دیتیں ان کا انسانی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

مگر جو لوگ بادیہ نشین ہیں۔ جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان کے یہ کھانے کے کام آتی ہیں۔ وہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر سکھا لیتے ہیں۔ اور مہینوں بلکہ برسوں انہیں کھا کھا کر بسر اوقات کرتے رہتے ہیں۔ حارثہ کے ہمراہیوں نے بھی ٹڈیاں سکھا سکھا کر تھیلیوں میں بھر لی تھیں اب ان میں توانائی آ چکی تھی۔ اس قدر توانائی کہ وہ آسانی سے سفر کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے سفر شروع کر دیا تھا۔ جس ریگستان میں وہ سفر کر رہے تھے۔ اسکے ہر حصہ میں کثرت سے ٹڈیاں بھری پڑی تھیں۔

حارثہ اور انکے ساتھیوں نے خشک ٹڈیاں محفوظ رکھیں اور تازہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر کھانے لگے۔ انہیں کئی روز سفر کرتے کرتے گذر گئے۔ چونکہ جغرافیہ سے نابلد تھے۔ اس لئے نہ جانتے تھے کہ عربستان کے کون سے حصہ میں سفر کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ روزانہ روز روشن میں کھلے ہوئے میدان میں سفر کرتے تھے لیکن انسانوں سے دور تھے۔ اس لئے انھیں الجھن ہوتی تھی۔ اور وہ سمجھ رہے تھے وہ کہ باوجود روشنی کے اندھیرے میں پڑے راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حارثہ اور انکے ہمراہیوں کی کیفیت کا وہ لوگ کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو راستہ بھول کر مدتوں کسی صحرا میں ٹکریں کھاتے پھرے ہوں دراصل حارثہ ایسے ریگزار میں پھنس گیا تھا۔ جو وادی موت کے نام سے موسوم کی جا سکتی ہے۔ جس میں پانی کم یاب اور ضروریات زندگی نایاب تھیں۔ ایک لق و دق ریت کا سمندر تھا۔ جو تیز ہوا سے لہریں لیتا تھا۔ جس میں سر بفلک اور میلوں لمبے چوڑے ریت کے پہاڑ تھے۔

چونکہ یہ ریت کے ٹیلے یا پہاڑ بھول بھلیوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اسلئے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ لوگ گھوم پھر کر وہیں آ پہنچتے تھے۔ جہاں سے چلتے تھے۔ جب کبھی ایسا ہوتا تھا۔

مائل ہوتا ہے مادہ ٹڈی بے شمار انڈے دیتی ہے آفتاب کی حرارت سے انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں اور دو چار روز ہی میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ ٹڈیاں پہاڑوں کے غاروں میں رہتی ہیں اور پتھروں کو چاٹا کرتی ہیں۔ جب کبھی پتھر میں چاٹنے سے سوراخ یا خلا ہو جاتا ہے۔ فوراً ٹڈیاں باہر نکل آتی ہیں۔ اور جس طرف ان کا منھ اٹھتا ہے۔ پرواز کر جاتی ہیں۔ ملک کے جس حصہ میں ان کا گذر ہوتا ہے۔ اس طرف وہ سبزہ کا نشان تک نہیں چھوڑتیں کھجوروں کے درختوں کو چاٹ چاٹ کر ٹھنٹ کر دیتی ہیں۔ گھاس کا تنکا تک نہیں رہنے دیتیں ان کا انسانی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

مگر جو لوگ بادیہ نشین ہیں۔ جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان کے یہ کھانے کے کام آتی ہیں۔ وہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر سکھا لیتے ہیں۔ اور مہینوں بلکہ برسوں انہیں کھا کھا کر بسر اوقات کرتے رہتے ہیں۔ حارثہ کے ہمراہیوں نے بھی ٹڈیاں سکھا سکھا کر تھیلیوں میں بھر لی تھیں اب ان میں توانائی آچکی تھی۔ اس قدر توانائی کہ وہ آسانی سے سفر کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے سفر شروع کر دیا تھا۔ جس ریگستان میں وہ سفر کر رہے تھے۔ اسکے ہر حصہ میں کثرت سے ٹڈیاں بھری پڑی تھیں۔

حارثہ اور انکے ساتھیوں نے خشک ٹڈیاں محفوظ رکھیں اور تازہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر کھانے لگے۔ انہیں کئی روز سفر کرتے کرتے گذر گئے۔ چونکہ جغرافیہ سے نابلد تھے۔ اس لئے نہ جانتے تھے کہ عربستان کے کونسے حصہ میں سفر کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ روزانہ روز روشنی میں کھلے ہوئے میدان میں سفر کرتے تھے لیکن انسانوں سے دور تھے۔ اس لئے انھیں الجھن ہوتی تھی۔ اور وہ سمجھ رہے تھے وہ کہ باوجود روشنی کے اندھیرے میں پڑے راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حارثہ اور اسکے ہمراہیوں کی کیفیت کا وہ لوگ کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو راستہ بھول کر کسی صحرا میں ٹکراتے پھرے ہوں۔ دراصل حارثہ ایسے ریگزار میں پھنس گیا تھا۔ جو وادی موت کے نام سے موسوم کی جا سکتی ہے۔ جس میں پانی کم یاب اور ضروریات زندگی نایاب تھیں۔ ایک لق و دق ریت کا سمندر تھا۔ جو تیز ہوا سے لہریں لیتا تھا۔ جس میں سربفلک اور میلوں لمبے چوڑے ریت کے پہاڑ تھے۔

چونکہ یہ ریت کے ٹیلے یا پہاڑ بھول بھلیوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اسلئے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ لوگ گھوم پھر کر وہیں آ جاتے تھے۔ جہاں سے چلتے تھے۔ جب کبھی ایسا ہوتا تھا۔

تو ان لوگوں کو بڑی تشویش ہو جاتی اور پریشانی لاحق ہو جاتی تھی۔

آخر جب اس صحرائے لق و دق میں پریشان دار پھرتے عرصہ گذر گیا تو حارث نے کہا اے آلِ بنی بکر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی صحرا۔ یہی ریگزار یہی میدان ہماری قبر بننے والا ہے۔ جس قدر ہم اس میدان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے بھوک سے تنگ آ کر ان دیکھے خدا سے دعا مانگی تھی۔ اس نے ہم پر رحم کیا تھا۔ غیب سے ہماری خوراک کا سامان کر دیا۔ اور ہمکو بچا لیا تھا۔ آؤ آج پھر ہم محمدؐ کے خدا سے دعا مانگیں شاید وہ ہم کو اس وادی موت سے نجات دے۔

سب نے کہا۔ ہاں دعا مانگو! اس خدا سے دعا مانگو جس کی شان کے ہم قائل ہیں فوراً سجدے میں گر گئے۔ حارث نے کہا اے خدا۔ اے خالق ارض و سما۔ ہماری دستگیری کر اور ہمکو اس وادی موت سے نجات دے اس کے بعد سب نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور اونٹوں پہ سوار ہو کر چلے۔ اسوقت آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر اونچا ہو چکا تھا۔

چونکہ ابھی تک آفتاب کی شعاعیں ترچھی تھیں۔ اس لیئے دھوپ میں تیزی نہ آئی تھی۔ ہوا ابھی خوشگوار چل رہی تھی۔ ریت بھی ٹھنڈا ہو رہا تھا سفید سفید ریت حد نگاہ تک پھیلا ہوا نہایت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

دوپہر تک یہ لوگ سفر کرتے رہے جب آفتاب سر کے اوپر آ گیا اور شعاعیں عموداً پڑنے لگیں تو گرمی بڑھ گئی۔ دھوپ شدت کی پڑنے لگی۔ ہوا گرم ہو گئی۔ سفید ریت چمک کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگی۔

انہوں نے ایک سطح میدان میں خیمے نصب کئے کچھ کھایا۔ اور آرام کرنے لگے لیکن خیمے کھلے ہوئے میدان میں تھے۔ اس لئے دھوپ نے انہیں ایسا تپا دیا کہ خیمہ نشینوں کے جسم خیموں میں کے اندر رہتے ہوئے بھی کھولنے لگے اور وہ گرمی سے پریشان ہو گئے۔ جوں توں کر کے وہ عصر کے وقت تک خیموں کے اندر بیٹھے رہے چار گھڑی دن رہے جب آفتاب کی تمازت کسی قدر کم ہوئی۔ اور گرم ہوا کے تیز جھونکے بھی بند ہو گئے۔ تو یہ لوگ خیموں سے نکلے خیمے اکھاڑ کر اونٹوں پہ لادے اور سوار ہو کر چلے۔

تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ دن چھپ گیا آج انہوں نے عزم صمیم کر لیا تھا۔ کہ وہ ساری رات سفر کریں گے۔ چنانچہ وہ نہایت اطمینان سے سفر کرتے رہے یہانتک کہ آدھی رات

گذر رہی تھی۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا ہر طرف چاندنی پھیلی ہو
ئی تھی۔ سفید سفید ٹھنڈے ریت پر چاندنی کی پر نور سفید چادر بچھی ہوئی نہایت
دلفریب معلوم ہو رہی تھی۔

ریت کے اونچے اونچے ٹیلے چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ہوائے سرد کے خوشگوار جھونکے
چل رہے تھے۔ اونٹ آہستہ آہستہ اپنی مخصوص چال سے رواں تھے۔ سب سے آگے حارثہ کا
اونٹ تھا۔ باقی اونٹ اس کے پیچھے جہاں ایک سر بفلک نہایت اونچا حد نگاہ تک لمبا
اور بہت چوڑا ریت کا ٹیلہ سامنے آگیا تھا۔ اس ٹیلہ نے راستہ روک دیا تھا۔ داہنی طرف بھی
اونچے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ مگر اس ٹیلے کے پیچھے سے راستہ ہو
کر گذرتا تھا۔

دونوں ٹیلوں کے برابر چلنے کی وجہ سے راستہ قدرے تنگ ہو گیا۔ البتہ بائیں طرف
کھلا ہوا میدان تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حارثہ نے اونٹ کو بائیں طرف چلنے کا اشارہ
کیا۔ مگر باوجود اشارہ کے اونٹ داہنی طرف چلا۔

حارثہ نے اسے روک کر پھر بائیں طرف کا اشارہ کیا اونٹ کھڑا ہو گیا مگر اس
طرف نہ چلا جس طرف حارثہ اشارہ کر رہا تھا جب حارثہ نے مہار ڈھیلی کی تو اس
نے پھر داہنی طرف چلنا شروع کیا۔ حارثہ نے کہا۔

اے اہل نجران! میں اونٹ کو بائیں طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہوں مگر وہ
داہنی طرف جاتا ہے۔ کیا اونٹ کی مرضی پر اسے چھوڑ دوں چند لوگوں نے کہا چلنے دو
ممکن ہے اونٹ ہم کو صحرائے موت سے نکال دے۔

حارثہ نے مہار ڈھیلی کر کے اونٹ کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اونٹ داہنی
طرف چلا اور دونوں ٹیلوں کے درمیان دور تک چلتا رہا۔ جب ایک ثلث رات باقی رہگئی
تو داہنی طرف والے ٹیلے کا سلسلہ ختم ہوا اور کھلا میدان آیا۔

جب ان لوگوں نے سامنے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک
نخلستان نظر آیا۔ اونٹ نخلستان کی طرف روانہ ہوا چونکہ فاصلہ کم تھا اسلئے بہت جلد
نخلستان کے قریب پہنچ گئے۔ جب یہ لوگ نخلستان میں داخل ہوئے تو انہوں نے چند آدمیوں کو
اپنے قریب آنے کی آہٹ سن کر اپنی طرف اٹھ کر بیٹھتے دیکھا جیسے کہ وہ ابھی بیدار ہوئے ہیں۔
انہوں نے اپنے اونٹوں کو روکا۔ اور حارثہ نے ان سے دریافت کیا۔

تم کون لوگ ہو؟ جلدی بولو!

ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ ہم عرب کے مشہور قبیلہ قحطان کے فرزند ہیں۔ اس کے جواب کو سن کر حارثہ اور اس کے ہمراہیوں کے دلوں اور دماغوں میں بجلی سی دوڑ گئی۔ سب سے پہلے حارثہ اور اس کے بعد تمام لوگ تلواریں سونت سونت کر اونٹوں سے نیچے کود پڑے حارثہ نے کہا۔

بنی قحطان کے ناپاک لوگو۔ ڈاکوؤ۔ بدمعاشو۔ لٹیرو۔ کمینوں ہوشیار ہو جاؤ ہم آل بنی بکر ہیں۔ آج پانچ سال ہوئے کہ تم نے ہمارے خیموں پر ڈاکہ ڈالا تھا ہمارے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ہماری عورتوں اور لڑکیوں کو پکڑ لے گئے تھے۔ آج ہم تم سے انتقام لیں گے۔ اٹھو سامنے آؤ تلواریں نکالو اور مقابلہ کرو!

حارثہ کی گرج نخلستان میں گونجی۔ بنی قحطان والے چادریں پھینک پھینک کر جست لگا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں۔ حارثہ اور اس کے ہمراہی پہلے ہی تلواریں لئے کھڑے تھے۔ ہر دو فریق بڑے جوش اور غصہ میں آ کر بڑھے ایک نے دوسرے پر حملہ کیا اور جنگ خونریز شروع ہو گئی۔

بنی قحطان کے لوگ کم تھے۔ حارثہ کے ہمراہی زیادہ تھے۔ انہوں نے بنی قحطان کے لوگوں کو نرغے میں لے لیا چاندنی رات میں سفید تلواریں اٹھیں چمکیں۔ انسانوں کے اوپر جھکیں جھک کر ابھریں اب ان میں سے اکثر خون اگل رہی تھیں ہر دو فریق جوش میں تھے بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکار سے خاموش فضا مکدر ہو گئی تھی تھوڑی ہی دیر میں بنی قحطان کے کئے آدمی قتل ہو کر گرے۔

چونکہ ان کی تعداد کم تھی۔ ان کے اکثر آدمی مارے گئے۔ اس لئے ان کے بقیہ آدمیوں نے تلواریں پھینک دیں دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے عرب میں نہتوں پر تلواریں اٹھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے فوراً آل بنی بکر نے تلواریں روکیں۔

حارثہ نے غضبناک ہو کر کہا۔ نامردو! نامرد عورتوں پر تلواریں چلانا آتا ہے مردوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہو۔ لعنت ہے تم پر اور تمہاری بہادری پر۔ وحشی درندو! تم کیوں نہیں لڑتے۔ غلام بن کر رہنے سے موت کو اچھا کیوں نہیں سمجھتے۔

بنی قحطان میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ حارثہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ ان بزدلوں کمینوں کو گرفتار کر لو!

فوراً لوگوں نے بڑھ کر انہیں گرفتار کر کے رسیوں سے جکڑ دیا۔ یہ باقی رہے ہوئے پانچ آدمی تھے۔ چار مارے گئے تھے گویا وہ تمام صرف نو آدمی تھے۔

اب حارثہ نے اپنے لوگوں سے کہا۔ اب صبح ہوتی جاتی ہے۔ ہم ساری رات سفر کرتے رہے ہیں۔ تھک گئے ہیں خیمے اتار دو۔ اور درختوں کے سایہ میں نصب کر کے آرام کرو۔ لوگوں نے اونٹوں کو بٹھایا۔ خیمے اتارے۔ نصب کئے۔ ایک خیمے میں قیدیوں کو رکھا اور اس خیمے کے قریب پہرہ لگا دیا۔ باقی لوگ دوسرے خیموں میں گھس کر آرام کرنے لگے۔

چھٹا باب (۶)

معاہدہ بین الاقوام

آنحضورؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں اقامت اختیار کی تھی۔ چونکہ انکے مکان کے سامنے ایک وسیع قطعہ افتادہ اراضی کا پڑا ہوا تھا۔ اس لئے مسلمان روزانہ اس میدان میں جمع ہو جاتے اور حضورؐ انکے پاس پہنچ کر وعظ و نصیحت فرمایا کرتے۔

جو لوگ مکہ سے اپنے وطن۔ اپنے گھروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ مہاجرین کہلاتے تھے۔ اور جو لوگ یثرب کے رہنے والے تھے۔ اور مسلمان ہو کر مہاجرین کی امداد و اعانت کر رہے تھے وہ انصار کہلاتے تھے۔

مہاجرین اور انصار میں بیحد محبت۔ ایسی ہمدردی و یگانگت قائم ہو گئی تھی حقیقی بھائیوں میں ایسی ہمدردی۔ ایسی رواداری نہیں دیکھی گئی جیسی مہاجرین اور انصار میں قائم ہو گئی تھی۔ یہ ہجرت کا پہلا سال تھا اس ہجری اسی سال سے شروع ہوا جو دنیائے اسلام میں آج تک جاری ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اگرچہ آنحضورؐ نے دیکھ لیا تھا۔ کہ مہاجرین اور انصار ایک روح و دو قالب بن گئے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس کرتے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی تھی۔ کہ تمام مسلمان یہ سمجھ لیں کہ حقیقی اخوت کیا چیز ہے آپ نے ایک روز جب کہ تمام مسلمان مہاجرین اور انصار ابوایوبؓ کے مکان کے سامنے والے میدان میں جمع تھے۔ اخوت اور اسلامی مساوات کے عنوان پر وعظ فرمایا۔

آپ نے کہا۔ تمام حمد و ثنا اور ساری بزرگیاں اسی خدا کو سزاوار ہیں جو دنیائے جہاں

کا پروردگار اور رب العالمین ہے اپنی مخلوق پر اس قدر مہربان ہے کہ جب بندے اس سے روگرداں ہو کر شجر و حجر۔ پانی و جانور اور دوسری اشیاء کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور اسے اس کی قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے رسول اپنے نبی اپنے پیغمبر بھیج کر لوگوں کو صراط مستقیم پر لاکر ضلالت و گمراہی سے نجات دلاتا ہے۔

چنانچہ اس خاک پاک پر ہزاروں انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں۔ اس نے مجھے خاتم المرسلین بنا کر بھیجا ہے میرے بعد کوئی ہادی۔ کوئی نبی۔ کوئی رسول۔ کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا۔ اور نہ اب کسی نبی کی ضرورت رہے گی۔

یاد رکھو! نبی کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب سابقہ مذہب میں تغیر و تبدل کر کے اسے مسخ کر دیا جائے۔ گذشتہ تمام کتابوں اور صحیفوں کو ردوبدل کر کے لوگوں نے بدل ڈالا تھا۔ جب کبھی مذہب میں تغیر اور آسمانی کتابوں میں تحریف ہوئی نبی بھیجا گیا اب کسی نبی کی اس لئے ضرورت نہیں ہوگی کہ قرآن شریف میں زیر و زبر کی بھی تبدیلی غیر ممکن ہے خدا نے اس مذہب اور اس آسمانی کتاب کی حفاظت کا تو وعدہ فرمایا ہے یہ کتاب لوگوں کے سینہ میں محفوظ رہے گی۔ قیامت تک لوگ اسے حفظ کرتے رہیں گے۔

حفاظ بہشت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ وہ خدا کی مقدس کتاب قرآن شریف کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہونگے۔ جس کے دل میں خدا کا کلام ہوگا جس زبان میں خدا کا کلام پڑھا گیا ہوگا۔ وہ دل آتش دوزخ سے محفوظ رہیں گے یہ خدا کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔

مسلمانو! کل مومن اخوۃ یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں حقیقی بھائیوں سے زیادہ مسلمانوں میں محبت ہونی چاہئے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کو یعنی دوسرے مسلمان کی اعانت نہ کریگا۔ اسکے درد میں شریک نہ ہوگا کسی مسلمان سے حسد کریگا یا کسی مسلمان سے دشمنی کریگا یا کسی مسلمان کو تکلیف دیگا۔ یا نقصان پہنچائے گا۔ اس پر قہر خداوندی نازل ہوگا۔ قیامت کے روز میں اسکی سفارش نہ کرونگا اسکے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنانے کیلئے ڈالدیا جائے گا۔

تکبر اور غرور وسوسہ شیطانی ہے۔ اپنے کسی مسلمان بھائی کو اپنے سے کمتر سمجھنا۔ کسی مفلس مسلمان کو خستہ حالی ہونیکی وجہ سے حقیر خیال کرنا نہایت بری بات ہے اس سے خدا ناراض ہوتا ہے قیامت کے روز حسب و نسب نہ پوچھے جائیں گے۔ بلکہ اعمال کا سوال ہوگا۔

نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مسلمانوں کو حقیر سمجھنے والے مسلمانوں کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور وہ بھی دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور انہیں بھائی بنکر ہی رہنا چاہیئے۔ حقیقی بھائیوں کے برابر محبت ہونی چاہیئے۔ ایک متمول اور ذی اثر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے غریب بھائی کی ہر ممکن اعانت کرے جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے فرشتے اسکی حق میں دعا خیر کرتے ہیں: خدا اپنے مقرب فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے آج فلاں مسلمان کے تمام پچھلے گناہ اس لئے معاف کر دیئے کہ اس نے فلاں غریب اور مصیبت زدہ اپنے مسلمان بھائی کی اعانت کی ہے۔

کس قدر مسرت خیز مقام ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرتا ہے تو خدا اس سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ لہٰذا مسلمانو آپس میں محبت اور ارتباط قائم رکھو کبھی مسلمان کو حقیر اور ذلیل خیال نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں گے۔ اور تم بڑے خسارہ میں رہو گے۔

جب تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو ہر طبقہ کے مسلمان برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کوئی فوقیت نہیں ہے یہ مساوات ہے اسلام خدا پرستی اور باہمی اخوت کی تعلیم دینے آیا ہے۔

خدا کا حکم یہی ہے کہ مسلمان آپس میں محبت رکھیں۔ ہمدردی اور مساوات رکھیں۔ متفق اور متحد ہو کر رہیں جب کبھی مسلمان خدا کے ان احکام کی نافرمانی کریں ذلیل و حقیر ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔

دنیا کا یہ اصول ہے کہ باہمی اخوت و مساوات بام عروج پہ پہنچا دیتی ہے جو قومیں اس اصول پہ کاربند ہیں۔ ترقی کے زینے طے کرتی رہیں گی۔ اور جو ان اصولوں سے ہٹیں پستی میں گر کر تباہ ہو گئیں۔

مسلمانوں کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے غریب مسلمان بھائی کی ہر طرح سے مدد کرے جو مسلمان کسی مسلمان کو جنگ یا مصیبت سے بچاتے ہوئے مارا جائیگا۔ وہ شہید ہوگا۔ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کی روحیں عالم بالا میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔ دنیا کے مرغزاروں میں تفریح کا تموں آتی جاتی رہتی ہیں۔

مسلمان خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو آپس میں محبت اور اخوت

اخوت رکھو۔ کبھی کسی مسلمان سے دشمنی یا عداوت نہ کرو۔

اس تقریر کو تمام مسلمان نہایت شوق و توجہ سے سن رہے تھے۔ انکے قلوب پر ہر ہر لفظ نقش ہوتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے تقریر ختم کی تو تمام مسلمانوں کے دلوں میں محبت و پیار کا دریا لہریں لینے لگا۔ وہ کچھ متاثر ہوئے کہ انصار نے اسی وقت مہاجرین سے تعلقات اخوت قائم کر لیا اور انہیں حقیقی بھائی سے زیادہ سمجھنے لگے۔

چنانچہ جن انصار کے دو۔ دو اور تین تین بیویاں تھیں۔ انہوں نے اسی وقت ایک ایک۔ دو دو کو طلاق دے دیکر ان کا ان مہاجرین سے جن کی بیویاں نہ تھیں عقد کر دیا یہ بڑی رواداری بڑی ہمت۔ بڑی نفس کشی اور دلیری کا کام تھا مسلمان سوچیں کیا وہ اس قدر ایثار کر سکتے ہیں۔ جس قدر انصار نے کیا اس قدر ایثار اور رواداری تو کیا دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں سے خصومت رکھتے ہیں انہیں نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ ایسے ان کے اعمال حسنہ ضائع ہو رہے ہیں۔ خدا ناخوش ہو رہا ہے۔ کاش مسلمان سچے مسلمان بن جائیں۔ خدا اور خدا کے رسول کے احکام کی پابندی کریں۔ آج مسلمانوں کی پستی اور ذلت کا راز اسلام اور احکام خداوندی سے انحراف میں مضمر ہے۔

اس تقریر کے بعد آنحضورؐ نے دریافت کیا کہ یہ قطعہ زمین جس پر اس وقت ہم بیٹھے ہیں کس کی ملکیت ہے۔

معاذ بن عفرا ایک ذی عزت اور متمول آدمی تھے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قطعہ زمین میرے عزیزوں کی ہے۔ وہ یتیم بچے اسکے مالک ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک مسجد تیار ہو جائے۔ اور مسجد کے قریب میں اپنا مکان بنا لوں۔

معاذ نے کہا۔ اس کار خیر کے لئے یہ زمین موجود ہے۔ حضور تعمیر شروع کرا دیں میں اپنے عزیزوں کی رضامندی حاصل کر لونگا۔

حضورؐ نے فرمایا میں اسے قیمتاً خریدنا چاہتا ہوں قیمت طے کر دیجئے

اتفاق سے اس مجمع میں وہ دونوں بچے بھی موجود تھے۔ وہ دونوں کھڑے ہوگئے انہوں نے کہا۔ یا حبیب اللہ! ہم اس قطعہ زمین کو آپ کی نذر کرتے ہیں حضور شوق سے مسجد مکان جو عمارت چاہیں بنا لیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ میرے بامروت ساتھیو، یتیم اور بچو۔ تمہاری سیر چشمی کا شکریہ۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم قیمت لے لو۔ اور زر قیمت کو تعاون کی صورت تجارت میں لگا دو۔

دونوں بچوں نے کہا اگر حضورؐ کا یہی حکم ہے تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔ چنانچہ چند آدمیوں نے قیمت تجویز کی۔ حضورؐ نے حضرت صدیقؓ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ صدیق اکبرؓ نے فوراً قیمت ادا کرکے بیعنامہ تحریر کرا لیا۔

اس میدان میں چند کھجوروں کے درخت کھڑے تھے۔ چند مشرکوں کی قبریں تھیں۔ حضورؐ نے اسی وقت درخت کٹوا دیئے قبریں ہموار کرا دیں۔ اور مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ دوسرے روز مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ آنحضورؐ بہ نفس نفیس خود مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے پتھر لانے اور گارا دینے لگے۔

جب فخر عالم اور آفتاب عرب یعنی پیغمبر آخری الزماں حضرت محمدؐ خود مصروف کار ہو گئے۔ تو تمام مہاجرین اور سارے انصار بڑے جوش سے اس کام میں لگ گئے بڑے بڑے متمول اور ذی مقدور لوگ گارا لگانے لگے۔ اور پتھر اٹھا اٹھا کر دینے لگے اس طرح سے خلاف قیاس مسجد بہت جلد بن گئی۔

مسجد کی ساری دیواریں پتھر اور گارے سے بنا لی گئیں۔ چھت کھجور کی لکڑی اور کھجور کے پتوں سے بنا لی گئی۔ مسجد تیار ہونے پر تمام یثرب کے مسلمان اسی مسجد میں آ آ کر نماز پڑھنے لگے۔ مسجد کی تیاری کے بعد آنحضورؐ کا مکان تیار ہونے لگا۔ اب حضورؐ نے زید بن الحارث اور ابو رافعؓ کو مکہ معظمہ اس لئے روانہ کر دیا تھا۔ کہ وہ حضرت فاطمہؓ۔ حضرت کلثومؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہ۔ حضرت اسامہؓ بن زید ان کی والدہ حضرت ایمنؓ۔ حضرت صدیقؓ کے عزیزوں اور ان مسلمانوں کو جو مکہ میں رہ گئے ہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔

یہ مسجد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسی حالت میں رہی۔ حضرت عمرؓ نے اسے وسیع کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسکی دیواریں پختہ کرا دیں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ مسجد اس قدر وسیع کر دی گئی کہ آنحضورؐ کا مکان اور ازواج مطہرات کے مکانات بھی اسمیں شامل کر دیئے گئے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اسے اس قدر آراستہ و پیراستہ کیا کہ دنیا کی بہترین مسجد میں شمار ہونے لگی ترک بھی اس مسجد کی مرمت و سجاوٹ میں برابر حصہ لیتے رہے۔ اب یہ مسجد نہایت عالی شان مسجد ہے۔

صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

حضورؐ نے یثرب میں آکر دیکھا کہ یثرب تو آج یثرب میں کفار اور یہود کا طوطی بول رہا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان کمزور اور تعداد میں تھوڑے ہیں۔ حضورؐ نے سمجھ لیا کہ یثرب میں امن وامان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جبتک کہ مشرک یہودی اور مسلمان تینوں طبقے اشتراک عمل نہ کریں۔ حضورؐ کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ اہل یثرب کو مسلمانوں کے بر خلاف برانگیختہ کر کے خانہ جنگی کرادیں۔ اس لئے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ ہر سہ فرقوں میں اتحاد قائم ہوجائے اور یہ تینوں فرقے ایک دوسرے کے حلیف بن جائیں۔

ایک روز آپ نے یہود ومشرکوں کے تمام سربرآوردہ اور معزز لوگوں کو جمع کیا۔ مشرکوں میں سے سب سے زیادہ معزز ومتنفذ عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ شخص نہایت تجربہ کار ہوشیار اور چالاک تھا۔ اوس اور خزرج کے تمام قبائل پر اس کا اثر تھا۔ اور تمام قبائل متفقہ طور پر اس سرداری کو تسلیم کرتے تھے۔

اہل یثرب اسے بادشاہ بنانے پر تیار تھے۔ اس کیلئے تاج زریں تیار کرالیا تھا اور ایک عظیم الشان جلسہ ترتیب دیکر اس کی شاہی کا اعلان کرنے والے تھے کہ انہیں دنوں میں آنحضرت صلعم تشریف لے آئے۔ اوس وخزرج کے ذی عزت لوگ مسلمان ہوگئے۔ اس طرح سے عبداللہ بن ابی کی شاہی تعویق میں پڑگئی۔ عبداللہ کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ہادی کا داخلہ نہایت ناگوار گذرا۔ ان کی آمد سے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ شاہی ایک خواب سراب ہوکر رہ گئی۔ وہ آنحضورؐ کو اپنا رقیب اور دشمن سمجھنے لگا مگر چونکہ وہ چالاک شخص تھا۔ اس لئے یہ "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" کے اصول پر دشمنی کو دل میں چھپائے رہا اور بظاہر مسلمانوں کا بہی خواہ بن گیا تھا۔

یہ بھی اس مجلس میں شریک ہوا۔ یہودیوں میں بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ جو نہایت متمول اور معزز قبیلے شمار ہوتے تھے۔ ان کے سربرآوردہ لوگ تھے۔

جب تمام لوگ آچکے تو آنحضورؐ نے سب سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اے اہل یثرب تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی شہر یا کسی ملک کی بدحالی اس وقت دور ہوسکتی ہے جبکہ اس شہر یا ملک میں امن وامان رہے لوگ تجارت کریں۔ زراعت کریں بے فکری سے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں۔ جنگ امن وامان کو خاکستر کردیتی ہے لڑائی کسی حالت میں بھی اچھی نہیں ہوتی جو لوگ کسی لڑائی میں شریک ہوچکے ہیں۔ وہ اپنے تلخ تجربہ سے خوب واقف ہیں۔ جنگ بحالت مجبوری اس وقت لڑنا چاہیئے جبکہ کوئی چارہ کار کوئی باقی نہ رہے۔ اور مخالف دشمنوں کی چیرہ دستیاں

حد سے بڑھ جائیں تو جو لوگ تمدن و معاشرت میں ترقی کرنا چاہتے ہیں انہیں جنگ سے احتراز کرنا لازمی ہے۔

جنگ قوموں کو کمزور کر دیتی ہے شہروں اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتی ہے لوگوں کو مفلس و پریشان حال بنا دیتی ہے۔ جو لطف اتفاق و اتحاد سے شیر و شکر بن کر رہنے میں حاصل ہوتا ہے۔ نااتفاقی اور جنگ کی حالت میں کبھی حاصل نہیں ہوا کرتا ہے

اس وقت یثرب میں تین قومیں آباد تھیں۔ ایک اصنام دوسرے یہودی اور تیسرے مسلمان! یہ تینوں طاقتیں قریب قریب ایک دوسرے کے ٹکر کی ہیں۔ اگر یہ تینوں طاقتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں تو تینوں کمزور ہو جائیں گی۔ باہر سے کوئی نئی طاقت آکر تینوں کمزوروں پر تسلط حاصل کر کے تینوں قوموں کو اپنا غلام بنا لے گی۔ لیکن اگر یہ تینوں طاقتیں متفق و متحد رہیں تو کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا اتفاق میں بڑی برکت ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہر سہ اقوام اگر بخوشی رضامندی ہو تو ایک عہد نامہ تیار کر کے اتحاد ثلاثہ قائم کر لو۔

سب لوگ حضورؐ کی گفتگو نہایت اطمینان سے سنتے رہے چونکہ بات معقول تھی اس لئے کسی کو تردید کی جرأت نہ ہوئی سب نے عہد نامہ پر عہد نامہ پر اتفاق کیا۔

اگرچہ عبداللہ بن ابی۔ اس عہد نامہ کے خلاف تھا۔ نیز یہودی بھی دل سے نہ چاہتے تھے مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی طاقت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اس لئے بادل ناخواستہ وہ بھی رضامند ہو گئے۔

عہد نامہ لکھا جانے لگا۔ حضورؐ نے لکھانا شروع کیا ہر شرط پر پہلے بحث ہوتی جب اتفاق رائے ہو جاتا تو عہد نامہ میں لکھ دی جاتی اس عہد نامہ کی اہم فقرات یہ تھیں۔

(۱) یثرب کی تمام قومیں سارے قبائل اور کل خاندان متفق و متحد رہیں گے۔

(۲) باشندگان یثرب اپنے جھگڑے خود طے کریں گے مگر جو تنازعات قومی ہوں گے انہیں قومیں طے نہ کر سکیں گی تو اسکا فیصلہ حضرت محمدؐ کیا کریں گے اور آپکا فیصلہ ناطق ہوگا

(۳) یثربی باشندے بیرون یثرب کے لوگوں سے کسی قوم کے خلاف کوئی سازش نہ کریں گے۔

(۴) اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہوگا تو تینوں قومیں ملکر دشمن کا مقابلہ کریں گی۔

(۵) اہل یثرب قریش مکہ یا مسلمانوں کے حریفوں کو پناہ نہ دیں گے۔

(۶) مصارف جنگ تینوں قومیں بحصہ مساوی ادا کریں گی۔

(۷) فوائد جنگ میں بھی تینوں قومیں بحصہ مساوی رہیں گی۔

(۸) جو قومیں یا قبیلے مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ یثرب کے یہودی بھی ان سے دوستانہ سلوک کریں گے۔

(۹) مسلمانوں سے کبھی نہ لڑیں گے۔

(۱۰) یثرب کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔

(۱۱) مظلوم کی امداد سب پر فرض ہو گی۔

(۱۲) ان شرائط کی خلاف ورزی کرنے والی قوم نتائج کی ذمہ دار ہو گی۔

اس عہد نامہ پر سب نے دستخط کئے۔ جب عہد نامہ مکمل ہو گیا تو سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے، صرف مسلمان بیٹھے رہ گئے۔ اتفاق سے ظہر کی نماز کا وقت آ گیا سب مسلمان نماز پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے تو سعدؓ بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ! تمام قومیں جب انکی عبادت کا وقت ہوتا تو لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز بجاتی ہیں جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں مثلاً اصنام پرست ناقوس سنکھ بجاتے ہیں۔ عیسائی گھنٹے بجاتے ہیں۔ یہودی تالیاں بجاتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں کوئی چیز ایسی نہیں بجائی جاتی جسے سن کر تمام مسلمان جمع ہو جایا کریں۔ اس وجہ سے لوگوں کو نماز کے اوقات کی خبر نہیں ہوتی اگر ہم بھی کوئی چیز بجانے لگیں تو سارے مسلمان وقت پر جمع ہو جایا کریں۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ مجھے اس بات کا اکثر اوقات خیال ہوا ہے بیشک کوئی چیز ایسی ہو جائے جسے سن کر مسلمان جمع ہو جایا کریں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارا یہ خیال مناسب ہے اس وقت تمام مسلمان موجود ہیں سب سوچیں کہ مسلمانوں کو جمع کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کسی دھات کا ایک بڑا گھنٹہ بنا کر لٹکا دیا جائے جب نماز کا وقت ہو تو گھنٹہ بجا دیا جائے۔

حضورؐ نے فرمایا اس سے کفار کی مشابہت ہو گی اور یہ مناسب نہیں ہے۔

حضرت مقدادؓ نے کہا۔ دف کوئی قوم نہیں بجاتی ہم دف بجا دیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دف لہو و لعب میں شامل ہے۔ یہ بھی مناسب نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کوئی شخص بآواز بلند

مشتبہ اداۓ صلوٰۃ کی ندا کیا کرے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ مناسب ہے۔ اس ندا کا نام اذان اور اذان دینے والے کا نام موذن رکھا جائے۔ سب نے اس راۓ سے اتفاق کیا۔ قرار یہ پایا کہ کوئی شخص خوش الحان ہے اور بلند آواز موذن قرار دیا جائے۔

حضرت بلالؓ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے لہٰذا انکو موذن بنا دیا گیا۔ چونکہ اب عصر کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے بلالؓ نے آذان دی نہایت بلند آواز اور بڑی خوش الحانی سے لوگوں پر آذان کا خاص اثر ہوا آواز کے بعد نماز پڑھی گئی اس روز سے پانچوں وقت دی جانے لگی۔ آذان ہوتے ہی تمام لوگ تمام کام چھوڑ کر آجاتے تھے جماعت سے نماز پڑھتے اور منتشر ہو کر پھر کاروبار میں لگ جاتے۔

انصار نے مہاجرین کی امدادات میں کوئی طرح دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جس خلوص و ایثار اور جس احتیاط سے انہوں نے عہد مواخاۃ کو بنھایا۔ تاریخ میں اس کی نظیر تلاش نہیں کی جا سکتی ہے انہوں نے حقیقی معنوں میں مہاجرین کو اپنا بھائی سمجھا اور درمے سخنے ہر طرح سے انکی اعانت کی پہلے انھیں کھانا کھلاتے پھر خود کھاتے۔ ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کے آرام کو اپنا آرام سمجھتے۔

چونکہ انصار اس بات کو جانتے تھے کہ مہاجرین نے محض دین کی خاطر مکہ میں انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں اپنے گھر۔ وطن اور عزیز و اقارب مال و زر خاندان اور برادری وغیرہ سب کو چھوڑ کر یثرب چلے آئے ہیں اس لئے وہ خیال رکھتے تھے کہ مہاجرین کسی طرح بھی دل شکستہ نہ ہونے پائیں۔ اس وجہ سے انہوں نے انکی دلداری میں انتہائی کوشش کی۔

مہاجرین انصار کے بیحد شکر گذار اور ممنون احسان تھے وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ انصار پر اپنا بار نہ ڈالیں اس لئے انہوں نے نہایت جفاکشی اور مستعدی سے مزدوریاں شروع کیں۔ دوکانداری اور تجارت کرنے لگے تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنے لوازمات زندگی اپنے قوت بازو سے حاصل کرنے لگے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں وہ انصار کی اعانت سے بے نیاز ہو گئے۔ وہ ان کے لئے موجب تقویت بن گئے۔

جب مسلمانوں کو معاش کی طرف سے بے فکری ہو گئی تو آنحضرت صلعم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ مدینہ منورہ میں ایسی جاذبیت اور قرآن شریف میں ایسی تاثیر تھی کہ جو سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی جاتی [illegible]

متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

چنانچہ ان عالم گیر تاثر کی وجہ سے کفار یثرب جوق در جوق مسلمان ہونے لگے مسلمانوں کی تعداد دن دونی اور رات چوگنی بڑھنے لگی۔ یوں تو سینکڑوں مشرک مسلمان ہوئے لیکن دو شخص ایسے مسلمان ہوئے جنکی وجہ سے یثرب کے لوگوں پر خاص اثر پڑا۔

ان میں ایک عبداللہ بن سلام تھے یہودی تھے۔ نہایت زبردست عالم تھے توریت پر کافی عبور رکھتے تھے یہودی دنیا میں انکی بڑی شہرت تھی۔ انکے مشرف بہ اسلام ہونے سے یہودی حیران رہ گئے دوسرے مسلمان فارسی تھے یہ مجوسی تھے فارس کے رہنے والے تھے۔ آتش پرستی رکھتے تھے لیکن آتش پرستی سے اکتا کر عیسائی ہو گئے تھے فارس سے شام چلے آئے تھے۔ شام سے نصیبین گئے وہاں ایک بڈھا راہب گرجہ کا لاٹ پادری تھا جب وہ مرنے لگا تو اس نے سلمان کو ہدایت کی کہ عنقریب زمین تہامہ کے شہر ام القری[*] میں پیغمبر آخر الزماں مبعوث ہوں گے اور وہ اپنی قوم کے دست تظلم سے تنگ آکر یثرب میں ہجرت کریں گے انکا مذہب دین اسلام ہوگا۔ تم اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جانا۔

چنانچہ سلمان یثرب میں آگئے تھے۔ اور حضورؐ کے شرف صدور کے منتظر تھے سلمان مجوسی اور یہودی و نصاری کی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ نہایت جید عالم سمجھے جاتے تھے ہر فرقہ اور ہر طبقہ انکی عزت کرتا تھا۔ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

ان کے مسلمان ہونے سے تمام فرقوں پر خاص اثر پڑا۔ اس عرصہ میں آنحضورؐ کا مکان تیار ہو گیا۔ ادھر زید بن الحارثؓ اور ابو رافعؓ حضورؐ اور حضرت صدیقؓ کے اہل و عیال کو مکہ سے لیکر آگئے۔ نیز اور بھی بہت سے مسلمان انکے ہمراہ آگئے۔

حضورؐ ابو ایوبؓ کے مکان سے اٹھ کر نو تعمیر مکان میں تشریف لے آئے اگرچہ مسلمانوں کو یہاں آکر فروغ حاصل ہو گیا تھا لیکن وہ اہل مکہ کی ریشہ دوانیوں سے کھٹکے رہتے تھے انہیں اندیشہ تھا کہ کفار مکہ یقیناً یثرب پر لشکر کشی کریں گے۔

یہ اندیشہ یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ ایک روز علی الصباح انہوں نے اہل یثرب کو خوش ہو کر اچھلتے کودتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قریش مکہ عنقریب یثربی مسلمانوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔

---

[*] ام القری مکہ معظمہ کا نام ہے۔

مسلمان کفارِ یثرب کو حملہ کی خبر سن کر شاداں و فرحاں دیکھ کر سمجھ گئے کہ وہ نقضِ عہد کرنے والے ہیں۔

انہوں نے آنحضورؐ سے اجازت چاہی کہ انہیں مدافعت کرنے کے لئے اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابھی تک جنگ کے لئے خدا کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے لہٰذا تم صبر و سکون سے کام لو اور مشیت ایزدی کا مطالعہ کرو۔

آپ کے صحابی آپ کے ایسے دلدادہ و شیدا تھے کہ کبھی کسی حکم کی سرتابی نہ کرتے تھے جو حضورؐ حکم دیتے جاتے تھے خاموشی سے اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔ چنانچہ اب بھی خاموش رہ کر مشیت ایزدی کا انتظار کرنے لگے۔

چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں مکمل کر کے یثرب کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ مسلمان اپنے ہادیؐ کے حکم کے مطابق نہایت صبر سے آئندہ رونما ہونے والے ہیں۔ مسلمان اپنے ہادیؐ کے حکم مطابق نہایت صبر سے آئندہ رونما ہونے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

ساتواں باب (۷)

اذنِ جہاد!

میانوں سے تڑپ کر جب نکل آتی تھیں شمشیریں
پلٹ دی تھیں انہوں نے قیصر و کسریٰ کی تقدیریں

آنحضورؐ جب یثرب میں تشریف لائے تھے اس وقت سے اسلام اور مسلمانوں کی چار دانگ عالم میں شہرت ہو گئی تھی۔ اب یثرب کا نام بھی بدل گیا تھا۔ تمام لوگ اسے مدینۃ النبیؐ (نبی کا شہر) کہنے لگے تھے ہوتے ہوتے مدینۃ النبیؐ سے صرف مدینہ رہ گیا۔ اس نام نے کچھ ایسی شہرت پائی کہ ساری دنیا میں یثرب کا نام مدینہ مشہور ہو گیا۔ آج بھی دنیائے جہاں اسے مدینہ ہی کہتی ہے تاریخ میں۔ جغرافیہ میں۔ نقشوں میں مدینہ ہی لکھا جاتا ہے۔

آنحضورؐ مدینہ کے کفار کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ وہ ضرور (یہودی) کریں گے وہ خوب جان رہے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ان کی نگاہوں میں کھٹک رہی ہے اور وہ ننگ درپے آزار ہیں۔ حضورؐ کی دلی آرزو تھی کہ نہ صرف مدینہ میں بلکہ سارے

لوگو! تم اہل مکہ کا مقابلہ کر سکو گے۔

چند جوشیلے لوگوں نے کہا۔ کیوں نہ کر سکیں گے۔ ہم بزدل نہیں ہیں۔ ہماری رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا ہے۔ جو ہمارے بزرگوں کی رگوں میں دوڑتا تھا۔ ہم لڑیں گے آخر وقت تک لڑیں گے۔ یا تو ہم فتحیاب ہونگے۔ یا میدان جنگ میں مردانہ وار لڑ کر جان دیدیں گے غلامی کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

عبداللہ سمجھ گیا کہ اب اسکا افسوں کارگر نہ ہوگا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ لوگ تو اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔ آنحضور بھی چلے آئے مکہ کا وفد ناکام واپس لوٹ گیا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضور پر وحی نازل ہوئی۔ کہ جو لوگ گھر سے بے گھر کئے گئے وطن سے نکالے گئے۔ ان کیلئے گناہ نہیں کہ وہ کفار سے جہاد کریں جہاد میں بڑا ثواب ہے۔ مسلمان اس وحی سے کمال خوش ہوئے۔ اب تک آنحضور انہیں جنگ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ صبر کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ اب مسلمان سمجھ گئے۔ کہ انہیں لڑنے کی اجازت دی جائیگی اور جو لوگ انہیں ستائیں گے انھیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اب تک ظلم و ستم برداشت کر رہے تھے۔ بے وطن بے گھر ہو گئے تھے۔ عزیز و اقارب چھوٹ گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر کفار کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں اور وہ مسلمانوں کو بزدل سمجھنے لگے تھے۔

مسلمان اور تو تمام مصائب و شدائد برداشت کر سکتے تھے لیکن بزدلی کے اتہام کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس سے انکی روح کو خاص صدمہ ہوتا تھا۔ اب اس تاممہاد اتہام کی تردید کا موقعہ آگیا تھا۔ وہ خوش ہو گئے کہ اب برائی کا جواب دے سکیں گے۔

ایک روز آنحضور مع صدیق اکبرؓ۔ حمزہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابن عبادہؓ۔ حضرت اسیدؓ اور چند دیگر صحابی مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی پریشان حالی مسجد میں آئے۔ اور آنحضور کو سلام کر کے بولے۔ یا رسول اللہ آج کرز بن جابر مکہ کے مشہور سردار نے ہماری چراگاہ پر چھاپا مارا اور بہت سے اونٹ لے کر چل دیا۔

حضور نے دریافت کیا۔ اس کے ساتھ کس قدر آدمی تھے۔

اعرابی نے کہا۔ تقریباً تین سو آزمودہ کار نوجوان تھے۔

حضور نے کہا۔ اہل مکہ کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ وہ تین سو میل[1] چلکر مسلمانوں کی

---

[1] مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر ہے۔

چراگاہ پر حملہ کر کے اعلان جنگ کرنا چاہتے ہیں دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ مسلمان پست ہمت۔ بزدل اور کمزور ہیں۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے وہ نہیں جانتے مسلمان کس قدر بہادر۔ جری اور نڈر ہیں۔ وہ وقت قریب آرہا ہے۔ جبکہ دنیا مسلمانوں کی بہادری کا لوہا مانے گی۔ سلاطین عالم مسلمانوں کا نام سن کر لرز جائیں گے۔ دنیا کی بہادر اقوام مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی۔

آنحضورؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ اور روئے مبارک منور سے جلال ٹپک رہا تھا۔ آپ کچھ برہم معلوم ہو رہے تھے۔

یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ صحابہؓ نے آپکو کسی قدر غصہ کی حالت میں دیکھا لیکن یہ کیفیت بہت جلد دور ہو کر پھر چہرہ مبارک سے نرمی کے آثار ظاہر ہونے لگے آپ نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یا عم آپ نے سنا ہو گا کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ملک شام سے آرہا ہے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا۔ ہاں میں نے سنا ہے تمام مدینہ میں اس کی شہرت ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ مسلمان کفار سے جنگ کریں مگر مکہ والوں کی دراز دستیوں نے مجبور کر دیا ہے۔ اب بغیر جنگ کئے گزارہ نہیں کرز بن جابر نے ہماری چراگاہ پر حملہ کر کے اعلان جنگ کر دیا ہے ہمیں اس اعلان کو قبول کر لینا چاہئے۔

آج تک حضورؐ نے کبھی لڑائی کا ارادہ نہ فرمایا تھا صحابہ کرام کو جنگ کی اجازت دی تھی۔ مگر اس وقت کی آنحضورؐ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں صحابہ کرام جنگ کے لئے تلے بیٹھے تھے۔ ان پر اس قدر مظالم ہوئے تھے کہ وہ بہت تنگ آگئے تھے۔ انتقام لینا انسانی سرشت میں داخل ہے ایک خونخوار انسان یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ کوئی شخص اس کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرے گال کو اسکے سامنے پیش کر دے اور پیٹنے کے لئے خاموش کھڑا رہ جائے

انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص ایک مکہ مارے تو جواب میں ایک ہی مکہ اسکے مار جائے۔ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے۔ اور یہ تعلیم عین انسانی فطرت کے موافق ہے ہاں حضورؐ کو آمادہ بہ جنگ دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا حضورؐ! ہمیں اجازت دیتے ہیں۔ کہ کفار مکہ کا اعلان جنگ قبول کر لیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہمیں اعلان جنگ قبول کر لینا چاہئے اب تک ہم نے ظلم وستم

برداشت کر کے دنیا میں صبر و استقلال کی نظیر قائم کر دی ہے اب ہمیں بہادری اور دلیری کی بھی نظیر قائم کر دینی چاہیئے۔ تاریخ عالم میں ایک ایسی زندہ مثال یادگار چھوڑنی چاہیئے جس کا تذکرہ قیامت تک قائم رہے لیکن اسکا خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ بہادری ظلم کے درجہ پر نہ پہنچنے پائے مسلمانوں کی تلواریں مظلوم اور بیکسوں پر کبھی نہ اٹھیں ہمیشہ ظالموں اور مغروروں کی سرکوبی کریں۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔

حضرت عمر رضؓ نے دریافت کیا آپ نے ابوسفیان اور اسکے قافلہ کا تذکرہ فرمایا تھا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں میں نے اس لئے یہ ذکر کیا تھا کہ ہمیں ابوسفیان اور اسکے قافلہ پر حملہ کرنا چاہیئے۔ اس حملہ سے میرا منشا یا مدعا محض تخویف و تادیب ہے تاکہ مکہ والے سمجھ لیں کہ اگر وہ ہم پر دراز دستیاں کریں گے تو ہم انکی تجارت کا ملک شام سے بند کر دیں گے اگر وہ اپنی ناعاقبت اندیشانہ چیرہ دستیوں سے باز آجائیں۔ تو پھر ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ باز نہ آئیں اور برابر اپنی کوششوں میں مصروف رہیں تو پھر ہم کو بھی جارحانہ جہاد کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے کہا۔ حضور انکی طرف سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ظلم و ستم سے دستبردار ہو جائیں گے۔ محض بیکار سا خیال ہے وہ ایسے سرکش اور ضدی ہیں کہ اپنا زندگی کے آخری سانس تک مسلمانوں کے درپے آزار رہیں گے۔ ہم ابتک خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے منتظر تھے۔ آج ہمکو عزم جہاد کا حکم ہو گیا ہے۔ اب دنیا دیکھ لے گی کہ مسلمان بزدل ہیں یا بیشہ شجاعت کے شیر ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ یاد رکھو مسلمان کبھی بزدل نہیں ہو سکتا جو شخص موت اور زندگی کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اس کا بزدل ہونا کیا معنی بزدل وہ ہوتے ہیں۔ جو موت سے ڈرتے ہیں۔ جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے وہ بزدل نہیں ہو سکتے۔

حضرت علی کرم نے فرمایا۔ حضورؐ ہمیں ابوسفیان اور اس کے قافلہ پر حملہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔

حضورؐ نے فرمایا ہاں میں حملہ کرنے کی اجازت دیتا ہوں لیکن اس مہم پر سارے مسلمان روانہ نہ ہونگے صرف تھوڑے سے مہاجرین اور کچھ انصار جائیں۔

حضرت حمزہ رضؓ نے کہا۔ جس قدر مجاہدین کو آپ اجازت دیں گے اسی قدر جائیں گے

حضورؐ نے فرمایا صرف ساٹھ آدمی منتخب کرلو۔ یہ لوگ رابغ کی طرف جائیں۔ اور ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کریں۔

مسلمانوں کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ابوسفیان کے ہمراہ کس قدر آدمی ہیں۔ مگر یہ جانتے تھے کہ جس قدر بھی آدمی ہونگے سب جنگجو اور مسلح ہونگے کیونکہ اس زمانے میں ہر شخص سپاہی ہوتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ ابوسفیان قریش کا رئیس ہے معتمد اور سردار ہے اسکے ساتھ قافلہ کی حفاظت کے لئے لشکر ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اسکے ساتھ کافی جمعیت ہوگی۔ اور ساٹھ آدمی اسکی جمعیت کا مقابلہ نہ کرسکیں گے مگر ان میں اس قدر جوش اور ذوق جہاد تھا۔ کہ انہوں نے قلت و کثرت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جہاد پر روانہ ہونے کا اعلان کردیا۔ مگر اس پر طرفہ یہ ہوا کہ ہر مسلمان جہاد پر جانے کیلئے امنڈتا نظر آنے لگا۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھکر خود ہی ساٹھ آدمیوں کو منتخب کرکے عبیدہ بن الحرث کو ان پر سردار مقرر کرکے سبز رنگ کا علم عطا فرما کر ابوسفیان کے قافلہ کی طرف روانہ کردیا۔

اس اسلامی لشکر کی روانگی کو کفار مدینہ اور یہود نے حیرت کی نظروں سے دیکھا چونکہ یہ لشکر ابوسفیان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اور مسلمانوں نے اسکی روانگی میں جنگی احتیاط ملحوظ نہیں رکھی تھیں۔ اس لئے عام طور پر اس کی روانگی کی شہرت ہوگئی۔ ابوسفیان کو بھی معلوم ہوگیا۔ لہذا وہ راستہ سے کترا کر اپنے قافلہ کو نکال لے گیا۔ اور ضمضم بن عمرو کو مکہ کی طرف دوڑایا۔ اور کہلا دیا کہ مسلمانوں کے حملہ کا خطرہ ہے فوراً کمک روانہ کی جائے۔

رابغ میں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قافلہ راستہ سے بچ کر نکل گیا چونکہ انہیں قافلہ کے تعاقب کا حکم نہ تھا اس لئے وہ لوٹ آئے۔

اگرچہ اس مہم سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ یا نقصان نہ ہوا جنگ کی نوبت نہ آئی مگر ایک بات ضرور ہوئی کہ مسلمانوں کا رعب کفار پر قائم ہوگیا۔

اس لشکر کی واپسی کے چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک زبردست لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدینہ آرہا ہے۔ اس لشکر کی آمد کا حال سنکر مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ حضورؐ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام مہاجرین اور انصار کو طلب کیا جب سب آگئے تو آپ نے فرمایا۔

مسلمانو! کفار نہیں چاہتے کہ مسلمان امن اور امان سے رہیں۔ اسلام کی ترقی انکی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے معلوم ہوا ہے کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو فنا کردینے کا عزم بالجزم کرلیا ہے۔ انکا زبردست لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ آرہا ہے۔ گویا مکہ نے اپنے جگر گوشے

اور منتخب بہادر لوگ تمہاری طرف بھیجے ہیں۔ سوچ سمجھ کر بتاؤ ان کا مقابلہ کرنے کے متعلق کیا رائے ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم جنگ کے متمنی تھے۔ خدا نے جہاد کا حکم صادر فرما دیا ہے حضورؐ نے لڑائی کی اجازت دیدی مکہ والے لڑنے کیلئے آرہے ہیں۔ ہم مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہماری تلواریں۔ اور ہمارے مضبوط بازو انہیں بتا دیں گے کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ میدان جنگ بہادروں کا گہوارہ راحت ہوتا ہے ایک مسلمان کو جس قدر مسرت جنگ کرنے سے ہوتی ہے۔ اور کسی بات سے نہیں ہو سکتی مکہ والوں کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلمان کس قدر دلیر ہیں۔

حضرت مقدادؓ نے کہا۔ اہل مکہ کو اپنی بہادری پر زعم ہے لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ مسلمان شیر ہیں اور شیروں کا مقابلہ لومڑیاں نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا آپ ہم کو مقابلہ کی اجازت دیں۔

حضرت عبداللہ بن صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں۔ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا۔ کہ فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ یعنی تو اور تیرا رب دونوں کفار سے جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ ہم صرف آپکے حکم کے منتظر ہیں۔ ہمکو مقابلہ کی اجازت دیجئے ہم دشمنان اسلام سے آخری دم تک لڑیں گے۔

یہ تمام لوگ جنہوں نے اظہار رائے کیا مہاجرین تھے۔ حضورؐ نے انکی باتیں سن کر فرمایا۔ مسلمانو! بتاؤ کفار مکہ سے لڑائی کے متعلق تمہارا کیا مشورہ ہے۔

چونکہ انصار میں سے اس وقت تک کسی نے اظہار خیال نہ کیا۔ اس لئے حضورؐ کے مکرر استفسار پر انصار سمجھ گئے۔ کہ حضورؐ کا روئے سخن انکی طرف ہے چنانچہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ شاید آپکا روئے سخن ہماری طرف ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہاں!

حضرت سعد نے فرمایا۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپکو خدا کا رسول یقین کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ خدا کا رسول۔ ہمارا ہادی۔ اسلام کا علمبردار کفار کے مقابلہ کے لئے جائے اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔ کفار مکہ ہماری طرح انسان ہیں۔ اگرچہ انکی جمعیت

زیادہ ہے لیکن ہم ان سے ڈرنے اور مرعوب ہونے والے نہیں ہم ان سے لڑیں گے اور آخری سانس تک لڑیں گے لڑنا تو کوئی بات ہی نہیں۔ جس قدر ہم آپ کے ایسے حضورؐ کے فدائی ہیں کہ اگر آپ کا ذرا بھی ایمار پائیں تو سمندر میں کود پڑیں۔

حضرت ابو ایوبؓ نے کہا۔ کیا ہم جنگ سے اس لیے ڈر کر پیچھے رہ جائیں گے کہ ہم کمزور ہیں بخدا نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ اور مسلمان کبھی لڑائی سے پیچھے نہیں رہ سکتا لڑنا تو ہماری عین تمنا ہے جس بزدل اور مکار قوم نے خدا کے رسول اور مسلمانوں کو ستایا ہے ہم اس سے اس وقت تک لڑیں گے جبتک دم میں دم ہے۔

حضورؐ نے فرمایا یہ سوچ لو اگر تم کمزور ہو۔ تم پوری طرح مسلح بھی نہیں ہو سکتے تمہارے پاس زرہ بکتر نہیں۔ نہ سب کے پاس تمام ہتھیار ہیں۔ نہ گھوڑے ہیں نہ کسی امداد و استعانت کی توقع ہے بے سرو سامانی کی حالت میں اپنے قوت و بازو کے بھروسہ اور خدا کی امداد کے سہارے دشمنوں سے لڑنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ ہم خدا پرست ہیں۔ خدا پر اعتماد رکھتے ہیں اسکی اعانت کے بھروسہ پر ہم صرف اہل مکہ ہی کا نہیں بلکہ سارے عربستان کا مقابلہ کرنے پر تیار ہیں۔ ہماری قلت بے سروسامانی۔ دشمنوں کی کثرت اعداد انکے پاس سامان حرب کی فراوانی ہمارے ارادہ کو متزلزل نہیں کر سکتے ہم لڑیں گے۔ اور انشاء اللہ دشمنوں کو قتل کر کے ان پر فتحیاب ہونگے۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا۔ حضورؐ پروردگار عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مسلمان کفار سے لڑ کر شہید ہوگا۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جو جہاد کر کے کفار سے لڑتے شہید ہو کر بہشت میں داخل ہو جائے اب اور ہمیشہ مسلمان جہاد کو ذریعہ نجات سمجھیں گے۔ ہماری تو یہ تمنا ہے کہ ہم کفار سے لڑیں اور شہید ہو جائیں۔ شہادت سے بڑھ کر اور کونسا ثواب ہے۔

حضورؐ نے فرمایا مسلمانو! واقعہ یہی ہے۔ کہ جہاد سے بڑھ کر کوئی ثواب کا کام نہیں ایک مجاہد جب جنگ کے لیے تیار ہو کر گھر سے نکلتا ہے تو خدا اس کے تمام گناہ معاف کر کے بہشت میں اسکے لیے ایک مکان مقرر فرماتا ہے۔ اگر مجاہد شہید ہو جاتا ہے۔ تو حوریں اور فرشتے اسکی روح کو خدا کے سامنے لے جا کر پیش کرتے ہیں خدا اسے نوازتا ہے اور فرما دیتا ہے۔ اسے بہشت میں لے جاؤ بہشت کو نہایت آرام و سکون اور تسکین قلب میسر رہنے لگتا ہے اور اگر مجاہد فتحیاب ہو کر واپس لوٹتا ہے۔ تو غازی بن جاتا ہے۔ میری امت کا جو فرد جب کبھی جہاد

کریگا خدا اس کے لئے بہشت کے دروازے کھولدیگا۔ خدا کا شکر ہے کہ مہاجرین اور انصار جنگ کے لئے تیار ہیں۔ مسلمانو! جلدی تیاری کرو اور صبح کو کوچ کیلئے آمادہ ہو

مسلمان الحمد اللہ کہکر چلے گئے۔ حضورؐ بھی اپنے مکان تشریف لے گئے۔ تمام مسلمانوں نے تیاریاں شروع کیں۔ نہایت ذوق اور بڑے جوش و خروش سے تیاریاں کرنے لگے

کفار مدینہ نے بھی اہل مکہ کے حملہ کا حال سن لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ملکر لڑنا نہ چاہتے تھے بلکہ اس بات کے متمنی تھے۔ کہ جلدی مسلمانوں کو شکست ہو اور اسلام دنیا سے ختم ہو جائے۔ حالانکہ یہ انکی غلطی تھی۔ مسلمانوں کی شکست سے مدینہ کی بربادی لازمی تھی۔ اہل مکہ مدینہ پر لشکر کشی کرکے مدینہ کو کھنڈر بنا دیتے۔

درحقیقت انسانوں کی یہ فطرت ہے کہ جس درخت کے سایہ میں وہ آرام کرتے ہیں اسی کو کاٹنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ چاہے اسکے کاٹنے سے انہیں مصائب و تکالیف کا کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے

تمام دن اور ساری رات مسلمانوں نے تیاری کی دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی سب تیار ہو گئے اور مدینہ سے باہر قبا کے قریب آ آکر جمع ہو گئے۔

آنحضورؐ اشراق کی نماز پڑھکر تشریف لائے۔ آپ نے مسلمانوں کے مجمع کو دیکھا۔ ان میں بہت سے ایسے کمسن لڑکے دیکھے جن کی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں تیرہ تیرہ۔ چودہ چودہ سال کی عمر کے تھے۔ جو شوق جہاد اور جوش شجاعت سے چور ہوکر آغوش مادر اور دوش پدر کو چھوڑ کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کودنے کیلئے گھروں سے نکل آئے تھے

آپ نے ان کمسن بچوں کو دیکھکر کہا۔ چھوٹے بچے واپس لوٹ جائیں۔ ایسے کمسن بچوں کا جنگ میں جانا مناسب نہیں ہے۔

چھوٹی عمر کے لڑکے حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر افسردہ خاطر ہو گئے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم جہاد کے ثواب سے محروم رہ جائیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ تم ابھی کمسن ہو۔ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی آگ کیسی سخت اور کس قدر تیز ہوتی ہے جب وہ بھڑکتی ہے۔ تو ہر اس شخص کو جو اس کے قریب آ جاتا ہے جلا دیتی ہے

لڑکے نے کہا۔ حضورؐ ہم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے جنگ کی آگ میں کود جانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم لڑ کر شہید ہو جائیں۔ تو کیا ہم کو بہشت نہ ملیگا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ضرور ملیگا۔ شہادت عورت۔ مرد۔ بچے۔ بڈھے سب کو جنت میں لے
ئے گی۔ لیکن میرے بچو! مجھے اندیشہ ہے۔ کہ شاید تم آتشِ حرب کو مشتعل دیکھ کر
ف زدہ ہو جاؤ۔

لڑکے نے سن کر کہا۔ حضورؐ! اطمینان رکھیں ہم ڈرنے والے نہیں خدا کی قسم جوشِ
دت نے ہماری رگوں میں۔ خون دوڑا کر ہم کو شیر دل اور نڈر بنا دیا ہے ہم مرتے دم
بھی خوفزدہ نہ ہونگے۔

ایک اور لڑکے نے کہا۔ اے شہنشاہِ دین! ہم اور آتشِ جنگ سے خوفزدہ ہو جائیں
ں نہیں ہماری عین تمنا جنگ کرنے کی ہے بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضورؐ اور ہمارے
ل مدینہ میں آرام سے بیٹھے رہیں۔ اور ہمیں اجازت دیں کہ ہم کفارِ مکہ کا مقابلہ
نے کے لئے میدانِ جنگ میں نکلیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ میرے نونہالو! تمہارا یہ جوش لائقِ صد آفرین و تحسین ہے ہر مسلمان
م مرد۔ عورت اور ہر مسلم بچے کے دل میں جہاد کا ایسا ہی شوق ہونا چاہیئے جیسا
رے دلوں میں ہے۔ یہ قوتِ ایمانی کی روشن دلیل ہے۔ لیکن جس جنگ پر ہم جا رہے
پہلی جنگ ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ نتیجہ کیا ہو۔ اس لئے تم واپس ہی چلے جاؤ تو اچھا ہے
چند لڑکوں نے کہا۔ ہم فرمانبردار ہیں۔ حضورؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ لیکن ہم
ا صدمہ ہوگا۔

حضورؐ نے حیرت سے بچوں کے شوقِ جہاد کو دیکھا۔ آپ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔
یر کے بعد آپ نے نیزہ لیا۔ اس پر نشان لگایا۔ اور لڑکوں سے کہا اچھا میرے پرجوش بچو!
لئے جس کسی کا قد اتنا بلند ہوگا۔ جتنا نیزے کا یہ نشان لگا ہوا ہے۔ وہ مجاہدین کی
ت میں شریک کر لیا جائے گا۔ اور جس کا قد اس سے چھوٹا ہوگا۔ اسے واپس لوٹنا
ب حضورؐ نے تمام بچوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ سب سے آپ کے پاس آگئے یہ
نیا ساٹھ تھے۔ آپ نے ان کے قد ناپنا شروع کئے۔

چونکہ یہ سب چھوٹی عمر کے تھے۔ اس لئے ان کے قد بھی چھوٹے تھے۔ حضورؐ ناپتے جاتے
اور چھوٹے قد والوں کو الگ کھڑے کرتے جاتے جب چالیس پچاس لڑکے علیحدہ کھڑے ہو چکے
ب لڑکے نے نیزہ حضورؐ سے لیکر اپنا ہاتھ نشان پر رکھ کر خود ہی اپنا قد ناپا وہ لڑکا چھوٹا تھا
تھا۔ اسے لئے جدا کیا ہے بچوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے کہا۔ حضورؐ دیکھئے میرا قد پورا ہے۔

حضورؐ نے اس کی اس ہوشیاری کو دیکھا۔ آپ مسکرائے اور مسکرا کر بولے تمہاری
ہوشیاری قابل داد ہے۔ تمہارے جوش جہاد نے تمکو یہ ہوشیاری سکھائی ہے لہذا تمہیں
اجازت ہے۔ تم مجاہدین کی جماعت میں شریک ہو جاؤ۔

یہ لڑکا اس قدر خوش ہوا کہ جیسے اسے کوئی دولت مل گئی ہو وہ خوش خوش مجاہدوں
میں جا ملا۔ اس لڑکے کا نام رافع بن خدیج تھا۔ اس کے بعد اور لڑکوں نے بھی ایسی
کی لیکن پنجوں پر کھڑے ہونے پر بھی کوئی نیزہ پر بنائے ہوئے نشان تک نہ پہنچ سکا۔

مجبوراً تمام لڑکے واپس لوٹ گئے۔ اب حضورؐ نے مجاہدین کا جائزہ لیا۔ تو کل تین سو
دس آدمی تھے۔ ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ زرہ بکتر ایک بھی نہ تھی کسی مجاہد
کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے۔ اگر کسی کی تلوار تھی۔ تو نیزہ نہ تھا۔ نیزہ تھا تو تلوار نہ تھی
تیر کمانیں بھی کم تھیں۔

حضورؐ نے ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار آدمی سوار کرائے خود اپنے اونٹ
پر بھی دو تین آدمی سوار کرائے پھر بھی کثیر التعداد لوگ پیدل رہ گئے۔

اس بے سروسامانی کی حالت میں لشکر نے دوپہر سے قبل مکہ کی طرف کوچ کیا۔ حضرت
صدیق ؓ نے علم وہ جو آنحضورؐ نے ابو عبیدہؓ کے لئے بنایا تھا۔ اپنے ہاتھوں لیکر پھریرا اٹھایا۔

(۸) آٹھواں باب

جنگ بدر

ابو سفیان نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر ضمضم بن عمرو کو اسی لئے مکہ بھیجا تھا کہ
امداد کیلئے آ جائیں ضمضم نے مکہ میں جا کر ابو سفیان کا پیغام مکہ والوں کو پہنچایا فوراً کفار قریش
نے مجلس شوریٰ کا انعقاد فرمایا۔

چونکہ قریش مایہ ناز شوکت و قوت کا سبب ملک شام سے تجارت تھی۔ اور مسلمانوں
کے حملہ سے اس تجارت کے بند ہو جانے کا احتمال تھا۔ اسلئے مجلس شوریٰ نے طے کر دیا۔
کہ فوراً ابو سفیان کی اعانت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عظیم الشان لشکر تیار کیا جائے
فوراً نہایت غرور و شور اور بڑی شد و مد سے تیاریاں ہونے لگیں تمام مکہ میں ہلچل
شروع ہو گئی ایک دن ایک رات کی کد و کاوش سے ایک ہزار کفار کا لشکر جرار تیار ہو گیا

اس لشکر کا سالار اعظم ابو جہل مقرر کیا گیا۔

اس لشکر میں قریب قریب تمام مشہور سردار اور آزمودہ کار جنگجو شریک تھے عتبہ شیبہ۔ ولید حنظلہ۔ عبیدہ۔ عاص۔ حرث۔ طعیمہ۔ زمعہ۔ عقیل۔ ابو البختری۔ مسعود۔ ابو قیس۔ نبیہ۔ منبہ۔ نوفل۔ سائب۔ رفاعہ سب ہی تھے۔ یہ لوگ تھے جن کی امارت و بہادری کی تمام عرب میں دھاک تھی۔

اس لشکر میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ سیکڑوں جنگجو زرہ بکتر پہنے تھے۔ تمام لوگ ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

یہ لشکر نہایت شان و شوکت سے روانہ ہوا کفار مکہ نے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ عظیم الشان لشکر مسلمانوں کا کلی استیصال کر کے بہت جلد واپس آجائے گا۔

کوچ و قیام کرتا ہوا یہ لشکر جب ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ طے کر چکا تو معلوم ہوا کہ ابو سفیان مع اپنے قافلہ کے بخیریت پہنچ گیا۔ اس لشکر کا مقصد ابو سفیان کی حمایت تھی۔ اسلئے بعض لوگوں کی رائے ہوئی۔ کہ واپس لوٹ چلنا چاہیئے۔ لیکن ابو جہل نے کہا۔ ہمیں مسلمانوں کو فنا کر کے واپس لوٹنا چاہیئے۔ چنانچہ اس رائے پر سب متفق ہو گئے۔ اور لشکر برابر کوچ کرتا رہا۔ یہانتک کہ مکہ سے اسی میل کے فاصلہ پر بدر کے مقام پر پہونچا۔

بدر ایک کنوئیں کا نام تھا۔ کنوئیں کے قریب گاؤں آباد تھے۔ اس گاؤں کا نام بھی بدر تھا۔ مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ جانے والے اس جگہ قیام کرتے تھے۔

بدر مکہ سے اسی میل کے فاصلہ پر تھا۔ بدر سے مکہ کی طرف جو قطعہ زمین تھا وہ بلند اور مسطح تھا۔ اور مدینہ کی جانب والا قطعہ نشیبی اور ریتلا تھا۔

کفار کا یہ عظیم الشان لشکر مکہ کی جانب بلند اور مسطح قطعہ زمین پر اس طرح خیمہ زن ہوا کہ کنواں وسط لشکر میں آگیا۔

اس لشکر کے ساتھ عرب کی حسین اور پری جمال گانے اور ناچنے والی عورتیں بھی تھیں جس جگہ یہ لشکر فروکش ہوتا رقص و سرود کی محفلیں گرم ہو جاتیں شراب کا دور چلنے لگتا۔

چونکہ اس لشکر نے تقریباً سوا دو سو میل کا سفر طے کر لیا۔ اس لئے سپاہی تھک گئے تھے۔ انہوں نے کئی روز بدر کے مقام پر رفع کسل کے لئے قیام کیا۔

جس روز یہ لشکر بدر سے روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا اسی روز ایک شتر سوار نمودار ہوا۔ اور اس نے پکار کر کہا۔ یا اہل قریش مجاہدین اسلام کا لشکر آگیا ہوشیار ہو جاؤ وہ آپہنچا

حفاظت کرو۔

کفار مکہ نے روانگی کا قصد ملتوی کر دیا۔ اور تمام سردار اور رئیس لشکر اسلام کی آمد کا نظارہ کرنے کے لئے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے۔

یہ ریت کا ٹیلہ اس قدر بلند تھا کہ اس کے چاروں طرف کے دیگر تمام ٹیلے اس سے نیچے تھے۔ جب ان لوگوں نے مدینہ منورہ کی طرف نظر کی۔ تو اس طرف سے لشکر اسلام نہایت شان و وقار سے آتا نظر آیا۔ چنانچہ اونٹ اگرچہ تھوڑے مگر دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ قدم قدم نہایت استقلال سے آ رہے تھے۔ سب سے آگے حضرت صدیق ؓ اسلامی علم اٹھائے آ رہے تھے۔ انکا پرچم نہایت رعب و داب سے ہوا میں لہرا رہا تھا آفتاب کی شعاعوں میں اہل اسلام کے ہتھیار چمک رہے تھے۔ لشکر اسلام کچھ فاصلہ پر آ کر رک گیا۔ اور بدر کی نشیبی ریتیلے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

بدر میں صرف ایک ہی کنواں تھا۔ اور اس کنوئیں پر کفار مکہ کا قبضہ ہو گیا۔ اسلئے سب سے پہلے مسلمانوں کو پانی کی دقت محسوس ہوئی جب لشکر خیمے نصب کر کے فارغ ہوا تو مسلمانوں نے پانی کی نایابی کی شکایت کی حضورؐ نے فرمایا۔ تیمم کر کے نماز پڑھو اور خلوص دل سے باران رحمت کی دعا مانگو۔

تمام مسلمانوں نے تیمم کیا۔ نماز پڑھی اور سچے دل سے گڑگڑا کر باران رحمت کی دعا مانگی انسان اگر دل سے سچے دل سے خلوص نیت سے۔ رجوع قلب سے۔ خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر دعا مانگے تو رحمت خداوندی کو جوش آ جاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر دعا قبول ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی دعا بھی مستجاب ہوئی ظہر کے بعد ہی فوراً ہلکی ہلکی بدلیاں اٹھ اٹھ کر فضا میں تیرنے لگیں۔

عصر کے وقت تمام بدلیاں ملکر گھٹا بن گئیں۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ حضور نے مسلمانوں کو ایک صاف ستھرے نشیبی مقام پر ایک بڑا تالاب کھودنے کا حکم دیا۔ تمام مسلمان تالاب کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تالاب تیار ہو گیا۔

جس وقت تالاب کھودا جا رہا تھا اسی وقت ترشح شروع ہو گیا تھا۔ ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگی تھیں جب تالاب تیار ہو گیا۔ تو بارش ہونے لگی۔ اس کثرت سے بارش ہوئی کہ جل تھل بھر گئے۔ تالاب پُر ہو کر چھلک گیا۔

عرب میں بہت کم بارش ہوتی ہے مگر جب ہوتی ہے تو اچھی طرح ہوتی ہے چنانچہ بارش

خوب ہوئی۔ مغرب سے ذرا پہلے بارش شروع ہو گئی تھی۔ اور عشاء کے بعد تک ہوتی رہی۔
مسلمانوں نے خیموں کے اندر نماز پڑھ کر عشاء کی کھجوریں کھائیں۔ بارش کا پانی پیا اور خدا کی رحمت و مہربانی کا شکریہ ادا کر کے سو رہے۔ صبح جب اٹھے تو مطلع صاف تھا بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ ریتلی زمین پانی پڑنے سے سخت ہو گئی تھی تالاب پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ ابھی وہ نماز سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کفار مسلح ہو کر میدان میں صف بستہ ہو گئے۔ جس میدان میں کفار صف بستہ ہوئے بارش ہونے کی وجہ سے اس میں دلدل ہو گئی تھی۔ گھوڑوں کی سم دلدل میں دھنسے جا رہے تھے۔

مسلمان بھی نماز سے فراغت کر کے مسلح ہو ہو کر میدان میں نکل نکل کر صف بستہ ہونے لگے۔ آنحضورؐ نماز پڑھ کر خیمے کے اندر تشریف لے گئے۔ اور سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ رب العزت میں عرض کرنے لگے۔

اے خالق مطلق! اے کارساز عالم! مسلمان صرف تیرے بھروسہ پر تیرے حکم کے مطابق گھروں سے نکل کر میدان جنگ میں آ گئے ہیں۔ باری تعالیٰ تجھے پوجنے والے تیرا نام لینے والے تیرے نام پر مٹنے والے تعداد میں کم اور قوت میں کمزور ہیں۔ خداوند عالم! یہ پہلا معرکہ ہے اس معرکہ میں مسلمانوں کو نصرت دے کر سرفراز فرما۔ اے قدرت والے تو ذرہ کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا سکتا ہے۔ عزت، عظمت تیرے ہاتھ ہے۔ مسلمانوں کو غریب الدیار مسلمانوں کو مفلس و بے وطن مسلمانوں کو عزت دے۔ فتح دے انہیں نواز۔ ان کی حمایت کر۔ پروردگار عالم! دشمنان اسلام کو اپنی قوت پر اپنی شان و شوکت پر اپنے [illegible] پر بھروسہ ہے۔ ناز ہے۔ فخر ہے۔ غرور ہے۔ مسلمانوں کو صرف تیرا سہارا ہے تجھ سے التجا ہے۔ انہیں مایوس نہ کرنا۔ اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الایمان الیوم فلا تعبد فی الارض ابدا۔ یعنی الٰہی اگر تو نے مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا۔ تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ حضورؐ سجدے میں پڑے ہوئے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے۔ دعا مانگنے سے آپ کے قلب کو قدرے تسکین ہو گئی۔ آپ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کی آنکھ کھلی آپ اٹھے اور مسکراتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے۔

مسلمان آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اللہ اکبر کا

پر زور نعرہ لگایا آپ آہستہ آہستہ نہایت اطمینان سے چل کر اسلامی لشکر میں پہنچے آپ نے فرمایا مسلمانو! فتح مبارک ہو۔ خدا کا حکم نازل ہو گیا کہ کفار ہزیمت کھا کر بھاگیں گے اور مسلمان فتحیاب ہونگے۔

مسلمان اور مسلمان ہی کیا۔ ہر وہ شخص جو آپ سے واقف تھا خوب جانتا تھا کہ حضورؐ جو کچھ کہتے ہیں۔ ایسا ہی کہتے ہیں۔ آپکا ارشاد سن کر مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔

حضورؐ نے فتح کی خوشخبری اس وقت سنائی جب کہ ابھی جنگ شروع نہ ہوئی تھی مسلمان کفار کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے تہائی تھے۔ اور سامان حرب کے اعتبار سے ۱/۱۰۰ یعنی سو میں سے ایک حصہ بھی نہ تھے۔

کفار تمام زرہ پوش۔ جوان۔ توانا۔ آزمودہ کار۔ اور جنگجو تھے آلات حرب سے پورے طور پر مسلح تھے۔

مسلمان فاقہ زدہ۔ ناتوان۔ بیمار۔ اور ضعیف تھے۔ زرہ پوش ایک بھی نہ تھا اس پر معمولی ہتھیار بھی ہر ایک پاس پورے نہ تھے۔ مسلمان اور کفار کا برابر کا مقابلہ نہ تھا۔ اس حالت میں بھی فتح کی خوشخبری ایک عجوبہ بات تھی۔

حضورؐ نے میدان جنگ میں آ کر سب سے پہلے صفیں مرتب کیں ہر صف بالکل سیدھی کر دی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ آپ اس کے اشارہ سے تسویہ صفوف فرمانے لگے۔ جب صفیں سیدھی ہو گئیں تو حضورؐ نے فرمایا۔ مسلمانو اتم جنگ میں ابتدا نہ کرنا کفار کی کثرت سے نہ گھبرانا۔ خدا نے تمہاری اعانت کا وعدہ کر لیا ہے لہذا فتح تمہاری ہو گی۔

دونوں لشکر آمنے سامنے صف بستہ ہو گئے تھے۔ ایک وسیع میدان درمیان میں چھوٹا ہوا تھا۔ ہر دو فریق کے علم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ چونکہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ اس لئے آفتاب سماء میں طلائی رنگ کی تھی۔ سنہری دھوپ نمناک ریت میں کھیلی ہوئی تھی ہوا میں خنکی تھی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔

کفار نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ پرے باندھے کھڑے تھے۔ فریقین عالم سکوت میں کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد لشکر میں تین آزمودہ کار جنگجو نکل کر میدان جنگ میں آ گئے۔

ان تینوں میں دو عتبہ اور شیبہ حقیقی بھائی ربیعہ کے بیٹے تھے۔ اور تیسرے ولید حضرت خالد کے باپ تھے۔ تینوں نہایت بہادر بڑے جوشیلے۔ اور جنگجو تھے۔ تینوں نے ھل من مبارز۔ کا نعرہ لگایا۔

ان تینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر اسلام سے انصار کے تین نوجوان نکلے ان میں عوف معوذ دو حقیقی بھائی عفرا کے بیٹے اور تیسرے عبداللہ بن رواحہ تھے جب تینوں کفار کے سامنے جاکر کھڑے ہوئے تو عتبہ نے ان سے دریافت کیا۔ من انتم یعنی تم کون ہو۔

حضرت عوف نے جواب دیا۔ رھط من الانصار یعنی ہم انصار ہیں۔

عتبہ نے برا سا منہ بنا کر نہایت تکبرانہ انداز میں کہا۔ مالنا بکم من حاجۃ۔ یعنی ہمکو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ کفار مکہ بلکہ تمام عرب نام و نسب پر فخر کرتے تھے کفار مکہ مدینہ والوں کو حقیر سمجھتے تھے چونکہ مکہ خانہ کعبہ تھا۔ اور قریش ان کے متولی تھے اس لئے وہ تمام قبائل کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔

عتبہ نے چلا کر کہا یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا یعنی اے محمد ہمارے مقابلہ کے لئے ہماری قوم کے لوگوں کو بھیجو۔

آنحضور نے حضرت حمزہ حضرت عبیدہ اور حضرت علی کرم اللہ کی طرف اشارہ کیا۔

یہ تینوں بزرگ مردانہ وار بڑھے اور میدان جنگ میں نکلکر کفار کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے عوف معوذ۔ اور عبداللہ واپس لوٹ گئے ان تینوں شہسواران اسلام کو دیکھکر عتبہ نے کہا۔ ہاں تم سے لڑیں گے لیکن تم کیا ہماری قوت و شوکت کو نہیں دیکھ رہے ہو کیا تمکو خیال ہے کہ تم ہم سے لڑکر کامران و فتحیاب ہو جاؤ گے حضرت ہبل کی قسم کبھی فتحیاب ہو سکو گے یا تو میدان جنگ میں قتل ہو جاؤ گے یا گرفتار ہو کر غلام بنو گے۔

حضرت حمزہ کو عتبہ کی لات زنی نہایت ناگوار گذری انھوں نے کہا عتبہ قوت و شوکت پر گھمنڈ نہ کر خدا میں وہ طاقت و قدرت ہے۔ کہ کمزور کو قوت والے پر فتح دیتا ہے مچھر جیسی ناچیز ہستی سے نمرود جیسے باسطوت بادشاہ کو ہلاک کرا دیتا ہے۔ تمہاری قوت و شوکت کیا چیز ہے۔ عنقریب تم اپنے غرور کا انجام دیکھ لو گے۔

ولید کو حضرت حمزہ کی گفتگو سن کر طرارہ آگیا۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا خدا ایک عجیب ہوتا ہے۔ جسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ تمہیں تمہاری قوم اور ہمارے

ہمدرد معاونین کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ پہاڑ میں سر مارنے سے پہاڑ کا کچھ نہیں بگڑتا سر ہی کا نقصان ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ نے کڑک کر کہا۔ ولید حد سے نہ بڑھو۔ باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں تلوار نکالو۔ اور مقابلہ پر آجاؤ۔

فوراً عتبہ شیبہ۔ اور ولید نے تلواریں نکال نکال کر بلند کیں حضرت حمزہؓ حضرت عبیدہؓ اور حضرت علیؓ نے بھی تلواریں نکالیں ایک ایک شخص نے ایک ایک شخص کو منتخب کر لیا۔ ہر شخص اپنے حریف کی طرف لپکا۔

صاف و شفاف تلواریں بلند ہو کر سنہری دھوپ میں چمکیں۔ دشمنوں کی طرف جھکیں۔ ڈھالوں سے ٹکرائیں اور پھر اٹھیں۔

ولید۔ عتبہ اور شیبہ کو اپنی بہادری اور جنگجوئی پر غرہ تھا۔ ناز تھا۔ لہذا وہ بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تینوں کمال بہادر آزمودہ کار اور تمام عرب میں ان کی بہادری کی شہرت تھی۔

حضرت علیؓ ولید کے مقابلہ میں تھے۔ ولید نہایت بہادر اور جنگجو تھے تجربہ کار تھے۔ حضرت علیؓ نوعمر تھے۔ کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لہذا کسی طرح سے بھی برابر کا مقابلہ نہ تھا۔

ولید کو خیال۔ خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر ڈالے گا۔ شیر خدا کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ اس نے نہایت جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تجربہ کار دلی کی طرح نہایت استقلال سے اس کا حملہ روکا اور اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر خود بھی حملہ کر دیا۔

ولید نے تلوار اپنے سر ہی طرف جھکتے دیکھی۔ اس نے جلدی سے ڈھال کو سامنے کر دی تلوار ڈھال کاٹ کر خود پر آئی خود کا کچھ حصہ اڑا کر اٹھی۔

یہ بڑی قوت اور بڑی طاقت کا کام تھا۔ فولادی ڈھال کو کاٹ کر آہنی خود کو تلوار سے کاٹ ڈالنا معمولی بات نہ تھی مگر حضرت علیؓ شیر خدا تھے۔ شیر دل سے زیادہ ان کی طاقت ان کے بازو فولاد سے زیادہ سخت اور شیر سے زیادہ قوی تھے انکی قوت بازو دیکھ کر ولید حیران و خائف ہو کر رہ گیا۔

ابھی ولید حیران ہی تھا کہ حضرت علیؓ کی تلوار پھر اٹھی پھر بلند ہوئی اس مرتبہ تلوار کی جھلک میں ولید کو موت کا بھیانک چہرہ نظر آیا۔

ولید کی ڈھال ناکارہ ہو چکی تھی اس نے جلدی سے ڈھال پھینک کر تلوار پر وار روکنے

جاتا۔ مگر اپنی تلوار اٹھانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ حضرت علیؓ کی تلوار اس کی گردن پر پڑی گردن ککڑی کی طرح کٹ کر دور جا گری بے سر لاشہ چکر کھا کر گھوڑے سے نیچے گرا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ زمین خون سے لالہ زار بن گئی۔

ولید وہ شخص تھا۔ جسے اپنی شان و عظمت پر غرور تھا۔ طاقت و قوت پر گھمنڈ تھا۔ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوشش کرتا رہا تھا۔ مگر یہ عہد کر کے آیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹا کر واپس لوٹوں گا۔ مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ خدا کی طاقت اسے مجبور کر کے قتل گاہ کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔

وہ مغرور سر جس میں فخر و غرور بھرے ہوئے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہونے کے لئے کٹ کر زمین پر گرنے والا ہے۔

سر کٹ کر گرا اور گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا گیا۔ بے سر لاشہ تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا

جس وقت حضرت علیؓ جنگ میں مصروف تھے۔ اسی وقت حضرت حمزہؓ عتبہ پر حملہ کر رہے تھے عتبہ بھی نہایت بہادر و مشہور جنگجو تھا۔ اس نے بڑے جوش اور پوری قوت سے حضرت حمزہؓ پر حملہ کر دیا۔

حضرت حمزہؓ نے نہایت صبر اور پورے استقلال سے اس کا حملہ روکا اور جب وہ دوسرے حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ تو حضرت حمزہؓ نے بڑھ کر تلوار سے حملہ کیا۔

عتبہ اس حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ مدافعت کے لئے تیار نہ تھا۔ تلوار اس کی گردن پر پڑی اور شہ رگ کاٹ کر ہوا کی طرح داہنی طرف سے بائیں طرف نکل گئی سر کٹ کر دور جا گرا دھڑ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ خون بہہ کر سفید ریگزار کو سرخ کرنے لگا۔

شیبہ نے عبیدہ پر حملہ کیا تھا شیبہ بڑا بہادر اور آزمودہ کار تھا۔ اس نے پوری قوت سے حملہ کیا عبیدہ نے ڈھال پر اس کا وار روکا۔ شیبہ کی برق دم تلوار نے ڈھال کو کاٹ ڈالا عبیدہ پیچھے ہٹے۔ شیبہ نے بڑھ کر ایک اور وار کیا۔ عبیدہ اس حملہ کو روک نہ سکے تلوار بائیں جانب کے شانے کو کاٹتی ہوئی گردن کے ایک چوتھائی حصہ تک اتری چلی گئی۔

عبیدہ زخمی ہو کر گرے شیبہ انہیں قتل کرنے کیلئے گھوڑے سے کودا حضرت علیؓ نے دیکھ لیا انہوں نے اس کی طرف لپکتے ہوئے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار شیبہ تیری قضا آ پہنچی ہے۔

شیبہ فوراً زخمی شیر کی طرح گرج کر حضرت علیؓ کی طرف پلٹا۔ اور پلٹتے ہی اس نے ایک پر زور حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کا حملہ روک کر خود بھی حملہ کیا شیبہ ذوالفقار کو بجلی جیسی چمک

دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس کی آنکھیں جھپک گئیں ابھی آنکھیں اچھی طرح کھلنے بھی نہ پائی تھیں کہ تلوار اس کی گردن پر پڑتی اور سر کٹ کر دور جا گرا۔

کفار کے تین بہادر اور شیر دل جنگجو کمزور اور نحیف مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ان کے مارے جانے سے کفار کو بے حد رنج و الم لاحق ہوا اور مسلمانوں کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔

عبیدہ شدید طور پر زخمی ہو گئے تھے۔ زخم سے خون کثرت سے بہہ رہا تھا وہ اس قدر نحیف و نڈھال ہو چکے تھے۔ کہ اٹھنا اور اٹھ کر چلنا ناممکن ہو گیا تھا۔

حضرت علیؓ نے انہیں گود میں اٹھایا۔ اور چلے اور آنحضورؐ کے روبرو انہیں جا لٹایا۔ آنحضرتؐ نے اسلام کے اس فدائی کو دیکھا۔ عبیدہ نے آنکھیں کھولیں حضورؐ کو دیکھا اشارہ سے سلام کیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں ان پر نزع کی حالت طاری ہو گئی۔

حضورؐ فوراً ان کے اوپر جھک گئے آپ کی حالت سے عیاں تھا کہ آپ کو عبیدہ کی وجہ سے بے کلی اور اضطراب ہے آپ نے کہا۔ اے اسلام کے فدائی آخرت کے مسافر الوداع الوداع!

لوگ سمجھ گئے۔ کہ عبیدہ کا آخری وقت آ پہنچا۔ عبیدہ نے پھر آنکھیں کھولیں پھر حضورؐ کو دیکھا مسکرائے کچھ کہنا چاہا۔ مگر موت نے کچھ کہنے نہ دیا زبان بند ہو گئی ہچکی آئی۔ اور مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

تمام مسلمانوں کو نہایت قلق ہوا حضورؐ کے بشرے سے بھی غم کے آثار ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا مسلمانو! مجھے اور خدا کو مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ کاش! کفار ہم پر لشکر کشی نہ کرتے لیکن خدا کو اپنے نیک بندوں کی آزمائش بہشت کا راستہ تلواروں کے سایہ میں ہے ہے شہدا کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جنت کا ہر خطہ شہدا کے لئے ہے۔ ابھی آنحضورؐ کی گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ کفار کے لشکر کو حرکت ہوئی۔ پیدلوں اور سواروں کے دستے بڑھے۔ حضورؐ نے عبیدہ کی لاش ایک طرف رکھوا دی اور مسلمانوں کو بھی بڑھنے کا اشارہ کیا۔

مسلمان جوش میں آ کر بڑھے۔ اللہ اکبر کے پرزور نعروں کے ساتھ بڑھے کفار بھی بڑے جوش و خروش سے بڑھے آ رہے تھے۔ دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا تلواریں میانوں سے کھینچ لی گئیں صاف اور شفاف تلواریں جگمگائیں بجلی کی طرح کوندیں اور انسانی کھیتو

کو خاک بسر کر ڈالنے کے لئے انسانوں پر جھکیں۔ جنگ عمومی شروع ہو گئی کفار مسلمانوں میں اور مسلمان کفاروں میں گھس گئے۔

مار دھاڑ شروع ہو گئی سرفروشوں کے سر کٹ کٹ کر گرنے لگے چونکہ مسلمان تھوڑے بہت ہی تھوڑے صرف تہائی۔ پھر پورے طور پر مسلح نہ تھے کفار بہت زیادہ تھے ہر طرح سے مسلح تھے انہیں زعم تھا۔ یقین تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ مگر جب مقابلہ ہوا اور مسلمانوں سے سابقہ پڑا تو جنگ کی آگ مشتعل ہو گئی تو مسلمانوں کے جوش و قوت اور اسلوب جنگ کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ مسلمان تر نوالہ نہیں ہیں۔

ابوجہل۔ حنظلہ۔ عاصی۔ حرث۔ طعیمہ۔ زمعہ۔ عقیل۔ ابوالبختری۔ نوفل۔ اور سائب وغیرہ سب نہایت بہادر اور پختہ کار جنگجو تھے کمال جوش اور بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے انکی دیکھا دیکھی انکے ہم مذہب اشرار و کفار بھی بڑی جوانمردی سے مصروف جنگ تھے۔

مسلمان اس جوش و خروش۔ بے باکی بے خوفی اور دلیری سے لڑ رہے تھے۔ کہ کفار نے آج تک کسی کو اس طرح لڑتے نہ دیکھا تھا۔ خصوصاً حضرت صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت حمزہ رضؓ کمال جانبازی سے جنگ کر رہے تھے۔ انکی برق وش تلواریں بجلی طرح کوند رہی تھیں۔ جس کے سر پر ان میں سے کسی کی تلوار پڑ تی تھی۔ اسے بغیر کاٹے نہ چھوڑتی تھی۔ وہ جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے تھے موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی تھی۔

جب جنگ کی آگ زور شور سے مشتعل تھی اور جانبازانہ بہادر جوش و غضب سے حملے کر رہے تھے آنحضورؐ ایک طرف کھڑے میدان جنگ کا نظارہ فرما رہے تھے حضورؐ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کم ہیں۔ اور دشمن زیادہ ہیں دشمنوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا ہے آپ خدا کی امداد کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ہمہ تن نظارہ جنگ میں محو تھے کہ دو آدمیوں نے آکر سلام کیا۔

آپ نے انکی طرف دیکھا ایک ان میں حذیفہ اور دوسرے ابوحسل تھے۔ یہ دونوں مکہ کے رہنے والے تھے۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا کہ تم دونوں کب اور کیسے آئے۔

حذیفہ نے جواب دیا۔ حضورؐ ہم چھپ کر مکہ سے نکلے۔ اور مدینہ کی طرف چلدیئے راستہ میں کفار نے ہمیں روکا اور واپس مکہ جانے پر مجبور کر دیا۔ ہم نے جب کہا کہ ہم لڑائی میں شرکت کے لئے نہیں جا رہے ہیں۔ تب انہوں نے اجازت دی لہذا اب ہم حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی جنگ کی اجازت دیجئے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ حذیفہ تم کفار سے عہد کر چکے ہو کہ لڑائی میں شریک نہ ہوں گے اس

عہد کو نبھانا چاہیے اسلام اور مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ اپنا عہد پورا کیا جائے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کو امداد کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ بد عہدی کروں۔ تم دونوں یہاں سے ہٹ کر دور کھڑے ہو جاؤ۔

حذیفہؓ نے کہا۔ حضورؐ! کافر قوم کسی زمانہ میں بھی جنگ کے وقت کسی عہد کی پابندی نہیں کرتی لہٰذا ہم بھی کیوں کریں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ خدا نے ہم مسلمانوں کو وفائے عہد کا حکم دیا ہے مسلمانوں پر حکم کی پابندی لازمی ہے۔ جو اقوام خدا کے وجود سے منکر ہیں۔ وہی سزاوار عہد شکنی کی مرتکب ہوتی ہیں۔

حذیفہؓ خاموش ہو گئے۔۔ وہ اور ابو جہل دونوں وہاں سے فاصلہ پر جا کھڑے ہوئے۔ اسوقت جنگ پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ تلواروں کی جھنکار قومی نعروں کی آواز زخمیوں کی چیخ و پکار سے تمام میدان گونج رہا تھا۔ چونکہ رات بارش ہوئی تھی۔ اس لئے ریت نمناک ہو رہا تھا۔

سرفروش دوڑ دوڑ کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو رہی تھیں۔ چونکہ وہ خون میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ہر ایک خون کے چھینٹے اڑا رہی تھیں۔

جنگ ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ آنحضرتؐ نے با آواز بلند کہا۔ مسلمانو! انشاء اللہ تم فتحیاب ہو گے۔ دیکھو آل ہاشم اور ابو البختری کو قتل نہ کرنا آل ہاشم تو اپنی خوشی سے نہیں آئے مجبور کر کے لائے گئے ہیں۔ اور ابو البختری نے تنسیخ عہد نامہ کی کوشش کی تھی۔ مسلمانوں پر اس کا یہ احسان ہے۔

جو مسلمان قریب تھے انہوں نے آپکا یہ حکم سنا اور جو دور تھے۔ ان تک مسلمانوں نے یہ حکم پہنچا دیا۔ اتفاق سے محذرؓ بن زیاد کے مقابلہ میں ابو البختری آ گیا۔ محذرؓ نے کہا ابو البختری میرے سامنے سے ہٹ جاؤ! ہمکو تم سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔

ابو البختری نے کہا۔ محذرؓ! تم مجھ سے خوف کھاتے ہو۔ بہادر ہو تو مقابلہ میں آؤ۔

محذرؓ کو بڑا غصہ آیا مگر نافرمانی کے خیال سے انہوں نے ضبط کیا اور کہا۔ ابو البختری میں سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈر سکتا اگر مجھے تم سے لڑنے کا حکم ہوتا تو میری تلوار تمہارے سر پر پڑتی۔

یہ کہکر محذرؓ ایک اور کافر کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے تلوار اٹھا کر ایسا حملہ کیا کہ وہ کافر

نے ڈھال سامنے کر دی۔ برق وش تلوار ڈھال کو کاٹ کر پیشانی پر پڑی۔ پیشانی کی
پھانک کھل کر خون کی دھار بہنے لگی۔

ابوالبختری نے یہ کیفیت دیکھ کر مجذرؓ پر حملہ کیا۔ مجذرؓ تلوار بلند کر چکے تھے وہ اس کافر
کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ جس کی پیشانی مجروح ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔
ابوالبختری بیچ میں آ گیا۔ تلوار سر پر پڑی سر کی پھانک کھل گئی۔ ابوالبختری مردہ ہو کر گرا
مجذر کو اس کے قتل ہونے سے بڑا افسوس ہوا۔

جس وقت ابوالبختری قتل ہوا ہے۔ ٹھیک اسی وقت امیہ اور اس کا بیٹا علی دونوں
لڑائی سے تنگ آ کر جان بچانے کے لئے سراسیمہ پھر رہے تھے۔

حضرت بلالؓ نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ وہ انکی طرف جھپٹے۔ کئی اور مسلمان بھی
ان کے ساتھ لپکے۔ حضرت بلالؓ نے بلند آواز سے کہا۔

اے طاغوت کی پرستش کرنے والو ٹھہرو! آج تم ہمارے ہاتھوں سے نہیں
بچ سکتے اپنی امداد کے لئے آج اپنے معبودوں کو پکارو۔ جنہیں تم پوجتے رہے ہو۔

امیہ نے حضرت بلالؓ کو دیکھا وہ گھبرایا۔ اور خفیف دہشت سے اسکا چہرہ زرد
ہو گیا۔ امیہ وہ شخص تھا جس نے مسلمانوں پر عموماً۔ اور حضرت بلالؓ پر خصوصاً انتہائی
مظالم کئے تھے۔ ایک زمانہ میں بلالؓ اسکے غلام تھے۔ اس نے انکو رسی سے بندھوا کر پٹوایا
تھا۔ گرم ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ کر طرح طرح کے مظالم کئے تھے۔

وہ حضرت بلالؓ کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ کہ آج وہ اس سے انتقام لیں گے انتقام کے
خوف نے امیہ اور اس کے بیٹے کو متوحش و پریشان بنا دیا۔

حضرت بلالؓ تلوار لیکر بڑھے ان کے ہمراہی مسلمان بھی تلواریں سونت سونت کر
جھپٹے امیہ اور علی نے بھی تلواریں کھینچ لیں۔ ایک نے دوسرے پر تلوار سے حملہ کیا۔

حضرت بلالؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کی بے پناہ تلوار امیہ کے سر پر پڑی
سر کے دو ٹکڑے کر کے حلق تک اتر گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری۔ اور مردہ ہو کر گرا۔ ادھر
ایک انصاری نے اسکے بیٹے علی کو قتل کر ڈالا۔ جس وقت ان دونوں کے لاشے زمین پر گرے
ٹھیک اسی وقت کچھ کفار گھوڑے دوڑاتے اس طرف سے گذرے امیہ کا لاشہ ٹاپوں
سے کچلا جا کر پارہ پارہ ہو گیا۔

جنگ اس وقت بھی نہایت شدومد سے ہو رہی تھی۔ کفار بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان بھی جوش و غضب میں بھرے ہوئے نہایت دلیری اور بےخوفی سے لڑ رہے تھے۔ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ یعنی فریقین جی توڑ کر لڑ رہے تھے۔ موت کی چکی نہایت سرعت سے گھوم رہی تھی۔ ہر شخص غضب آلود ہو رہا تھا۔ چونکہ مسلمان تعداد میں تہائی تھے۔ پیدل لڑ رہے تھے اس لئے کفار ہر حملہ میں انہیں پیچھے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ ہر حملہ میں بجائے خود یہ سمجھ لیتے کہ مسلمان اب منہزم و پسپا ہوئے اب قتل و گرفتار ہوئے اب قریش کی فتح کا ڈنکا بجا۔

اس وقت کفار قریش ہی کا پلہ بھاری تھا۔ اگرچہ مسلمان نہایت جوش پورے استقلال اور بڑی بےخوفی سے لڑ رہے تھے۔ لیکن برابر مقابلہ ہونے کی وجہ سے وہ دبے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

جس وقت لڑائی بڑے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ ایک صحابی عمرو بن الحمام انصاری آنحضور کی خدمت میں آئے وہ کھجوریں کھاتے آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی حضور سے دریافت کیا۔ خاتم النبیین اگر میں کفار سے لڑتا ہوا مارا جاؤں تو کیا میں فوراً جنت میں چلا جاؤں گا۔

حضور نے جواب دیا ہاں! تم ہی کیا جو مسلمان لڑائی میں شہید ہوگا۔ اسے جنت ملے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام جاری رہے گا۔

عمرو نے اسی وقت بقیہ کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑے ایک تو وہ جبلی بہادر تھے۔ دوسرے شوق شہادت اور حصول جنت کی تمنا نے انہیں اور بہادر بنا دیا تھا۔ لہٰذا وہ لڑے اور اس جوش سے لڑے کہ دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا جو سامنے آ گیا۔ اسی کو قتل کر ڈالا۔ حرث اور زمعہ دونوں کفار بہادر اور جنگجو تھے دونوں عمیر کے سامنے آ گئے۔ اور دونوں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔

عمیر نہایت پھرتیلے اور آزمودہ کار تھے۔ انہوں نے پینترا بدل کر جلدی سے حرث پر حملہ کیا۔ تلوار حرث کی گردن کاٹ کر اتری۔ عمیر جلدی سے کود کر پیچھے ہٹے اور فوراً اچھل کر زمعہ پر جا کودے ابھی زمعہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے حلق کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

کفار مکہ عمیر کی یہ پھرتی اور اس قدر دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عمیر نے ان دونوں کو قتل کر کے سامنے کی صف میں حملہ کر دیا پہلے ہی حملہ میں سامنے والے کو اور پھر بائیں طرف والے کو قتل کر ڈالا۔

وہ اس پھرتی سے تلوار چلاتے تھے۔ کہ وہ اٹھتی تو معلوم ہوتی تھی لیکن سروں پر پڑتی
یا سروں یا حلقوم کو کاٹتی نظر نہ آتی تھی۔ وہ جس طرف حملہ کرتے تھے۔ ایک دو کو ضرور قتل کر ڈالتے تھے
وہ کچھ ایسے جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے
تھے اتفاق سے وہ ایک کافر پر حملہ آور ہوئے ان کے پشت کی طرف سے تین آدمیوں نے
ان پر ایک ساتھ تلواریں ماریں ان کے پاس نہ زرہ تھی نہ خود۔ تینوں تلواریں انکے سر پر
پڑیں۔ سر کی قاشیں کھل گئیں۔ خون کی دھار بہنے لگی وہ نڈھال ہو گئے مگر اس حالت
میں بھی پلٹ کر انہوں نے حملہ کیا۔ اور تین حملہ آوروں میں سے ایک کو مار گرایا ساتھ
ہی خود بھی گر پڑے لیکن گرتے گرتے بھی ایک دوسرے کافر کو بھی گرا کر سینہ پر چڑھ گئے
اور اس زور سے اسکے حلقوم کو دانتوں سے کاٹا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

اب عمیر میں اٹھنے کی بھی ہمت نہ رہی ان پر حالت نزع طاری ہونے لگی۔ اس حالت
میں تیسرے کافر نے انکے تلوار ماری۔ زخم کاری لگا۔ اور شوق شہادت کے تمنائی
عروس اجل سے ہمکنار ہو کر جنت کی طرف راہی ہوئے۔

جنگ اسوقت بھی نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ کفار مسلمانوں پر اور مسلمان کافروں
پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ تلواریں جلد جلد چل رہی تھیں انسانی اعضا کٹ کٹ کر گر رہے تھے
دار و گیر صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مختلف آوازوں سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔
ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے شماسین کے پرچم ہوا میں لہرا رہے تھے۔
آفتاب کی شعاعیں جنگجو دلیروں۔ اور انکے ہتھیاروں پر پڑ پڑ کر چمک رہی تھیں۔
لڑائی انتہائی جوش و غضب اور پورے شد و مد سے ہو رہی تھی۔ جنگ کے فدائی
شہادت کے تمنائی بڑی سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ آلات جنگ کی جھنکار زخمیوں کی چیخ
پکار اور قومی نعروں کی آواز سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ فضا تھرا رہی تھی۔

خون آلود تلواریں ہر طرف بلند ہو ہو کر خون کی چھینٹیں اڑا رہی تھیں۔ ابوجہل
بڑے شوق سے لڑ رہا تھا۔ وہ خود اوڑھے ہوئے زرہ پہنے تھا۔ غرق آہن تھا۔ ایک ہاتھ
میں ڈھال ایک ہاتھ میں تلوار لئے پورے جوش و غضب کے جلال سے لڑ رہا تھا۔

وہ بہادر تھا بہادر شخص کی اولاد تھا۔ بہادر قوم کا چشم و چراغ تھا کمال بہادری
سے لڑ رہا تھا۔ حضرت معاذ نے ابوجہل کو دیکھا وہ بڑھ کر اسکے مقابلہ میں آگئے۔ ابوجہل نے معاذ پر حملہ کیا
ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ معاذ پیدل تھے۔ وہ اچھل کر الگ جا کر کھڑے ہوئے ابوجہل

کا وار خالی گیا۔

چونکہ ابوجہل جوشیلا تھا۔ اس لیے وار خالی جانے پر غصہ آیا اس نے گھوڑا بڑھا کر حملہ کیا معاذ نے اس کا وار ڈھال پر روکا اور جلدی اسے خود بھی حملہ کیا۔ ان کی برق پوش تلوار بجلیاں گراتے بڑھی۔

ابوجہل نے برق دم تلوار سے بچنے کی کوشش کی لیکن نہ بچ سکا تلوار اس کی پنڈلی پر پڑی پنڈلی کاٹتی ہوئی گھوڑے کے پیٹ کو زخمی کرتے نکل گئی۔ پنڈلی کے کٹ جانے سے ابوجہل کے تمام بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اسکا چہرہ شدت درد سے زرد اور بھیانک ہو گیا۔ جسم کانپنے لگا ادھر گھوڑا زخمی ہو کر الف ہو گیا۔ ابوجہل سے سنبھلا نہ جا سکا وہ گھوڑے سے نیچے گرا اس کے گرتے ہی معاذ نے خوش ہو کر بڑے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا ابھی وہ اسی در دشادمانی میں غافل تھے کہ بائیں شانے پر تلوار پڑی بازو کٹ کر لٹک گیا۔ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے کہ انہیں شانہ کے زخم نے جلا ڈالا ہو۔

انہوں نے پلٹ کر تلوار مارنے والے کو دیکھا اس طرف ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تلوار تولے کھڑا نظر آیا عکرمہ نے کہا۔ معاذ! میں نے تم سے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

معاذ نے کہا او بزدل مکار۔ انتقام اس طرح نہیں لیا جاتا اگر تو بہادر ہوتا تو سامنے آکر لڑتا۔ لیکن بہادری تجھ سے چھو تک بھی نہیں گئی ہے۔ نامرد تو نے بے خبری کے عالم میں مجھ پر حملہ کیا لیکن تو یہ سمجھتا ہے کہ میں زخمی ہو کر تجھ سے انتقام نہ لے سکوں گا یہ ناممکن ہے میں انتقام لوں گا۔ ضرور اور ضرور لوں گا۔

یہ کہتے ہی معاذ نے عکرمہ پر جھپٹ کر حملہ کیا۔ عکرمہ نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی۔ معاذ شدید طور پر زخمی ہو چکے تھے۔ انکا بایاں ہاتھ شانے کے قریب سے کٹ کر لٹک گیا تھا مگر انہیں زخمی ہونے کا خیال نہ تھا۔ انہوں نے نہایت زور اور قوت سے عکرمہ پر حملہ کیا۔

عکرمہ نے ڈھال سامنے کر دی تلوار ڈھال پر پڑی ڈھال کو پھاڑتے ہوئے نکلی۔ گردن پر آکر رکی اور گردن میں گہرا زخم لگا گئی۔ عکرمہ بدحواس ہو کر بھاگا۔

جنگ اس وقت بھی نہایت شدومد اور شدت سے ہو رہی تھی سرفروش جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ خون آشام تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں۔

کفار مکہ مسلمانوں کو کچل ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر زور، جوش و طیش سے بھر کر حملے کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ یا پیچھے ہٹا دیں مسلمان گویا

گوشت پوست کے نہ تھے۔ بلکہ لوہے کے بنے ہوئے پتلے تھے۔ جو نہ قتل ہوتے تھے نہ پیچھے ہٹتے تھے۔ بلکہ بڑے استقلال بڑے جوش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ انکی خون خوار تلوار جسکے سر پر پڑتی سر و تن کا فیصلہ کئے بغیر نہ اٹھتی۔

اسوقت آفتاب نصف النہار کو عبور کر گیا تھا۔ آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ دھوپ میں غضب کی تمازت پیدا ہو گئی تھی۔ سرفروش پسینہ میں نہا گئے تھے۔

آنحضور ﷺ میدان جنگ میں کنارے کھڑے منظر رزم و بزم دیکھ رہے تھے آپ کے چہرہ مبارک سے افسردگی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ بے چینی بڑھ گئی تھی۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر پر جلال آواز میں کہا۔

خدایا! تیری امداد کہاں ہے؟ وہ مدد کہ جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اے خدائے کارساز مسلمان تھک چکے ہیں۔ اگر تو نے امداد نہ کی تو عجیب نہیں کہ شکست کھا جائیں میرے معبود! مسلمانوں کی جلد امداد کر مظلوموں بیکسوں کمزوروں کی خبر لے۔

ابھی حضور ﷺ فرما ہی رہے تھے۔ کہ شرق کی جانب سے بادل اٹھا اور بدر کی پہاڑی پر چھا گیا۔ کچھ لوگ پہاڑی پر بیٹھے جنگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سر کے قریب سے بادل کو گذرتے دیکھا۔

بادل آہستہ آہستہ گذر رہا تھا۔ اور میدان جنگ کی طرف بڑھ رہا تھا بادل کے اندر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تمام کفار حیران ہو کر بادلوں کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے بڑھو اور جلدی آگے بڑھو۔

اس آواز نے کفار کے دلوں میں ہلچل ڈال دی وہ خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ بے اختیار آنکھیں جھک گئیں مگر ایک شخص بادل کی طرف دیکھتا رہا۔ اتفاقاً ایک جگہ سے بادل پھٹ گیا۔ اس شخص نے ایک سبز پوش سوار کو بہترین سبز رنگ کے گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا۔

اس سبز پوش کو دیکھ کر اسکا دل لرزنے لگا۔ آنکھیں پھیل کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں چہرہ زرد ہو کر سرد پڑ گیا۔ اس نے زور سے چیخ ماری اور دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے ہمراہی اس کی چیخ کی آواز سن کر چونکے اس کی طرف دوڑے اور اس کے اوپر جا جھکے جب انہوں نے اسے ٹٹول کر دیکھا تو وہ مردہ ہو چکا تھا۔

جنگ اسوقت بھی پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ خون آلود تلواریں جلد

جلد بلند ہو کر انسانوں کو کاٹ رہی تھیں۔ شعلہ کے دار دگیر سے تمام میدان گونج رہا تھا انسانی اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے تھے جگہ جگہ خون کے چھینٹے پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔

ابتک کفار مکہ کے بہت سے سردار اور سربر آوردہ لوگ مارے جا چکے تھے لیکن انکی جمعیت اب بھی زیادہ تھی۔ وہ اب بھی بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

مسلمان مجاہد کفار کی صفوں میں گھسے ہوئے نہایت جانبازی سے جنگ کر رہے تھے چونکہ جنگ عمومی ہو رہی تھی۔ اس لئے نہ صفیں قائم رہی تھیں۔ اور نہ ترتیب و ضابطہ باقی رہا تھا۔ جو مسلمان جہاں تھے۔ اسی جگہ دریا دلی سے بے خبر لڑائی میں مصروف تھے

حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت حمزہؓ۔ حضرت معاذؓ جنکا بایاں بازو کٹ کر لٹک گیا تھا۔ حضرت ابو ایوبؓ۔ حضرت سعدؓ۔ حضرت اسیدؓ سب نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ وہ جس پر حملہ کرتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے جس طرف رخ کرتے لاشوں پر لاشے ڈالتے نکل جاتے۔

حضرت معاذؓ کا ہاتھ کٹ کر لٹک رہا تھا۔ صرف ایک تسمہ سے الجھا ہوا تھا ہاتھ کٹ جانے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر انھیں تکلیف کی پرواہ تک بھی نہ تھی۔ وہ برابر جنگ کر رہے تھے۔ بغیر ڈھال کے بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔

چونکہ لٹکا ہوا ہاتھ حملہ کرنے میں حارج تھا۔ اس لئے انہوں نے لمبے پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے جھٹکا دیا تسمہ ٹوٹ کر ہاتھ نیچے گر گیا۔

یہ معمولی بات نہ تھی بڑی دلیری کا کام تھا۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ جب کبھی انسان کا کوئی زخمی ہو جاتا ہے تو شدت درد و کرب سے وہ انسان اس عضو کو نہ خود ہاتھ لگاتا ہے۔ اور نہ کسی کو لگانے دیتا ہے۔ یہ بات صرف مسلمانوں ہی کو حاصل تھی کہ وہ کبھی زخم کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے زخموں کو معمولی سمجھتے تھے

اتفاق سے حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیقؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تینوں مل گئے تینوں نے ملکر حملہ کیا۔ نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ جو کافر سامنے آیا۔ اسے قتل کر ڈالا کفار نے انکا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن وہ شیران اسلام کے حملہ کو نہ روک سکے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ نے دوسری طرف سے حملہ کیا ان دونوں کا حملہ بھی نہایت سخت تھا۔ انہوں نے بھی کفار کو پیچھے ہٹا دیا۔ قلب لشکر میں سعدؓ اسیدؓ اور دوسرے سردار وہ

…تھے انہوں نے بھی سنبھل کر حملہ کیا۔ کفار ان متواتر حملوں کی تاب نہ لا کر ان کے پاؤں …گئے وہ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر بھاگے۔

اب تمام مسلمانوں نے بڑے جوش اور پوری قوت سے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ …ر حملہ کر دیا۔ کفار تمام محاذ سے میدان چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے مسلمانوں نے انکا تعاقب …کے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

کافروں نے میدان جنگ چھوڑ دیا۔ کچھ قتل ہو گئے۔ اور اکثر گرفتار کر لئے گئے۔ اور …میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

…یہ وہ حیرت انگیز پہلی جنگ تھی۔ جس میں مسلمانوں کو کامل فتح ہوئی اور کفار مکہ کو …ست فاش نصیب ہوئی۔

یہ وہ جنگ تھی۔ جس میں مسلمان ایک تہائی کی تعداد میں تھے۔ اور اس قدر بے …سامان تھے کہ کوئی بھی پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا۔ زرہ بکتر تو ایک کے …نہ تھی۔ یورپ آج تک مسلمانوں کی اس فتحیابی پر حیرت کرتا ہے صرف یورپ ہی …بلکہ دنیائے جہاں کے مورخ متحیر ہیں۔

مسلمان بھی اس فتح کو حیرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ …ن کی فتح خدائی امداد سے ہوئی۔ مادہ پرست یورپ اس کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

جب کفار ہزیمت خوردہ ہو کر بھاگے اور انکی بڑی تعداد گرفتار ہو گئی تو آنحضور …میں گر گئے۔ آپ نے کہا۔ اے رب العزت! تیرا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ آج تو نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔ اسلام کا بول بالا کر دیا۔ میں اور تمام مسلمان …شکر گذار ہیں۔

آنحضورؐ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ آپکی منور پیشانی خاک آلود ہو گئی تھی آپ …ہوئے آپنے میدان جنگ کی طرف دیکھا مسلمان قیدی کفار کو جمع کر کے کشاں …چلے آرہے تھے۔

اس وقت آپ کے پاس عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے تھے۔ آپنے ان سے کہا …عبداللہ میدان جنگ میں گھوم پھر کر دیکھو کہ ابوجہل کی لاش میدان میں موجود …ہے یا نہیں۔

عبداللہ سر اطاعت خم کر کے چلے انہوں نے کفار کی لاشوں کا معاینہ کرنا شروع

کیا۔ بڑی دیر کی کدوکاوش کے بعد ابوجہل نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ملا اس کا تمام جسم خاک و خون میں لتھڑا ہوا تھا۔

عبداللہ نے بلند آواز سے کہا۔ او دشمن خدا! تو نے دیکھا کہ خدا نے تجھے کیسا ذلیل کیا۔

ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اس کے لب خشک ہو رہے تھے۔ اس نے نحیف آواز سے دریافت کیا۔ کیا مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

عبداللہ نے جواب دیا۔ نہیں مسلمانوں کو خدا نے فتح دی ہے۔

ابوجہل کی آنکھوں سے حیرت اور استعجاب کا اظہار ہوا اس نے کہا کیا ہم کو شکست ہوئی۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہ غیر ممکن ہے۔ ہماری تعداد زیادہ تھی۔ ہمارے سردار زیادہ تھے۔ ہمارے سوار زیادہ تھے۔ ہمارے زرہ پوش زیادہ تھے۔ پھر فتح ہماری ہوئی ہوگی۔

عبداللہ نے تلوار بلند کرتے ہوئے کہا۔ مردود ازلی! تیرے ہمراہیوں کو تو ذلت ہوئی۔ بے سمجھی میں تجھے دوزخ میں بھیجتا ہوں کافر خود سر! تو نے مسلمانوں کو بے وجہ تختۂ مشق ستم بنایا ہے۔ دوزخ میں جا کر آگ کا ایندھن بنتا۔

ابوجہل کا دل ڈوب گیا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ خشک وفور خوف و الم سے سکڑ گئے۔

عبداللہ نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اس کی گردن دھڑ سے جدا ہو گئی انہوں نے اس کا سر اٹھایا اور حضورؐ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

تمام مسلمان ابوجہل کا سر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا ابوجہل تو نہ خود چین سے رہا۔ اور نہ مسلمانوں کو تو نے چین سے رہنے دیا۔ دیکھ آج تیرا کبر و نخوت کا خاتمہ ہو گیا۔ کاش تو مسلمان ہو جاتا یا مسلمانوں سے بغض و حسد کا برتاؤ نہ کرتا۔

اس کے بعد حضورؐ نے تمام شہداء کو ایک جگہ جمع کرایا اور انہیں بڑے اعزاز کے ساتھ دفن کرا دیا کفار کی لاشوں کو بھی ایک بڑے گڑھے میں دبوا دیا۔ ان تمام سے فراغت کر کے لشکر اسلام مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔

نواں باب ۹

غزوۂ سویق

گذشتہ باب میں جس حیرت ناک جنگ کے واقعات ہم نے بیان کئے ہیں سنہ ۲ھ میں واقع ہوئی تھی اس جنگ میں اہل مکہ بڑے ساز و سامان بڑے حشم و خدم بڑے جاہ و جلال سے آئے تھے انہیں مسلمانوں کی قلت اور بے سامانی کا حال معلوم تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو قتل کر کے اسلام کا خاتمہ کر دیں گے لیکن نہیں جانتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کا حامی وہ خدا ہے جو پروردگار عالم ہے جس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔

چنانچہ جب جنگ ہوئی اور جنگ کا نتیجہ برآمد ہوا تو کفار کا غرور ٹوٹ گیا۔ انہیں شکست ہوئی نہایت ذلت آمیز شکست ان کے بڑے بڑے نامور سردار۔ بڑے بڑے مغرور رئیس میدان جنگ میں کام آئے۔

اس جنگ کی کچھ یہی حیرت انگیز بات نہیں کہ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت نے کثیر التعداد کفار کو شکست دیدی بلکہ سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان صرف چودہ شہید ہوئے اور کفار تین سو سے زائد مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار کر لئے گئے اور جس قدر کفار قریش کا سامان تھا مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا۔ اسلامی لشکر مظفر و منصور ہو کر لوٹے کامیابی اڑاتا ہوا مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوا جب یہ لشکر مقام صفرا میں پہنچا تو آنحضرتؐ نے تمام مال غنیمت مجاہدین اسلام میں بحصہ مساوی تقسیم کر دیا نضر بن حارث قبیلہ بنو عبد الدار کا ایک متنفس سرکش اور اسلام دشمن شخص تھا اسے مسلمانوں سے خدائی بیر تھا اس نے مسلمانوں پر بے حد سختیاں کی تھیں مقام صفرا میں وہ حضورؐ کے حکم سے قتل کر دیا گیا یہ شخص قید تھا اور قید کی حالت میں بھی حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہتا تھا عرب کا یہ جنگی قانون تھا کہ جس قدر

قیدی لڑائی میں ہاتھ آئے سب کے سب بے دریغ قتل کر دئے جاتے چنانچہ کفار اور مسلمانوں کا خیال تھا کہ تمام قیدی قتل کر دئے جائیں گے مگر آنحضورؐ نے ابھی تک ان کے قتل کا حکم نہ دیا تھا بلکہ قیدیوں کے محافظوں کو ہدایت کر دی تھی کہ قیدیوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دیں پہلے انھیں کھانا کھلا دیں۔ پانی پلا دیں۔ پھر خود کھائیں پئیں مسلمان اس حکم کی کما حقہ تعمیل کر رہے تھے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس کسی قسم کا سامان بھی نہ تھا نہ سامان حرب تھا نہ رسد تھی صرف جو کا ستو اور کھجوریں کھانے کیلئے اور معمولی ہتھیار لڑنے کے لئے تھے لیکن اب کفار کی شکست نے انہیں ہتھیاروں گھوڑوں اور کسی قدر دوسرے سامانوں کا مالک بنا دیا تھا کچھ غلہ بھی ہاتھ لگ آگیا تھا مگر وہ اس قدر نہ تھا کہ تمام مسلمانوں کو تقسیم کر دیا جاتا بہت تھوڑا تھا لہذا آنحضورؐ نے اسے غربا میں تقسیم کر دیا تھا ابو الیسرؓ ایک صحابی مدینہ کے رہنے والے انصاری تھے وہ دس آدمیوں کے گروہ پر سردار تھے۔ ان کے سپرد ابو عزیز قیدی کو کیا گیا تھا ابو عزیز رؤسائے قریش میں سے تھا۔ حضرت مصعبؓ کا بھائی تھا۔

یہ حضرت مصعب وہی ہیں جنہیں حضورؐ نے مکہ سے مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا تھا اور جنکی سعی جمیلہ سے مدینہ میں اسلام پھیلا تھا۔

حضرت مصعب ابی الیسرہ کے پاس آئے آپ نے فرمایا بھائی ابی الیسرہ تم جانتے ہو جو قیدی تمہارے سپرد ہے وہ کون ہے؟

ابی الیسرہ نے کہا صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے۔

حضرت مصعبؓ نے کہا تم نہیں جانتے سنو یہ مالدار عورت کا بیٹا ہے مگر بڑا چالاک ہے اگر تم نے اس کی نگرانی میں ذرا بھی غفلت کی تو وہ فوراً بھاگ جائیگا

ابو عزیز نے اپنے حقیقی بھائی مصعب کی طرف دیکھ کر کہا! بھائی صاحب کیا ایک حقیقی بھائی کے لئے یہی مناسب ہے جو آپ کر رہے ہیں میں تو آپکے آنے سے سمجھا تھا کہ آپ میری رستگاری میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

حضرت مصعبؓ نے کہا۔ ابو عزیز تو میرا بھائی نہیں ہے اگر میرا بھائی ہوتا تو مسلمان ہو جاتا میرا بھائی یہ ہے جو تیری حفاظت کر رہا ہے!

ابو عزیز خاموش ہو گیا۔ لشکر اسلام نے مقام صفرا سے کوچ کیا جب یہ لشکر مقام عراق

اثنا میں پہونچا تو یہاں عقبہ بن ابی معیط جو سرکش کافر تھا قتل کیا گیا یہ شخص بھی قید تھا اور قید کی حالت میں دشنام طرازی سے باز نہ آتا تھا لشکر اسلام مقام در مقام کوچ و قیام کرتا مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا مدینہ میں مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست کی خبر پہلے پہنچ گئی تھی مدینہ کے مسلمان اس فتح کی خبر سن کر نہایت مسرور ہوئے تھے وہ بڑی بے صبری سے فاتح مسلمانوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور کافر یہود نہایت مغموم و متفکر نظر آنے لگے تھے

حقیقت یہ ہے کہ روز آفرین سے ہی اسلام شیطان سیرت انسانوں کی نظروں میں کھٹکتا رہا ہے کفار نے ہر زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی کلی استیصال کی جد و جہد کی مگر اسلام کا استیصال نہ کبھی ہوا نہ مسلمان مٹے بلکہ ہر ابتلاء کے بعد اسلام ایک نئی آن بان سے نمودار ہوا۔

بالآخر وہ دن بھی آگیا جس دن فاتح مسلمان مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تمام مسلمانوں نے اس لشکر کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ تمام مدینہ مسرت و انبساط کی صداؤں سے گونج اٹھا ہر طرف سے نعرہائے مسرت سنائی دینے لگے۔

مدینہ کی در و دیوار سے سرور و شادمانی چھلکنے لگی مدینہ کے کافر اور نواح مدینہ کے یہودی مسلمانوں کو مسرور دیکھ کر بغض و حسد میں جل رہے تھے۔

مسلمان مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو یہودی سخت ناخوش اور غمگین نظر آنے لگے کفار مدینہ مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے وجہ یہ تھی کہ جنگی قیدیوں میں مکہ کے بڑے بڑے ذی عزت لوگ شامل تھے۔ مثلاً عباس بن عبدالمطلب یعنی آنحضورؐ کے عم محترم۔ عقیل حضرت علیؓ کے بھائی۔ نوفل بن حارث ابوالعاص آنحضورؐ کے داماد۔ ابو عزیز سہیل بن عمرو یہ سب لوگ رؤسائے مکہ سے تھے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ذی عزت و ذی جاہ لوگ تھے۔

یہ سب کھجوروں کی رسیوں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کی حراست میں مدینہ کی گلیوں کو طے کر رہے تھے خدا نے ان کا غرور توڑ دیا تھا ان کا غرور مٹ گیا تھا آج وہ ذلیل قیدیوں اور ادنیٰ ترین غلاموں کے زمرہ میں شامل تھے یہ نہایت عبرتناک منظر تھا وہ لوگ اس سے عبرت حاصل کر رہے تھے۔

ان قیدیوں میں زیادہ تعداد ان قیدیوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو درہ ابو طالب میں تین سال تک قید رکھ کر انواع و اقسام کی سزائیں اور اذیتیں دی تھیں

ہجرت کے وقت مہاجرین کا مال و اسباب لوٹ لیا تھا بیوی اور بچے چھین لئے تھے۔
چاہیے یہ تھا کہ مسلمان جوش و انتقام میں ان سب کو قتل کر ڈالتے مگر اسلام نے عربوں کی فطرت ہی بدل دی تھی وہ ذاتی عناد کو فراموش کر چکے تھے اب ان کی دشمنی صرف اللہ کے واسطے رہ گئی تھی۔

آں حضورؐ نے قیدیوں کے محافظوں کو ان کے آرام کا خیال رکھنے کی ہدایت کی تھی تمام مسلمان قیدیوں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے یہاں تک کہ خود ستو پیتے کھجوریں کھاتے اور روٹیاں پکا پکا کر قیدیوں کو کھلاتے۔

ابو عزیز جو حضرت مصعبؓ کے بھائی تھے بیان کرتے ہیں کہ خود ان کے محافظ کھجوریں کھاتے تھے اور انہیں روٹیاں پکا پکا کر دیتے تھے چند مرتبہ انہوں نے روٹیاں اپنے کسی محافظ کو دیں۔ اس نے دوسرے کو دیں۔ دوسرے نے تیسرے کو دیدیں تیسرے نے چوتھے کے سپرد کر دیں اور چوتھے نے پھر ابو عزیز ہی کو دیدیں قیدی مسلمانوں کا یہ ایثار دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں پہونچ کر قیام کیا کفار مدینہ مسلمانوں کی فتح سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ انہوں نے مسلمانوں کو چھیڑنا اور آوازے کسنا پھبتیاں اڑانا بند کر دیا۔ نیز اکثر لوگ برضا و رغبت خود مسلمان بھی ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی جو مسلمانوں اور حضرت محمدؐ کو اپنا دشمن سمجھتا تھا جو مدینہ کا متفقہ طور پر حکمران بنایا جانیوالا تھا جس کے لئے تاج زریں تیار کرالیا گیا تھا جبکی شاہی مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے معرض التواء میں پڑ گئی تھی جو مسلمانوں کی ترقی کو حسد اور خوف کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مسلمانوں کے پاس آکر مع تین سو آدمیوں کے مسلمان ہو گیا وہ ایک ایسا شخص تھا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ رکے ہوئے تھے اس کے مسلمان ہوتے ہی سیکڑوں آدمی اور بھی مسلمان ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد آں حضورؐ نے مسجد نبوی میں مجلس شوریٰ منعقد کی تمام مسلمان جمع ہوئے قیدی بھی بلائے گئے سب لوگوں کے آنے پر حضورؐ نے فرمایا

"مسلمانو! حمد و تعریف کے قابل وہی ذات پاک ہے جو کائنات عالم کا خالق ہے بڑی قدرت والا ہے۔ عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے فتح و شکست اسی کے اختیار میں ہے تم نے دیکھا اور اچھی طرح سے دیکھا کہ تم کفار کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے تہائی تھے

اور سامان حرب کے لحاظ سے کچھ بھی نہ تھے۔ مگر خدا نے تم کو فتح دی۔ مال غنیمت تمہارے ہاتھ لگا۔ قیدی تمہارے ہاتھ آئے۔ میں نے اس وقت اس لئے تم کو بلایا ہے کہ تم سب غور کر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔

قیدی ایک طرف مغموم و متفکر سر جھکائے بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ عربوں کا آئین یہ ہے کہ تمام جنگی قیدیوں کو بے دریغ قتل کر ڈالا جائے انھیں یقین تھا کہ وہ بھی قتل کئے جائیں گے۔ قتل کے خوف نے انہیں لرزہ براندام کر رکھا تھا۔

حضرت حمزہؓ نے فرمایا۔ جنگی قیدی غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں غلاموں کی طرح یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اس سے مشرکوں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ جائیگا اور آئندہ مسلمانوں سے برسرپیکار ہونے میں احتیاط رکھیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا میری رائے میں تو ان قیدیوں میں جو قیدی جس مسلمان کا عزیز قریب ہے وہی اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالے تاکہ مشرکوں اور کافروں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ قرابت و عزیزداری کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں تمام رشتے ہیچ ہیں۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ عربوں کا جنگی قانون تو یہی ہے کہ تمام قیدی قتل کر دئے جائیں مگر عفو و کرم بھی کوئی چیز ہے ان قیدیوں کو رہا کر کے ہمیں لطف و مہربانی کی ایک نظیر قائم کرنی چاہیئے اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کی محبت قائم ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ قیدی وہ ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر اس قدر مظالم کئے ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ ایسے شقی القلب اور ظالموں کو رہا کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے انہیں قتل کر ڈالنا ہی اچھا ہے۔

حضرت مصعبؓ نے کہا۔ غور کیجئے اور سوچئے کہ اگر خدانخواستہ مسلمان ان کفار کے ہاتھوں میں قید ہو جاتے تو کیا وہ بغیر قتل کئے چھوڑ آتے بخدا ایک ایک کو قتل کر ڈالتے لہذا ہمیں بھی انہیں قتل کر ڈالنا چاہیئے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ یہ تو امر واقعہ ہے کہ جو مسلمان کسی کافر کے ہاتھ میں قید ہو جاتا۔ وہ فوراً اسے قتل کر ڈالتا۔ لیکن وہ یعنی کافر و مشرک ظالم ہیں بے رحم ہیں جلاد ہیں ہمیں ان جیسا نہ بننا چاہیئے مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ وہ عفو و کرم کریں ورنہ پھر ان میں اور ہم میں فرق ہی کیا رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے کہا یا نبی اکیا تم بھول گئے کہ تم پر اور تمام مسلمانوں پر ان قیدیوں نے کس قدر سختیاں کی ہیں۔ کسقدر مظالم کئے ہیں تم اپنی رحم دلی سے عفو و کرم کی تلقین کر رہے ہو...... مناسب یہی ہے کہ ان سب کو قتل کر ڈالا جائے۔

حضرت صدیق نے کہا۔ میری رائے قتل کرنے کی نہیں ہے میرے خیال میں تو یہی مناسب ہے کہ ان قیدیوں سے حسب استطاعت زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس زر فدیہ سے مسلمان اپنی حالت درست کر لیں گے۔

آنحضورؐ خاموش بیٹھے موافق اور مخالف آرا سن رہے تھے جب گفتگو نے طول کھینچا تو حضورؐ نے فرمایا۔

مسلمانو یہ سچ ہے کہ ان مشرک قیدیوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ اور سنگدلانہ مظالم کئے ہیں یہ بھی سچ ہے اگر ہم میں سے کسی کو گرفتار کر لیتے تو بغیر قتل کئے نہ چھوڑتے مگر ہمیں ان کی تقلید نہ کرنا چاہیئے اگر ہم بھی وہی کریں جو انھوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے تو پھر ہم میں ان میں فرق ہی کیا رہا۔ لطف و کرم اور عفو و مہربانی اچھی چیز ہیں اور یہ مسلمانوں ہی کے لئے ہیں۔

ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ جب میدان جنگ میں نکلے تو خونخوار شیر بن کر نکلے۔ مرجائیں مگر جنگ میں جو قدم بڑھے اسے پیچھے نہ ہٹائے لیکن جب فتحیاب ہو جائے تو دشمنوں سے نرمی اور مہربانی کا سلوک کرے میں بھی قیدیوں پر لطف و مہربانی کو پسند کرتا ہوں۔ میری بھی رائے یہی ہے کہ ان قیدیوں سے زر فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے

جب آنحضورؐ نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا تو کسی کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہ رہی سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا آپ نے تمام قیدیوں کی فہرست تیار کرائی اور جو قیدی جس حیثیت کا تھا اس کے لئے ویسا ہی فدیہ زر فدیہ قائم کر دیا مثلاً عباس پر جو آپکے عم محترم تھے چار ہزار درہم۔ ابو عزیز جو حضرت مصعب کے بھائی تھے تین ہزار درہم۔ سائب پر دو ہزار درہم عائد کئے گئے۔ اسی طرح ہر ایک قیدی پر ہزار درہم سے لیکر چار ہزار درہم تک عائد کئے گئے چنانچہ قیدیوں نے اسی فدیہ کو منظور کر کے مکہ قاصد روانہ کیا تاکہ وہ سب کا زر فدیہ لے آئے۔

بہت سے قیدی ایسے بھی تھے جو نادار تھے اور وہ زر فدیہ ادا کرنیکی استطاعت نہ رکھتے تھے انہیں بلا کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا گیا۔ البتہ ان میں سے چند لوگ جو پڑھے لکھے

لکھنا جانتے تھے روک لیے گئے اور ان سے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں۔

چنانچہ انہوں نے مسلم بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا ان تمام معاملات کے طے ہوتے ہی مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اور مسلمان اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

ایک روز ماہ ذی الحجہ ۲ھ کی چوتھی تاریخ کو جب حضورؐ مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے بہت سے صحابی آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ چند مسلمان لپکے ہوئے آئے اور آپکے پاس آ کر بولے۔

یارسول اللہ! کم بخت ابوسفیان جنگ بدر کا انتقام لینے کیلئے حملہ آور ہوا ہے اس کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے۔

حضورؐ نے کہا اچھا تم شہر میں منادی کرا دو کہ دشمنان اللہ مکہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے ہیں از روئے عہد نامہ مسلمان، کفار، یہودی، تمام ان کے مقابلہ کیلئے نکلیں۔

فوراً وہ لوگ واپس لوٹ گئے اور شہر میں منادی کرنے لگے مسلمان جہاں کہیں بھی منادی کی آواز سن کر دوڑ دوڑ کر آنے لگے مگر کافر اور یہودی ایک بھی نہ آئے حالانکہ جو عہد نامہ انہوں نے لکھا اس میں یہ شرط تھی کہ جب کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کریگا تو تینوں اقوام متفقہ طور پر مقابلہ کریں گے۔ دراصل کفار اور یہود در پردہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمان مٹ جائیں۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں سیکڑوں مسلمان مسجد نبوی کے سامنے جمع ہو گئے حضورؐ بھی ان میں آ ملے آپ کفار اور یہود کے آنے کا انتظار کرنے لگے لیکن جب عرصہ گذر گیا اور ان میں سے کوئی نہ آیا تو آپ نے فرمایا

معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور یہود نقض عہد کرنا چاہتے ہیں۔ خیر کچھ پرواہ نہیں وہ اگر بدعہدی کرتے ہیں تو کرنے دو۔ مسلمانو! ابوسفیان کے مقابلہ کے لئے چلو۔

تمام مسلمان نہایت جوش میں بھرے ہوئے تھے حضورؐ کا حکم سنتے ہی روانہ ہوئے مدینہ کی گلیوں کو طے کر کے باہر نکلے۔ کفار اور یہود اپنے مکانات کی چھتوں پر کھڑے ہوئے مسلمانوں کی روانگی کا منظر دیکھنے لگے۔

مسلمان مدینہ سے نکل کر کھجوروں کے باغوں کی طرف چلے ابھی شیران اسلام نے

تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ چند مسلمان باغوں کی طرف سے آتے ہوئے ملے انہوں نے آں حضورؐ کے سامنے آکر کہا۔

یا رسول اللہ! سفاک ابو سفیان نے حضرت سعد بن عمرو انصاری اور ان کے ایک ساتھی کو کھیتوں میں کام کرتے ہوئے قتل کر ڈالا

حضورؐ کو مسلمانوں سے بیحد محبت تھی جب کسی مسلمان کے بیمار رہنے یا اور کوئی تکلیف ہو جانے کی خبر سنتے تو بے چین ہو جاتے۔ اس کی عیادت کو جاتے۔ تیمارداری کرتے جو مسلمان شہید ہو جاتا آپ کو افسوس ہوتا۔

چنانچہ حضرت سعیدؓ اور اس کے ہمراہی کے قتل کی خبر سن کر آپ کو بڑا ملال ہوا آپ نے دریافت کیا۔ سنگدل ابو سفیان اور اس کا لشکر کہاں ہے؟

ایک شخص نے جواب دیا حضورؐ وہ اسلامی لشکر کی آمد کا حال سن کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ حضورؐ نے چند مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حضرت سعیدؓ اور ان کے ہمراہی ساتھی کو دفن کر دیں اور لشکر کو تیزی سے چلنے کا حکم دیا۔

مسلمان جوش و طیش سے بھر کر تیزی سے روانہ ہوئے جب وہ کھجوروں کے باغوں کو طے کر چکے تو انہیں ستو کے تھیلے پڑے ہوئے ملے۔

یہ تھیلے ابو سفیان لشکر کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے پھینکتا چلا گیا تھا راستہ میں دور تک تھیلے پڑے ہوئے تھے۔ مسلمان ان تھیلیوں کو اٹھاتے چلے گئے انہوں نے کدر کے مقام تک کفار کا تعاقب کیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابو سفیان دور نکل گیا ہے اس کا ہاتھ آنا دشوار ہے لہذا حضورؐ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور بغیر کسی خونریزی کے وہ مدینہ میں واپس لوٹ آئے۔

چونکہ مسلمانوں کو اس مہم میں ستو کے تھیلے ہاتھ آئے تھے۔ اور عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لیے یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور رہا نیز تاریخوں میں بھی اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دسواں باب

ایک اور جنگ

عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں سے قتل ہو گیا تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ مکہ میں تھی اس کی شادی ابو سفیان سے ہوئی تھی جب اس نے اپنے باپ کے قتل ہونے کی خبر سنی تو کمال سوگوار اور رنجیدہ خاطر ہوئی اس نے اپنے شوہر کو انتقام پر ابھارا۔ چنانچہ ابوسفیان دو سو سوار کا لشکر لیکر مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے چلا لیکن مسلمانوں کے آنے کی خبر سن کر ستو کے تھیلے پھینکتا ہوا مکہ آیا مسلمانوں نے کدر کے مقام تک تعاقب کیا جب دیکھا کہ وہ دور نکل گیا ہے تو واپس لوٹ کر مدینے میں پہنچ گئے۔

اگرچہ اس واقعہ میں جنگ کی نوبت نہ آئی لیکن مکہ والوں کے بھاگنے اور مسلمانوں کے تعاقب کرنے سے کفار مدینہ اور یہودیوں کو بڑا رنج و حسد ہوا۔

چنانچہ یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ مکے کے لوگ بزدل ہیں وہ مسلمانوں سے ڈر جاتے ہیں اگر کبھی یہودیوں سے لڑنا پڑ گیا تو دنیا دیکھ لیگی کہ یہودی کس قدر بہادر ہیں اور وہ کس طرح مسلمانوں کو زیر کرتے ہیں۔

یہودی سود خوار تھے۔ مالدار تھے۔ تمام مدینے کے عرب ان کے مقروض تھے ہر قلعہ میں ان کا کافی لشکر تھا اس لئے انہیں زعم تھا چونکہ مسلمانوں کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی اس لئے وہ سمجھنے لگے کہ مستقبل میں مسلمان ان کیلئے عظیم خطرے کا باعث ہو جائیں گے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو مٹا دیں اور جو خطرہ ان کے اعزاز و جاہ میں حائل ہونے والا ہے اسے مٹا دیں۔

چونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام کی ترقی آنحضورؐ کے باعث ہو رہی ہے حضورؐ کا اقتدار روز افزوں بڑھتا جاتا ہے اسلئے ان لوگوں نے آنحضورؐ کی قبولیت اور اثر مٹانے کیلئے دشنام طرازی شروع کی جب آپ حضورؐ کے پاس آتے ہتک آمیز بیہودہ کلمات کہتے زبان کو توڑ مروڑ کر ایسے الفاظ جن کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) کے السّام علیکم (تم پر موت ہو) یا راعنا (ہماری رعایت کیجئے) بجائے یا (ہماری بات سنئے)

کے بجائے رَاعِنَا (احمق) سے کہتے۔ وہ صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ خفیہ جلسے کرتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مٹانے کے منصوبے باندھا کرتے۔

آنحضورؐ انہیں سمجھاتے تھے۔ غلط تلقین کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا وہ گستاخانہ سرکشی میں بے باک ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ ان کے اس مجمع خاص میں پہنچے جو مسلمانوں کے خلاف کوششیں کرنے کیلئے منعقد کیا گیا تھا آپؐ نے فرمایا یا بنی اسرائیل مجھے افسوس ہے کہ تم اہل کتاب ہو۔ تمہاری کتابوں میں میرے نبی ہونے کی پیشینگوئی درج ہے اور تم میری نبوت کی تصدیق نہیں کرتے مجھے جھٹلاتے ہو اسلام سے دشمنی تم پر عذاب الٰہی نازل نہ کر دے۔ جو انجام ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کا ہوا، ہے کہیں وہی انجام تمہارا بھی نہ ہو۔

"یہودی آپ کی بات پر ہنس پڑے۔ ایک شخص نے کہا آپ اپنے خدا سے کہیں کہ وہ ہم پر اپنا قہر و غضب نازل کرے۔"

آنحضورؐ نے فرمایا "اس کے قہر و غضب کی جلدی آرزو نہ کرو جب اس کا عذاب نازل ہوگا تو پھر تم کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔"

ایک دوسرے یہودی نے کہا اطمینان رکھو! ہم تمہارے پاس تمہارے خدا کے غضب سے بچنے کیلئے التجا لے کر نہ آئیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا "لیکن بیکار فساد کرنے میں کیا رکھا ہے۔ فضول جنگ لینے میں کیا فائدہ ہے۔ خود بھی آرام و اطمینان سے رہو اور مسلمانوں کو بھی آرام و اطمینان سے رہنے دو۔" ایک بڈھے یہودی نے کہا۔ ہمارا آرام و اطمینان تم نے اور تمہاری قوم نے کھو دیا ہم کیسے دیکھیں کہ تمہاری قوم ترقی کرے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یا تو مدینہ سے نکل جاؤ یا ہماری اطاعت قبول کرو۔

آنحضور صلعم نے کہا "دیکھو تم ہمارے ساتھ معاہدہ کر چکے ہو عہد نامے کی خلاف ورزی نہ کرو۔"

اس بڈھے نے کہا عہد نامہ کوئی چیز نہیں ہم تمہارے اور تمہاری قوم کے خلاف ہیں اور جب تک تم یہاں رہوگے ہماری دشمنی ترقی کرتی رہیگی۔

حضورؐ نے ہر چند انہیں سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے بلکہ نہایت گستاخانہ گفتگو کرتے رہے مجبوراً حضورؐ واپس آ گئے۔

چونکہ حضور نہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں خون کی ندیاں بہیں۔ جنگ و پیکار کی آگ مشتعل ہو امن وامان خاک میں مل جائے اس لئے آپ نے مسلمانوں کو محتاط رہنے اور یہودیوں سے احتراز کرنے کی ہدایت کر دی مگر یہودی گویا جنگ کے بھوکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو چھیڑتے تھے۔ لڑائی پر تلے پھرتے تھے مسلمان آنحضورؐ کے حکم کی وجہ سے درگذر کرتے رہتے تھے۔ ایک روز بنی قینقاع کی بستی میں بازار لگا ہوا تھا دوکانیں سج رہی تھیں خرید فروخت کا بازار گرم تھا مرد عورتیں بچے بازار کی سیر کرتے پھر رہے تھے۔ جس زمانہ کا حال ہم قلم بند کر رہے ہیں پردہ کا حکم نہیں ہوا تھا عورتیں بے نقاب بازاروں اور محلوں میں گھومتی پھرا کرتی تھیں۔

ایک انصار کی نوجوان عورت دودھ بیچنے کے لئے گئی دودھ فروخت کر کے وہ ایک یہودی سنار کی دکان پر کچھ خریدنے کھڑی ہو گئی عورت شکیل تھی یہودی نے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ نوجوان حسینہ ہ ایک چیز پسند کر کے اس کی قیمت دریافت کی یہودی سنار نے کہا اے رشک قمر اگر تم کو یہ چیز پسند ہے تو تمہاری نذر ہے میری طرف سے تحفہ قبول کرو۔

نوجوان حسینہ کو اس کی گفتگو ناگوار گذری۔ اس نے کہا تحفہ عزیزوں یا دوستوں کو دیا جاتا ہے میں نہ تمہاری عزیز ہوں نہ دوست......

سنار نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا...... تم اے رشک ماہ خوبی تم نے میرے جذبات میں ہلچل ڈال دی ہے۔ تمہارے بے نظیر حسن نے میرا صبر و قرار لوٹ لیا ہے۔ تمہارے خدنگ نظر نے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے میں تمہاری نگاہ لطف کا امیدوار ہوں۔ یہ چیز کیا میں اپنا تمام اندوختہ تمہاری نذر کرنے کے لئے تیار ہوں۔

نوجوان حسینہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی یہودی نے لپک کر اس کا آنچل پکڑ کر کہا۔ اے حسن و خوبصورتی کی تصویر! میرا دل چرا کر میرے سینے پر خنجر ابرو سے چرکہ لگا کر کہاں جا رہی ہو؟ نوجوان حسینہ نے کہا دیکھو میرا آنچل چھوڑ دو یہودی نے کہا چھوڑ دوں اگر تم مجھے میرا دل واپس کر دو۔

ایک گرجتی ہوئی آواز آئی بدبخت شخص ہٹ جا!

یہودی نے پلٹ کر دیکھا ایک انصاری طیش و غضب میں بھرے ہوئے کھڑے نظر آئے

انہوں نے کہا۔ عورتوں کو چھیڑنا شرافت سے بعید ہے۔ یہ کمینہ لوگوں کا کام ہے۔
یہودی نے کہا۔ اس خوبصورت عورت نے میری چیزیں چرالی ہیں میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے۔

اس عرصہ میں بہت یہودی جمع ہو گئے۔ انصاری نے کہا بتاؤ اس نے کیا چیز چرائی ہے۔

ایک یہودی نے انصاری پر تلوار سے حملہ کرتے ہوئے کہا: تمہاری یہ جرأت کہ تم ہمارے محلے میں، ہماری بستی میں اور بازار میں آکر ہماری قوم کے افراد کو دھمکاؤ۔ انصاری نے بھی جلدی سے تلوار کھینچ لی لیکن قبل اس کے کہ وہ تلوار بلند کرتے یہودی کی تلوار ان کے سر پر پڑی۔ سر سے خون بہنے لگا۔

جس طرح زخمی شیر غضبناک ہو جاتا ہے اسی طرح سے انصاری بھی مجروح ہو کر مزید غضبناک ہو گئے انہوں نے جلدی سے حملہ کیا اور یہودی واصل جہنم ہو گیا۔
یہودی کے قتل ہوتے ہی یہودیوں میں ہیجان برپا ہو گیا لہٰذا سب نے تلواریں کھینچ کر تنہا انصاری پر حملہ کیا۔ بہت سی تلواریں ایک ساتھ ان کے سر پر پڑیں اور وہ شہید ہو کر گر پڑے۔

نوجوان حسینہ نے بلند آواز سے کہا: مسلمانو! آج تمہاری عزت خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ یہودی دولت و طاقت کے گھمنڈ میں تمہاری عورتوں کی آبرو لینا چاہتے ہیں کیا تم اسے گوارا کر لوگے؟ عورت کی بلند آواز فضائے آسمان میں گونجی جس کے ساتھ ہی چند مسلمان بھی اس جگہ جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک بھائی کو مقتول اور ایک عورت کو یہودیوں کے مجمع میں محصور دیکھا انہیں غصہ آگیا۔ جوش و غضب سے آنکھوں میں خون اتر آیا۔
اگرچہ وہ تھوڑے تھے بہت ہی تھوڑے آٹے میں نمک کی مثال بھی نہ تھے صرف ایک ایک تلوار اور ایک ایک ڈھال ان کے پاس تھی لیکن وہ مسلمان تھے اور ایک مسلمان کو جب جوش و غصہ آجاتا ہے تو اسے قلت و کثرت، مسلح و غیر مسلح کی پروا نہیں رہتی۔
چنانچہ مسلمانوں نے بغیر پس و پیش کے تلوار سونت لیں۔ وہ سب ایک جگہ جمع ہو گئے

دران میں سے ایک شخص نے کہا۔ بدبخت یہودیو! آج تم نے ایک مسلم عورت کو چھیڑ کر یک مسلمان کو شہید کر کے غیرت اسلام کو بیدار کر دیا ہے۔ اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت ی ہے جو غبار، جو کینہ، جو حسد تمہارے دلوں میں بھرا ہوا ہے تم نے اسے نکال لینے کا ارادہ رلیا ہے تم کو زعم ہے کہ تم دولتمند ہو۔ زرہ پوش ہو۔ کثیر التعداد ہو۔ آہن پوش لشکر کھتے ہو۔ اسی لئے تم نے اعلان جنگ کر دیا ہے۔ ہم تمہارے اعلان کو منظور کرتے ہیں ؤ ہمارے سامنے مرد میدان بن کر آؤ۔ بلاؤ ہمارے مقابلہ کے لئے اپنا زرہ پوش شکر بلاؤ۔ آج تم نے جو آگ لگائی ہے وہ ہمارے یا تمہارے مٹنے ہی سے بجھے گی۔

مسلمان زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس تھے سب کے سب جوش و غضب میں بھرے ہوئے تلواریں نکالے کھڑے تھے۔ نوجوان حسینہ کو انہوں نے پس پشت لے لیا تھا۔

یہودی گویا جنگ کیلئے تیار ہی تھے۔ انہوں نے اپنا تمام لشکر بلا لیا یہ لشکر سات سو آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل تھا جسمیں تین صد زرہ پوش یا غرق آہن تھے یہودیوں کے بڑے بڑے سردار، بڑے بڑے ذی حشمت اور ذی عزت لوگ آ آ کر جمع ہو گئے۔ بازار بند کر دیا گیا اور یہودیوں نے نہایت نظام کے ساتھ متفقہ طور پر مسلمانوں پر حملہ کیا۔

یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ پھر نہ وہ زرہ پوش تھے ور نہ پورے طور مسلح۔ مگر ان میں جوش تھا۔ غیرت تھی، وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے نہوں نے ایک چھوٹا سا حلقہ قائم کر لیا۔ اس طرح ان کی پشتیں اندر کی طرف اور رخ یہودیوں کی طرف ہو گئے۔

یہودیوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ برق پاش تلواریں فتاب کی شعاعوں میں جگمگا اٹھیں اور آنکھوں کو خیرہ کرتی جھکیں شور و غل شروع ہوا۔ جنگ ہونے لگی۔

جو مسلمان بازار کے انتہائی سروں پر تھے وہ شور و غل سن کر لپکے جہاں جنگ ہو رہی تھی وہاں آئے اور یہودیوں کی صفوں کو چیر کر مسلمانوں میں جا ملے۔

یہودیوں کو اپنی قوت و طاقت پر گھمنڈ تھا مسلمانوں کو کم اور غیر مسلح دیکھ کر ان کی جرأت ور بڑھ گئی تھی وہ بے باکی اور بے خوفی سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان بھی نہایت جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے وہ جس زرہ پوش پر

حملہ کرنے خود سے نیچے گردن پر تلوار مارے سر کٹ کر دور جا گرتا ہر زرہ پوش کے مرنے پر اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگاتے۔ انھوں نے کئی غرق آہن یہودیوں کو مار ڈالا۔

یہودی جوش و طیش میں آ آکر حملے کرتے تھے ہر حملہ اس یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ کسی نہ کسی مسلمان کو شہید کر دیں گے لیکن ان کا حملہ رد ہو جاتا تو وہ اور بھی غصہ میں بھر جاتے اور غضبناک ہو کر حملہ کرتے۔

مسلمان نہایت استقلال بڑے صبر اور پوری جرأت سے سر جھکائے جدال و قتال میں مصروف تھے اس جنگ کی شہرت عام ہو گئی۔ بنی قینقاع کی بستی سے نکل کر مدینہ میں بھی ہو گئی۔ مسلمانوں کو بڑا اضطراب ہوا۔

آنحضورؐ نے اس خبر کو سن کر کہا۔ افسوس یہودیوں نے ناعاقبت اندیشی کی آج مدینہ کے امن کو غارت کر دیا ان پر وعظ و نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا اب صبر نہیں کیا جا سکتا مسلمانو! اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے چلو!

فوراً ہر طرف سے مسلمان دوڑ پڑے۔ تلواریں لیے، ڈھالیں، غرضیکہ جسے جو ہتھیار ملا لے کر چلا آیا۔ جب ان کا شمار کیا گیا تو تین سو آدمی ہوئے۔ حضورؐ ان سرفروشان اسلام کو لے کر چلے۔ حضرت صدیقؓ نے علم اٹھا لیا۔ پرچم اسلام ہوا میں لہراتا چلا۔

بنی قینقاع کی بستی میں مٹھی بھر مسلمان کثیر التعداد یہودیوں سے برسر پیکار تھے لیکن وہ اس قدر کم تھے کہ اگر یہودی ہمت کر کے ان کے اوپر جا پڑتے تو وہ کچل جاتے مگر خدا نے انہیں وہ جوش و قوت عطا کیا تھا کہ کئی گھنٹے گزر جانے پر بھی ایک برابر لڑ رہے تھے لیکن اب پہلی جیسی پھرتی اور چابک دستی نہ رہی تھی۔ متواتر لڑنے اور دشمنوں کے وار روکنے سے قویٰ مضمحل ہو گئے تھے۔

یہودیوں نے ان کے اضمحلال کو دیکھ لیا تھا وہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمان چراغ سحری ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کو جوش دلا کر حملہ کرنے پر برانگیختہ کر دیا یہودیوں نے بڑھ کر پرزور حملہ کیا۔

مسلمانوں نے مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر وہ اعضا کی شکستگی اور مضمحل ہونے کے باعث اس جوش و قوت سے حملہ نہ روک سکے جیسے ابتک روکتے رہے تھے پھر بھی انہوں نے بڑی جرأت سے مدافعت کی مگر یہودیوں کی تلواروں نے ان میں سے بیشتر لوگوں کو زخمی کر دیا۔

ان کا حصار قائم نہ رہ سکا۔ یہودیوں نے ایک اور پُرجوش حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت نازک تھا ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس یہودیوں میں گھِر گیا تھا ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ ہر شخص اپنے حال میں اسیر تھا۔ مگر اس پر بھی مسلمان بپھرے ہوئے تھے جس طرف جو جو حملہ کرتا تھا دو چار یہودیوں کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔

مسلمانوں کی دلیری۔ جرأت۔ بہادری قابل داد تھی اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کی مردانگی کے مثل شاذ ہی واقعات ملیں گے۔

اب یہودیوں نے یقین کر لیا تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے انہوں نے ہر طرف سے سمٹ کر حملہ کیا ہر مسلمان نے یہی یقین کر لیا تھا کہ موت لابدی ہے شہادت یقینی ہے مگر اس یقین پر بھی وہ آسانی سے مرنے کو تیار نہ تھے ہر شخص ہر حملہ کا بڑی دلیری سے جواب دے رہا تھا۔ مگر اب وہ اس قدر تھک چکے تھے کہ تلوار بھی مشکل سے اٹھتی تھی۔

نوجوان حسینہ بھی رزمگاہ میں موجود تھی وہ جانتی تھی کہ موجودہ جنگ اسی کی بدولت سے ہو رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ مسلمان موت کے کنارے پر پہنچ گئے ہیں وہ مضطرب ہو گئی اس نے خلوص دل سے دعا مانگی "اے رب العزت مسلمانوں کی امداد کر۔ کمزور مسلمانوں کو ظالم یہودیوں کے ہاتھوں سے بچا لے"

"اے خدا اے واحد مطلق۔ اے کارساز عالم غیب سے اسلام کا نام بلند کرنے والوں کی مدد کر۔ تجھے سب قدرت ہے تو مردہ کو زندہ کر سکتا ہے مسلمانوں کی اعانت کر" ابھی اس کے لبوں سے یہ دعائیہ الفاظ نکل ہی رہے تھے کہ اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعرہ کی آواز آئی مسلمان اور یہودیوں نے پلٹ پلٹ کر ابھر ابھر کر دیکھا انہیں مسلمانوں کا لشکر نہایت تیزی سے آتا نظر آیا۔

مسلمانوں کی قوت رفتہ رفتہ عود کر آئی۔ انہوں نے سنبھل کر حملہ کیا یہودی پیچھے ہٹ کر آنے والے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دور تک پھیل گئے یہ آنے والا لشکر حضرتؓ کی زیر قیادت آ رہا تھا۔

ابھی آنے والے اسلامی لشکر نے اللہ اکبر کا پُرشور نعرہ لگایا اور ساتھ ہی ساتھ [illegible] حملہ کر دیا۔ ان کی برق پاش شمشیریں بلند ہوئیں یہودیوں کی ڈھالیں

اٹھی اور جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی۔

مسلمان طیش و غضب میں بھرے ہوئے تھے نہایت جوش اور پورے استقلال سے حملے کر رہے تھے اگرچہ یہودیوں نے ان کے حملے کو روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن وہ مسلمانوں کے ریلے کو نہ روک سکے بہت کچھ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

مسلمان انہیں دباتے مارتے کاٹتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے تو مسلمان پہلے سے لڑ رہے تھے انہوں نے سنبھل کر پر زور حملہ کیا وہ بھی درمیانی یہودیوں کو کاٹتے چھانٹتے آنے والے مسلمانوں سے جا ملے۔

یہودیوں کو ان کے سرداروں اور معزز لوگوں نے جوش و غیرت دلا کر بڑھایا وہ طیش میں آ کر بڑھے۔ جوش سے حملہ آور ہوئے نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی ہر طرف تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر خون برساتی نظر آنے لگیں زخمی چلا رہے تھے۔ متخاصمین قومی نعرے لگا رہے تھے شور و غل اس قدر برپا تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ یوں تو ہر مسلمان شیر ببر بنا ہوا بڑے جوش سے لڑ رہا تھا لیکن حضرت صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ حضرت سعدؓ اور انہیں وضع کے دوسرے لوگ بڑی دلیری بڑے جوش اور بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

وہ جس طرف حملہ کرتے صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے اور جس کے اوپر حملہ کرتے اسے بغیر قتل کئے نہ چھوڑتے تھے۔ ان کی شمشیریں قضائے مبرم بنی ہوئی تھیں وہ جس پر بھی جا پڑتی تھیں اسے وہیں کشتہ کر کے گرا دیتیں۔

یہودیوں کو اپنی شجاعت اور مردانگی پر غرہ تھا اپنے بہادروں کی دلیری پر غرور تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا جہان میں ان سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں۔ اسی لئے انہوں نے جنگ بدر میں مسلمانوں کے فتحیاب ہونے پر کہا تھا کہ مکہ والے بزدل تھے جو شکست کھا کر بھاگ گئے جس روز ہم سے سابقہ پڑے گا اس روز مسلمانوں کو قدر عافیت معلوم ہو جائے گی لیکن ..... آج جب مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو حیران ہو گئے۔

مسلمان گویا لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ ان پر تلواریں بہت کم اثر کرتی تھیں مگر اکابر یہودی بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔

آں حضورؐ علم کے سامنے کھڑے میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ کے منور چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ اس خونریزی کو پسند نہیں فرماتے۔

دراصل یہودی جنگ پر تلے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے الجھنا چاہتے تھے آج ان کی قوم کے ایک شریر فرد نے ایک عصمت مآب مسلم حسینہ کو چھیڑ کر خونریزی اور خون آشامی کی آگ روشن کر کے بدترین مثال قائم کر دی تھی۔

جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی انسانی اعضا کمال بے دردی سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون زمین پر بہہ رہا تھا۔ سر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن یہودی لشکر کا سیلاب انہیں بہا کر پیچھے ہٹاتا لے گیا۔

چند قدم پیچھے ہٹ کر مسلمان سنبھلے انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگا کر حملہ کیا یہ نہایت سخت حملہ ہوا۔ یہودی سورماؤں کے قدم اکھڑ گئے مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا متعدد یہودی قتل ہو ہو کر گرے حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ نے پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔ ان کی تلواروں نے پہلے ہی حملہ میں دس بارہ یہودیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا شور و غل پہلے سے المضاعف ہو گیا۔

تمام مسلمانوں نے نہایت جوش سے ایک حملہ کیا یہودی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے کچھ دور وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے مگر جب مسلمانوں نے انہیں اور دبایا اور ان کے بہت سے آدمی نذر اجل ہو گئے تو پشت دے کر بھاگے۔

نہایت بے ترتیبی سے بھاگے۔ مسلمان ان کے تعاقب میں دوڑے سامنے ہی بنی قینقاع کا قلعہ تھا۔ تمام یہودی سمٹ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے پہرے والوں نے پھاٹک بند کر لیا۔

مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ ہی قلعہ میں داخل ہونے کی جد و جہد کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ یہودی قلعہ میں گھس کر محصور ہو گئے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا مسلمانوں نے اس سختی سے نگرانی کی کہ قلعہ کے اندر چڑیا بھی اڑ کر نہ جا سکی۔ چونکہ یہودیوں کو اس قدر طویل محاصرہ کی توقع نہ تھی اس لئے انہوں نے رسد کا سامان مہیا نہ کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسد ختم ہو گئی اور فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ مجبور ہو کر یہودیوں نے خود ہی قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اور بغیر کسی شرط کے قلعہ

مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

مسلمان فاتحانہ حیثیت سے قلعہ میں داخل ہوئے آں حضورؐ نے حکم صادر کر دیا کہ کوئی یہودی ہتھیار نہ باندھے۔ جو ہتھیار بند یہودی ملے فوراً قتل کر دیا جائے اس لئے تمام یہودی غیر مسلح شرم و خجالت سے سر جھکائے راستوں میں کھڑے ملے آج یہودیوں کے نخوت و غرور کا خاتمہ ہو گیا تھا ان کا مایۂ ناز قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ وہ بہتے کھڑے تھے۔ ڈر رہے تھے۔ اور کانپ رہے تھے موت ان کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے عرب کا یہی آئین ہے انہیں خوف ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ وہ بھی سب کے سب قتل کر دئے جائیں گے موت کی دہشت سے ان کے چہرے زرد اور بھیانک ہو رہے تھے۔

آں حضورؐ نے یہودیوں کی اسیری کا حکم دیا مسلمانوں نے ایک سرے سے تمام یہودیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

کئی گھنٹے گرفتاری میں صرف ہو گئے جب تمام یہودی گرفتار کئے جا چکے تو حضورؐ انہیں اپنے ہمراہ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

گیارہواں باب

دوشیزۂ صحرا

حارثہ اور ان کے ہمراہی سارا دن سوتے رہے شام کو جب آفتاب افق مغرب میں روپوش ہونے والا تھا وہ اٹھے ضروریات سے فراغت کر کے کھانے کا انتظام کرنے لگے ٹڈیاں بھون بھون کر کھانے لگے انھوں نے قیدیوں کو ٹڈیاں کھلائیں

جب سب کے سب کھانا کھا چکے تو حارثہ نے قیدیوں سے دریافت کیا تمہارے وہ ناسپاس ہمراہی کہاں ہیں جنھوں نے ہماری عدم موجودگی میں ہماری قیام گاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

قیدیوں میں سے کسی نے اس بات کا جواب نہ دیا ایسے بڑا ملیش آیا اس نے کڑک

کر کہا۔ نامرد۔ بزدلو! بولو تمہارے اور ساتھی کہاں ہیں؟

ایک تتاری نے کسی قدر جرأت کر کے کہا۔ ہم کو معلوم نہیں ہم اتنے عرصہ سے بچھڑے ہوئے ہیں۔

حارثہ کو اس جواب سے اور غصہ آیا اس نے پُر غضب ہو کر کہا کیا بزدلی ہونے کے ساتھ ہی بنی قحطان کے لوگ جھوٹ بھی بولنے لگے ہیں۔

تمام قیدیوں کے چہرے سرخ ہو گئے ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔

"جھوٹے نہیں ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔ سچ کہہ رہے ہیں عرصہ ہوا جب ہم اتفاقی طور پر ان سے الگ ہو گئے تھے۔

وہ کیا اتفاق تھا؟ حارثہ نے بے اعتباری کی نظروں سے قیدیوں کو دیکھ کر دریافت کیا۔

ایک قیدی نے جواب دیا "ہم سب ایک جگہ قیام پذیر تھے ہمارے خیمے دور تک نصب ہوتے چلے گئے تھے رات کو مہتاب کی روشنی میں ہم چاندنی رات کا لطف اٹھا رہے تھے۔

دفعتاً ہم نے سنا کہ بنی بکر قریب آ گئے ہیں سب بدحواس ہو گئے جلدی جلدی خیمے اکھاڑے اور جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلا ہم اس طرف نکل آئے اور دوسرے لوگ خدا جانے کس طرف جاتے رہے۔

چونکہ قیدی کا لب و لہجہ مظہر حق و صداقت تھا اس لئے حارثہ کا غصہ جاتا رہا اس نے دریافت کیا کیا تم کو جمیلہ کا کچھ حال معلوم ہے۔

" قیدی نے کہا شاید تم اس جمیلہ کا ذکر کر رہے ہو جسے اس کا باپ زندہ دفن کر گیا تھا۔ اور تم اسے نکال لائے تھے۔؟"

حارثہ نے کہا ہاں میں اسی کو دریافت کر رہا ہوں۔

قیدی نے کہا کہ وہ تو ستم روزگار ہو گئی ہے حسن و جمال کی دیوی بن گئی ہے اس کی ہوشربا آنکھوں نے ہزاروں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔

حارثہ نے کہا میں یہ نہیں دریافت کرتا۔ وہ لڑکی خوبصورت ضرور ہے لیکن قیدی نے قطع کلام کرتے ہوئے برا سا منہ بنا کر نہا خوب تعریف کی آپ نے جناب وہ لبصورت ہے ۔۔۔۔ لات و عزیٰ کی قسم چاند کا ٹکڑا ہے۔ نہیں

بدر کامل ہے۔ اس کے منور چہرے سے نور کی شعاعیں نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں رخسار گلابی اور شاداب ہیں۔ گیسو سیاہ اور کمر سے زیادہ دراز ہیں۔ آنکھیں ۔۔۔۔

حارثہ نے قطع کلام کر کے کہا میں تعریف نہیں سننا چاہتا مجھے تو صرف اتنا معلوم کرنا ہے کہ وہ ہے کہاں؟"

قیدی نے کہا یا اخی جس نے اسے ایک مرتبہ دیکھا ہے اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہے اور جب ایک دفعہ تعریف شروع کر دیتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسکے ہر عضو کی مفصل تعریف کرے۔

اس کی سیاہ اور مستانہ آنکھیں رسیلی ہیں جن میں زہر ہلاہل بھرا ہوا ہے وہ بلا ارادہ تیر نظر چلاتی رہتی ہے۔ لب باریک اور قتل کمان ہیں۔ دانت چھوٹے اور نہایت خوبصورت۔ سینہ ۔۔۔۔۔

حارثہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا پھر وہی تعریف! میں سمجھ گیا کہ وہ بہترین حسینہ ہے رشک ماہ پارہ ہے پیکر ناز ہے بہت اچھی ہے لیکن ہے کہاں؟

قیدی متانت بھرے انداز سے کہا اب تم نے کچھ کچھ سمجھا ہے وہ اور تمہاری بیوی سعدہ اور تمہارے سردار سعدی کی بیٹی رقیہ تینوں ہمارے سردار کے پاس ہیں

حارثہ نے دریافت کیا اور تمہارا سردار کہاں ہے؟

قیدی نے کہا اسے ہبل ہی جانتا ہے!

حارثہ۔ تم کو علم نہیں ہے؟

قیدی۔ نہیں۔ ہم اس سے رات کو جس کا ہم نے ذکر کیا بچھڑ گئے تھے ہمیں سال بھر سے زیادہ بچھڑے ہوئے ہو گیا۔ ہم صحرائے ریگزار میں بھٹکتے پھر رہے ہیں نہ معلوم وہ کہاں ہیں؟

حارثہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا اچھا ہم کو انہیں تلاش کرنا چاہیئے لیکن تم کو ہم اپنے ساتھ کیونکر رکھ سکتے ہیں۔

قیدی یہ سن کر ڈر گئے وہ سمجھ گئے کہ حارثہ قتل کر دینا چاہتا ہے لہذا انہوں نے عاجزی بھرے لہجے میں کہا

ہم پر رحم کرو! ہم قسم کھاتے ہیں کہ کبھی تمہارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے اور تمہارے خلاف کوئی سازش نہ کریں گے۔

حارثہ نے کہا۔ آج مجھ سے رحم کی درخواست کرتے ہو مگر جب تمھارے قبیلہ پر ڈاکہ ڈال رہے تھے ہمارے زن و فرزند کو تہ تیغ کر رہے تھے اس وقت تم کو ان پر رحم نہ آیا۔

قیدی نے کہا حضور ہم اس معرکہ میں شریک نہ تھے ہم بیگناہ ہیں۔

حارثہ پھر سوچنے لگا۔ ایک معمر قیدی نے کہا۔ یا اخی کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بات سن لیجئے۔

حارثہ نے۔ دریافت کیا" کیا؟"

قیدی نے کہا یہ سچ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے قبیلے پر تاخت کرنے نہ گیا تھا۔ ہم اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بول رہے ہیں۔ ایک مرتبہ جیدہ و باخنوں نے مسرت شباب جمیلہ کو ستانا چاہا تو ہم نے اس کی حمایت کی تھی اگر جمیلہ ل گئی تو وہ ہمارے قول کی تصدیق کرے گی۔ ہم جمیلہ کے نام پر تم سے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔ حارثہ نے کہا میں تمہاری درخواست کو منظور کرتا ہوں لیکن اگر تم نے کبھی دھوکہ دینے کی کوشش کی تو وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

قیدی نے کہا آپ اطمینان رکھئے ہم کبھی دھوکہ نہ کریں گے اگر ہم دھوکہ دیں گے تو آپ فوراً ہمیں قتل کر ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔

حارثہ نے کہا: اچھا تم ہمارے ساتھ چلو:

فوراً خیمے اکھاڑ کر اونٹوں پر لادے گئے سب لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر چلے۔

چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ریگزار پر چاندنی نے سفید چادر بچھا رکھی تھی۔ ہوا کے خوش گوار جھونکے چل رہے تھے نہایت فرحت بخش منظر تھا اونٹنی اپنی مخصوص رفتار سے جگالی کرتے جا رہے تھے۔

جوں جوں رات ڈوبتی جاتی تھی خنکی بڑھتی جاتی تھی۔ دن بھر تپنے والا ریت سرد ہوتا چلا جا رہا تھا۔

حارثہ اور اس کے ہمراہی اور بنی قحطان کے قیدی کجاوں میں بیٹھے تھے۔ نصف رات تک تو وہ جاگتے رہے آدھی رات کے بعد سب سو گئے اونٹ جس طرف ان کا منھ اٹھا چلتے رہے جب صبح ہوئی تو چاندنی پھیکی پڑ گئی۔

مشرق کی طرف سے سپیدہ صبح نے اٹھ کر عالم کو منور کرنا شروع کر دیا۔ نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے چلنے لگے اس وقت یہ لوگ کسمساتے ہوئے آنکھیں کھول کر اٹھے۔

ادھر ادھر جھانک کر دیکھا۔ سامنے انہیں ایک پہاڑی نظر آئی۔ پہاڑی کے دامن میں آبادی کے نشان دیکھے انہوں نے اونٹ روک لئے۔ اونٹوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

چونکہ عرصہ کے بعد آج انہوں نے آبادی دیکھی اس لئے انہیں بڑی مسرت ہوئی وہ سب کے سب اونٹوں سے کود پڑے۔ ریگزار پر کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے ان کی نظر ریت پر جا پڑی۔ ریت پر بڑے بڑے خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے ان دھبوں کو دیکھ کر یہ لوگ حیران رہ گئے۔

چونکہ یہ سب رات بھر سوتے رہے تھے اس لئے یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ اس وقت کہاں آگئے ہیں۔

ابھی یہ لوگ حالت از خود رفتگی ہی میں کھڑے تھے کہ بکریوں کا گلہ سامنے والی پہاڑی کی گھاٹی سے نکل کر میدان میں پھیلنے لگا۔ جب آخری بکری بھی میدان میں آگئی تو ایک دوشیزہ صحرا نمودار ہوئی۔

یہ لڑکی نوجوان تھی اس کا رنگ گندمی تھا۔ چہرہ سے عفت وعصمت اور معصومیت کا جلال ظاہر تھا۔ اس کے دراز گیسو کی لٹیں سینہ کے دونوں طرف سیاہ سانپوں کی طرح بل کھائے ہوئے پڑی تھیں نازک ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا نیزہ تھا

اس نے گھاٹی سے نکل کر اس قافلہ کو دیکھا اس کے چہرے کی نشان کہہ رہی تھی کہ وہ انہیں دیکھ کر حیران نہیں ہوئی۔ البتہ بکریاں، اونٹوں اور آدمیوں کو دیکھ کر کچھ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

حارثہ اس لڑکی کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس پہنچ کر رکا آہستہ سے اس سے پوچھا۔ پیاری لڑکی! یہ کونسا مقام ہے جہاں اس وقت ہم کھڑے ہیں؟

لڑکی نے شرمیلی نظروں سے حارثہ کو استعجاب بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ آپ اس مقام کو نہیں جانتے؟

حارثہ نے کہا نہیں۔

لڑکی ۔ شاید تم یہاں پہلی ہی مرتبہ آئے ہو؟"

حارثہ ۔ ایسا ہی خیال ہے ۔

لڑکی ۔۔۔ آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟

حارثہ ۔ ہم خود نہیں جانتے کہ ہم کہاں سے آ رہے ہیں!"

لڑکی نے حیرت بھری نظروں سے حارثہ کو دیکھ کر کہا آپ نہیں جانتے ۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے ۔۔

حارثہ نے سنجیدگی کے لہجے میں کہا ۔ پیاری لڑکی ہم مدتوں تک صحرائے لق و دق میں بھٹکتے پھرتے رہے ہیں ۔ پورے پانچ سال کی دشت نوردی کے بعد آج یہ آبادی نظر آئی ہے اس آبادی اور اس مقام کا کیا نام ہے؟

لڑکی نے کہا اس مقام کا نام بدر ہے ۔

حارثہ نے کہا بدر!۔۔۔ اوہ اب میں سمجھ گیا یہاں تو میں چند مرتبہ پہلے بھی آچکا ہوں مگر بدر کی دوشیزہ! یہ ریگزار پر خون کے سے سرخ دھبے کیسے پڑے ہیں ۔

لڑکی نے کہا چند ماہ ہوئے جب یہاں مدینہ کے مسلمانوں ۔ اور مکہ کے بت پرستوں کی جنگ ہوئی تھی ۔

حارثہ! کیا مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی تھی؟

لڑکی ۔ نہیں! یا عم اگرچہ مسلمان تھوڑے تھے اور بت پرست بہت زیادہ تھے تاہم فتح مسلمانوں ہی کی ہوئی ۔ مکہ کے تمام رئیس اور بڑے بڑے سردار جو شریک جنگ تھے مارے گئے ۔

حارثہ ۔ تعجب ہے!"

لڑکی ۔ بڑا تعجب ہے عرب کے گوشہ گوشہ میں اس جنگ نے تہلکہ ڈال دیا ہے

حارثہ ۔ کیا مکہ والوں نے مسلمانوں سے انتقام نہیں لیا ۔

لڑکی ۔ سنا ہے ابو سفیان مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا مگر مسلمانوں کے خوف سے بھاگ گیا

حارثہ ۔ یہ تو بڑی بزدلی ہے ۔

لڑکی ۔ ہاں بہت ایسی بزدلی ہے جو کہ مکہ والوں سے پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی"

حارثہ ۔ اچھا بیٹی تمہارا شکریہ! حارثہ لوٹا ۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور سب سے مخاطب ہو کر کہا!

ہمیں اس جگہ قیام کرنا چاہیئے۔ یہ بدر کا مشہور مقام ہے چونکہ عام طور پر لوگ بدر کے نام سے واقف تھے۔ جانتے تھے کہ یہ مشہور مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان میں واقع ہے اسلئے سبکو اس مقام پر آ جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔

فوراً اونٹ بٹھائے گئے اور اسباب اتارا جانے لگا۔ سب سے پہلے خیمے نصب کئے گئے سامان خیموں میں رکھ دیا گیا۔

اس سب کاموں سے فراغت کر کے لوگ ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے منتشر ہو گئے۔ لڑکی ریت کے اونچے ٹیلے پر بیٹھ کر بکریوں کی نگہبانی کرنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں آفتاب افق مغرب سے جھانکنے لگا اس کی جگمگاتی ہوئی شعاعیں لڑکی کے منور چہرے پر لوٹنے لگیں اس سے اس کا خوبصورت چہرہ چمک اٹھا اس عرصہ میں حارث کے ساتھی ضروریات سے فراغت کر کے کھانا پکانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

بارہواں باب ۱۲

قریش کا عظیم الشان لشکر

جب مقام بدر پر اہل مکہ کے شکست کی خبر پہنچی تو تمام شہر میں اداسی کی گھٹا چھا گئی۔ ہر مرد، ہر عورت، ہر بچہ غمزدہ اور پریشان حال نظر آنے لگا۔

اول اول تو اہل مکہ کو شکست کا یقین ہی نہ آیا۔ سمجھے کہ مسلمانوں نے یہ بے پر کی خبر اڑا دی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہزار آزمودہ کار جنگجو نوجوانوں کو صرف تین سو مسلمان شکست دیدیں۔ پھر ایسی شکست جس میں مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار نذر اجل ہو جائیں۔ لیکن جب بدر کے مفرور بن آئے اور انہوں نے جنگ کی مفصل روئیداد اور شکست کی پوری تفصیل سنائی تو مکہ والوں کے دلوں میں رنج و غصہ کا طوفان امڈ آیا۔

چونکہ مسلمان اس لشکر میں ہر طبقہ، ہر قبیلہ، ہر خاندان کے لوگ شامل تھے اس لئے سب ہی کو رنج و افسوس ہوا۔

عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ مرنے والوں کا ماتم بیس سے چالیس دن تک کیا جاتا۔

عورتیں ایک جگہ جمع ہو کر بین کرتی تھیں۔ سر کے بال کھول کر سوگوار صورت بنا کر سینہ کوبی کیا کرتی تھیں۔

چنانچہ عورتوں نے ایک بڑی مجلس منعقد کرنے کی تیاری کی ابو لہب کو خبر ہوئی تو اس نے منع کر دیا کہ کوئی مجلس عزا منعقد نہ کی جائے اس سے مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو خوشی ہوگی۔

صرف یہی نہیں بلکہ اس نے عورتوں اور مردوں کو رونے اور گریہ وزاری کرنے سے بھی منع کر دیا۔ ابولہب کو اس شکست کا ایسا صدمہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے۔

ہر چند اس کا علاج معالجہ کیا گیا مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" روز بروز اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی آخر ایک ہفتہ تک بیمار رہ کر وہ مر گیا۔

اہل مکہ کے لئے اس کی موت نہایت شاق گذری سب کو کمال رنج ہوا اب صرف ابو سفیان ہی مکہ میں ایسا شخص رہ گیا تھا جو سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا وہ جوش و طیش میں آ کر دو سو آزمودہ کار نوجوان لیکر مدینہ پر چڑھ آیا مگر مسلمانوں کے آنے کی خبر سن کر بھاگ گیا۔ اور بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے تھیلے گرا آیا۔

جب وہ شکست کھا کر مکہ میں داخل ہوا تو تمام مکہ والوں نے اسے حقارت کی نظروں سے دیکھا خود اس کی بیوی ہندہ نے اسے لعنت و ملامت کی۔

ہندہ ابو سفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی تھی اس کا باپ اور بھائی دونوں جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اسے معلوم ہو گیا تھا حضرت حمزہؓ نے اسے قتل کیا ہے۔

وہ حضرت حمزہؓ کا نام سنکر بہت آگ بگولہ ہو جاتی تھی۔ اس نے چند شاعروں سے اپنے باپ اور بھائی کے مرثیے اور نوحے لکھوائے تھے جو رات دن ان مرثیوں اور نوحوں کو پڑھ کر آنسو بہایا کرتی۔

ہرچند ابو سفیان نے اسے سمجھا بجھا کر تسلی دی لیکن اس کے جوش انتقام کی آگ روز بروز بھڑکتی رہی۔ اس نے کپڑے بدلنے۔ عطر لگانا اور سنگار بناؤ وغیرہ کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ ابو جہل۔ نوفل۔ ولید اور دوسرے سرداران مکہ جو بدر میں مارے گئے تھے ان کی بیویاں بھی ہندہ کی طرح سوگوار رہتی تھیں۔

ایک روز جب ابو سفیان گھر کے اندر آیا تو اس نے اپنی بیوی ہندہ کو روتے دیکھا۔ وہ ہندہ کے پاس پہونچا اسے تسلی دی اور بولا میری شریک حیات اس قدر غم کرنے سے کیا فائدہ کیوں کڑھ کڑھ کر اپنی جان ہلاک کئے جاتی ہو۔"

ہندہ نے کہا آہ! کیوں غم نہ کروں، کیوں نہ کڑھوں، کیوں نہ روؤں، میرا پیارا باپ میرا عزیز بھائی دونوں مارے گئے ہیں کوئی بھی ان کا انتقام نہیں لیتا۔ ان کی روحیں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔

ابو سفیان نے دریافت کیا "تم کیا چاہتی ہو؟"

ہندہ نے آنسو بھری نظریں اٹھا کر ابو سفیان کو دیکھتے ہوئے کہا:

"میں چاہتی ہوں کہ میرے بھائی اور باپ کا انتقام لیا جائے۔"

ابو سفیان: انتقام لیا جائیگا۔

ہندہ: "کب؟"

ابو سفیان۔ عنقریب میں عرب کے تمام قبائل کو دعوت شرکت دوں گا۔ شاعروں اور نقیبوں کو اطراف ملک میں بھیجوں گا۔ اور عظیم الشان لشکر تیار کر کے مسلمانوں پر لشکر کشی کر دوں گا۔"

ہندہ: میں چاہتی ہوں کہ اس مرتبہ عورتیں بھی لشکر کے ساتھ چلیں اگر ہم لڑ نہ سکیں گی تو کم از کم مردوں کو جوش اور غیرت دلاتی رہیں گی۔"

ابو سفیان: نہایت مناسب ہے تم عورتوں کو چلنے پر آمادہ کرو۔"

اب ہندہ نے رونا موقوف کر دیا۔ ابو سفیان بھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس نے اسی روز شاعروں اور نقیبوں کو روانہ کر دیا اور مکہ کے لوگوں کو خود جنگ کیلئے برانگیختہ کرنے لگا —— ابو سفیان ملک شام میں تجارت کے لئے گیا تھا بہت سے تاجروں نے مال تجارت اس کے ساتھ کر دیا تھا جب وہ واپس آیا تو پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ منافع میں لایا تھا۔

یہ تمام منافع سوداگروں کو نہ دیا گیا بلکہ جنگ عظیم کی تیاریوں میں صرف کیا جانے لگا کچھ عرصہ کے بعد اطراف ملک کے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی بنو کنانہ اور اہل تہامہ اس جنگ میں شرکت کیلئے آئے تھے قریش مکہ کے تمام حلیف قبائل پورے سازو سامان کے ساتھ ان کی مدد کے لئے آ گئے تھوڑی ہی دیر میں عظیم الشان لشکر

(۱)

فراہم ہوگیا! ادھر ہندہ نے مکہ کی تمام عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو لشکر کے ہمراہ چلنے پر آمادہ کر لیا۔

اس مرتبہ اہل مکہ نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ ہر کہ و مہ میدانِ جنگ میں جانے اور مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

شعراء اور نقیبوں نے قریش اور قریش کے حلیف قبائل میں جوش انتقام کی آگ مشتعل کر دی۔ کفارِ مکہ نے یہ تہیہ کر لیا کہ اس جنگ میں یا تو وہ مٹ جائیں گے یا مسلمانوں کو مٹا دیں گے۔

ایک روز ابو سفیان نے تمام لشکر کا جائزہ لیا۔ تین ہزار آزمودہ کار جنگجو اور زبردست بہادر سرفروشی کے لیے تیار ہو گئے تھے وہ اس قدر لشکر دیکھ کر کمال مسرور ہوا! جب وہ لشکر کا جائزہ لے کر مکان پر پہنچا تو اسے ایک شخص ملا جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ابو سفیان کے غلام نے اس شخص سے تعارف کراتے ہوئے کہا!

یا سیدی! یہ مدینہ منورہ سے ایک شخص آیا ہے آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے"

ابو سفیان نے مدینہ سے آنیوالے شخص سے پوچھا "تم کون ہو اور کس لیے آئے ہو"

نو وارد نے جواب دیا " حضور میں قاصد ہوں مدینہ کے بت پرستوں کا پیغام لیکر حاضر ہوا ہوں۔ ابو سفیان "تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

قاصد: "عبداللہ بن ابی نے!"

ابو سفیان۔" سنا ہے عبداللہ مسلمان ہوگیا ہے"

قاصد۔" وہ مصلحتاً مسلمان ہوگیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مدینہ کے تمام لوگ عبداللہ کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے ان کیلئے ایک زریں تاج بھی تیار کر دیا گیا تھا۔ تجویز یہ ہو رہی تھی کہ ایک بڑا جلسہ کر کے تاج پوشی کی رسم ادا کر دی جائے اس اثناء میں مسلمان پہنچ گئے اور رسم تاج پوشی معرضِ التوا میں پڑ گئی"

ابو سفیان۔ ہاں مجھے یہ تمام واقعات معلوم ہیں!"

قاصد۔" عبداللہ کو مسلمانوں کی آمد سخت ناگوار گذری لیکن مدینہ کے معزز اور دولتمند لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام دن بدن مدینہ میں پھیل رہا تھا اور اس لیے وہ خاموش رہے اور مصلحتاً خود بھی مسلمان ہو گئے . . . .

ابوسفیان: "لیکن تمہاری سفارت کو اس سے کیا تعلق ہے!"

قاصد: "میں نفس مطلب پر آرہا ہوں وہ یہ کہ اپنے ہمراہیوں کے اس لئے مسلمان ہوئے کہ جب موقع پائیں اسلام سے منحرف ہو کر اپنے آبائی مذہب میں لوٹ آئیں اور اعلان کر دیں کہ اسلام میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ مذہب محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ اس طرح اور لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی بددل ہو کر بت پرستوں میں شامل ہو جائیں گے یہ طریقہ مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے کا۔"

ابوسفیان: "لیکن ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟"

قاصد۔ یہ بات اس وقت کی جائیگی جب آپ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے اس سے تمام مسلمانوں میں دل شکستگی اور بددلی چھا جائے گی اور وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ کوشش یہ کیجائے گی کہ مسلمان مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑیں بلکہ مدینہ ہی میں رہیں اور آپ کے لشکر کو رات کے وقت مدینہ میں داخل کر کے مسلمانوں کا قتل عام کرا دیا جائے۔"

ابوسفیان۔ اس تجویز کو سن کر نہایت خوش ہوا اس نے کہا یہ نہایت اچھی تدبیر ہے اس سے یقیناً مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائیگا۔

قاصد نے کہا "یقیناً میں اسی لئے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہوں کہ آپ جلد از جلد لشکر کشی کریں اور مسلمانوں پر فتحیاب ہو کر عبداللہ کی رسم تاج پوشی ادا کریں۔"

ابوسفیان نے کہا: "ایسا ہی ہوگا تم اپنے آقا عبداللہ کو اہل مکہ کی طرف سے اطمینان دلا دو کہ ان کی تکمیل آرزو میں انتہائی کوشش کریں گے آج تم ٹھہرو کل صبح چلے جانا پرسوں ہم عظیم الشان لشکر لے کر روانہ ہو جائیں گے۔"

ابوسفیان چلا گیا۔ قاصد کو ابوسفیان کے غلام نے ایک مکان فرو کش کیا اور دوسرے روز یہ قاصد عازم مدینہ ہو گیا۔

قاصد کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان نے لشکر کے سرداروں کو مطلع کر دیا کہ کل لشکر مدینہ کی جانب روانہ ہو جائیگا۔

لوگ اس اعلان یا اطلاع کو سن کر تیاریوں میں مصروف ہو گئے جب دوسرا دن ہوا تو تمام لشکر مسلح ہو کر مکہ سے باہر نکلا۔ یہ عظیم الشان لشکر دور تک پھیل گیا بنی عبدالدار کا ایک شخص علم لئے ہوئے تھا اور علم کا پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔

یکہ لشکر کوچ پر آمادہ تھا ایک دستہ عورتوں کی فوج کا آیا اس دستہ کی سردار ہندہ
و سفیان کی بیوی تھی وہ اور تمام عورتیں فرق ا بھڑک پوشاک پہنے ہوئے تھیں
ں دستہ کو دیکھ کر تمام لشکر میں جوش و غیرت کی لہر دوڑ گئی۔

ابھی عورتوں کا دستہ آکر کھڑا ہی ہوا تھا کہ بندرہ بیس نوجوان لڑکیاں دف ہاتھوں
لے آئیں اور لشکر کے سامنے کھڑی ہو کر نہایت خوش الحانی سے گانے لگیں۔

وہ کعب بن اشرف[1] کی مشہور نظم گا رہی تھیں۔ اس نظم کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہادر تھے جو بدر
مسلمانوں سے لڑ کر اپنے مذہب پر فدا ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قوم اور اپنے مذہب کی لاج
لی ان کا نام روشن ہو گیا آج مکہ کے بہادر شیر دل ان کا انتقام لینے کیلئے روانہ ہو رہے
ب بہ شیر ہیں شیروں کی اولاد ہیں۔ اس وقت تک واپس نہ لوٹیں گے جبتک ایک مسلمان بھی
رہ ہے آج قریش کی وہ دوشیزہ لڑکیاں جو کبھی کسی لشکر کو رخصت کرنے کے لئے گھروں
ے باہر نہیں نکلیں۔ مکہ کے شیر دلوں کو رخصت کرنے آئی ہیں۔

ے سرفروشو اور جانبازو! جاؤ اور مسلمانوں کو مٹا کر واپس لوٹو۔

اس طرح نظم کو لڑکیوں نے کچھ ایسے لہجے میں گایا کہ ہر شخص سرفروشانہ جذبہ
ے سرشار ہو کر جھومنے لگا۔

جب لڑکیوں نے گانا بند کیا تو عورتیں محملوں میں سوار ہوئیں۔ ابوسفیان نے لشکر
روانہ ہونے کا حکم دیا۔ طبلِ جنگ بجا اور سرفروشوں کا یہ عظیم الشان لشکر مدینہ
ورہ کی طرف روانہ ہوا۔

---

[1] کعب بن اشرف ایک یہودی تھا۔ جب اس نے سنا کہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ
آتش حسد سے جل گیا اس نے کہا اب مدینہ میں رہنے کا لطف نہیں رہا چنانچہ وہ مکہ چلا گیا تھا۔
اں آکر اس نے مقتولین بدر کے مرثیے اور نوحے لکھے جو زبانِ زدِ عوام ہو گئے۔ بچے بچے تو ابل مکہ
اس کی نظموں نے انتقام لینے پر برانگیختہ کیا تھا۔ وہ قادر الکلام شاعر تھا۔ بعد میں اس نے
مسلم عورتوں کا نام عشقیہ اشعار میں استعمال کرنا شروع کر دئے تھے۔ آنحضورؐ کے قتل کی سازشیں
روع کر دی تھیں چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابی نے آنحضورؐ سے اس کے قتل کی اجازت لے کر اس کے گھر
ر جاکر اسے قتل کر ڈالا تھا۔

(صادق صدیقی سردھنوی)

تیرہواں باب ۱۳

لشکرِ اسلام کا کوچ

بنی قینقاع کے یہودیوں کی شکست نے مسلمانوں کو مدینہ اور نواحِ مدینہ میں اور بھی مشہور کر دیا عام یہودیوں کو بنی قینقاع کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتحیابی سے بھی افسوس ہوا اور غصہ بھی آیا مگر وہ خاموش رہے اور انتظار کرنے لگے کہ مسلمان یہودی قبائلیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔

یہودی صدیوں سے نواحِ مدینہ کے علاقہ جات پر قابض تھے چونکہ وہ متمول تھے تمام عربی قبائل ان کے مقروض تھے اس لئے سب ان سے دبتے تھے اس دبنے یا لحاظ کرنے سے یہودیوں کے دماغ میں بہ غرور آمیز خیال پیدا ہو گیا تھا کہ عرب ان کی شجاعت و مردانگی کا لوہا مانے ہوئے ہیں اور وہ ان سے ڈرتے ہیں لیکن آج جب تین سو مسلمانوں کو سات سو یہودیوں پر فتح ہوئی تو ان کا غرور ٹوٹ گیا۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ عربوں کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اگرچہ یہودیوں کے قبائل الگ الگ آباد تھے۔ ان کی بستیاں ان کے قبیلوں کے نام سے موسوم تھیں۔ مگر وقت اور ضرورت پڑنے پر سب کے سب متفق و متحد ہو جاتے تھے۔

آج یا اس موقعہ پر انہوں نے مل کر مقابلہ کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی کہ مسلمان صرف تین سو تھے اور یہودی سات سو!

انہوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ یہودی مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے مگر جب بنی قینقاع کے قلعہ پر مسلمان قبضہ کر چکے، اور اس قلعہ کے تمام یہودی گرفتار کر لئے گئے تو تمام یہودیوں کو فکر ہوئی اور انھوں نے فوراً مجلس شوریٰ منعقد کی اور حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے جمع ہوئے کافی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ عبداللہ بن ابی سے کہا جائے کہ وہ آنحضورؐ سے قیدیوں کی سفارش کر کے ان کی جان بخشی کرائے چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک وفد عبداللہ کے پاس بھیجا گیا۔

عبداللہ بظاہر مسلمان ہو چکا تھا مگر اس کا دل کفر کی طرف مائل تھا۔ وہ دریردہ اسلام

[...]ر مسلمانوں کے خلاف تھا۔ اس نے قریش مکہ کے پاس قاصد بھیج کر انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

یہودیوں کے وفد سے اس نے ملاقات کی اور اظہار ہمدردی کر کے قبائلیوں سفارش کرنے کا وعدہ کر لیا۔

ایک روز علی الصباح وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اس وقت [...]جد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ جاں نثار صحابی آپؐ کے اردگرد بیٹھے تھے بدر کے قیدیوں [...]ھی قاصد کو زر فدیہ لینے کے لئے مکہ بھیجا تھا وہ واپس آیا تھا اور سب کا زر فدیہ ہمراہ [...]یا تھا حضورؐ زر فدیہ لیکر قیدیوں کو رہا فرما رہے تھے۔ زر فدیہ حضرت طلحہؓ اور حضرت [...]دیق شمار کر رہے تھے جب سب کا فدیہ لیکر تمام قیدی چھوڑے جا چکے تو ابوالعاص باقی رہ گئے

ابوالعاص حضورؐ کے داماد تھے۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے انکی شادی [...]ئی تھی۔ وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ بدر کے مقام پر کفار کے ساتھ جنگ کرنے [...]ئے تھے لہذا اوروں کے ساتھ وہ بھی گرفتار کر لئے گئے تھے۔

آنحضورؐ نے قاصد سے دریافت کیا۔ کیا ابوالعاص کا فدیہ نہیں لائے۔

قاصد نے جواب دیا لایا ہوں۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے [...]ے کا ہار اتار دیا ہے۔

یہ کہتے ہی قاصد نے ایک بیش قیمت ہار حضورؐ کے سامنے رکھ دیا۔

حضورؐ ہار دیکھ کر کچھ مغموم سے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس ہار [...]ر دیکھ کر حضورؐ! آزردہ خاطر کیوں ہو گئے؟"

آں حضورؐ نے فرمایا "اس لئے کہ یہ ہار حضرت خدیجہؓ مرحومہ کا ہے زینبؓ [...]ے پاس یہ اس کی یادگار تھی"۔

حضرت صدیقؓ نے کہا حضورؐ اس ہار کو حضرت زینبؓ کے پاس واپس کر دیں [...]والعاص کو بغیر زر فدیہ لئے چھوڑ دیں"۔

آنحضورؐ نے فرمایا اگر تم اس بات کو مناسب سمجھتے ہو تو زینبؓ کو اس کی ماں [...]ی یادگار واپس کر دی جائے۔

عبداللہ بن ابی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے اور لوگوں سے زر فدیہ لیا جائے [...]ر ابوالعاص کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا جائے"۔

حضرت عمرؓ کو عبداللہ پر غصہ آیا۔ آپ نے کڑک کر فرمایا! عبداللہ! کیا تم منافق ہو
کیا تم کو آنحضورؐ کے ملال سے مسرت ہوتی ہے۔

اس روز سے عبداللہ کا نام منافق مشہور ہو گیا۔ ہر شخص عبداللہ کے نام کے ساتھ منافق کا لفظ ملا کر "عبداللہ منافق" کہنے لگا۔ اور اس نام سے اسکی شہرت ہو گئی۔

تاریخوں میں بھی اس کا نام عبداللہ منافق لکھا ہوا ہے۔ ہم بھی آئندہ عبداللہ منافق ہی لکھیں گے۔

عبداللہ نے کہا عمرؓ تمہیں بہت جلد غصہ آ جاتا ہے سوچو تو سہی کیا یہ انصاف ہے کہ اوروں سے تو زرِ فدیہ لیا جائے اور آنحضورؐ کے داماد کو بغیر فدیہ لئے رہا کر دیا جائے۔

دراصل عبداللہ منافق کا منشاء یہ تھا کہ کسی طرح مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دے وہ عقلمند اور چالاک شخص تھا۔ خوب سمجھتا تھا کہ جب تک مسلمانوں میں اتفاق ہے کوئی قوت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس نے ایسا لب و لہجہ اختیار کیا جس سے ان مسلمانوں کے دلوں میں جن کے عزیزوں کی طرف سے زرِ فدیہ ادا ہوا تھا۔ یہ خیال جاگزیں ہو جائے کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے انصاف پسندی سے کام نہیں اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

لیکن کوئی مسلمان بھی اس کا ہمنوا نہ ہوا بلکہ سب نے ہی اسے برا کہنا اور ڈانٹنا شروع کیا چنانچہ حضرت مصعبؓ نے جن کے حقیقی بھائی ابو عزیز کا فدیہ ادا ہوا تھا۔ کہا۔
"ہم سب مسلمان حضورؐ کی خوشنودی چاہتے ہیں اگر حضورؐ ابو العاص کو بغیر فدیہ کے رہا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ بلکہ اگر حضورؐ تمام زرِ فدیہ بھی ابو العاص کو دے کر رخصت کر دیں تو ہم اور بھی خوش ہوں گے۔ عبداللہ تم منافقانہ باتیں نہ کرو اس سے عصبیت کی بو آتی ہے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ عبداللہ! تم کیا یہ سمجھے ہو کہ ہم عرب مسلمان ہو کر بھی اب تک جہالت پر قائم ہیں۔ ہرگز نہیں ہم مسلمان ہو کر جہالت کو چھوڑ چکے ہیں۔ آنحضورؐ کو خدا کا سچا رسول مانتے ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کو بمنزلہ حکم کے سمجھتے ہیں لہٰذا حضورؐ کو تمام کا حق حاصل ہے کہ جس کے ساتھ جو رعایت چاہیں کریں۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا۔ عبداللہ تم نے اپنی جہالت سے منافقانہ گفتگو کر کے تمام مسلمانوں کے قلوب کو ٹھیس لگائی ہے ہم حضورؐ کے فدائی ہیں۔ ہمارا کام حضورؐ کے ہر حکم کی اطاعت

تا ہے۔ اگر حضورؐ تمام قیدی قتل کرڈالتے اور ابوالعاص کو چھوڑ دیتے۔ ہمیں اس
قت بھی کچھ کہنے کا حق نہ تھا۔ تم کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔

حضرت سعد بن معاذ نے کہا۔ مسلمانو! میں عبداللہ کو خوب جانتا ہوں اسکے
میں ہنوز کفر موجود ہے۔ یہ ابتک اپنی شاہی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کا منشا
سلمانوں میں نفاق ڈال کر اپنا مطلب حاصل کرنا ہے۔

اگر یہ مسلمان نہ ہوتا۔ تو سب سے پہلے میری تلوار اس کی گردن پہ پڑتی! عبداللہ
فق سمجھتا تھا۔ کہ اس کی گفتگو سے مسلمان برانگیختہ ہو کر اس کی ہمنوائی کریں گے
ن جب اس نے دیکھا کہ ہر شخص اسے برا کہنے لگا تو اس نے کہا۔

مسلمانو! مجھے خیال نہ تھا۔ کہ تم کو میری بات ناگوار گزرے گی۔ میں نے مسلمانوں
پھوٹ ڈالنے کے لیئے یہ بات نہ کہی تھی۔ بلکہ اس سے میرا منشا یہی تھا۔ کہ اگر رعایت
ے تو سب کے ساتھ۔ کسی ایک کے ساتھ رعایت کرنا قرین انصاف نہیں۔ مگر جب
مناسب سمجھتے ہو تو میں بھی جائز قرار دیتا ہوں۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ عبداللہ واقعی تم پورے منافق ہو۔ اب بھی تم ایسی ہی
کر رہے ہو۔ جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے۔ اگر تم آئندہ محتاط نہ رہو گے
تمہارا سر اڑا دیا جائے گا۔

عبداللہ خاموش ہو گیا۔ آنحضورؐ نے ابوالعاص کو ہار دیکر کہا۔ ابوالعاص یہ
زینب کو دیکر کہدینا کہ تمام مسلمانوں نے اس کی والدہ کی یادگار اسے واپس کردی ہے
چونکہ ابوالعاص جنگ بدر کے آخری قیدی ہیں۔ جب وہ بھی چھوڑ دیئے گئے تو عبداللہ
ق نے کہا۔ آج یہودیوں کے متعلق بھی فیصلہ کردینا چاہیئے۔ بیکار قیدیوں کا
اٹھانے سے کیا حاصل۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ بیشک یہودیوں کے متعلق بھی اگر حضورؐ فیصلہ کرنا مناسب
ہیں تو کردیں۔

آنحضورؐ نے کہا مشورہ دو کہ یہودیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ یہودیوں نے باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنے کے معاہدہ کی
ف ورزی کرکے مسلمانوں کو شہید کردیا ہے۔ وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ چونکہ یہودیوں نے بلاوجہ جنگ مول لی ہے۔ بلاوجہ مسلمانوں پر

پرورش کی۔ اس لئے وہ سب کے سب قتل کر ڈالے جائیں۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا۔ یہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں انکا قتل کر ڈالنا ہی مناسب ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ مجھے بھی افسوس ہے۔ کہ یہودیوں نے نہایت ناعاقبت اندیشی کی لیکن قتل ....

عبداللہ منافق نے کہا۔ حضورؐ منبع جود و سخا ہیں۔ بحر لطف و کرم ہیں۔ اگر حضور یہودیوں کو بغیر زر فدیہ کے چھوڑ دیں گے۔ تو حضورؐ کے رحم و کرم کی شہرت ہو جائیگی۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ مسلمانوں کو ستانے والے بلاوجہ لڑنے والے اگر بغیر فدیہ کے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ تو ان لوگوں کی جرات بڑھ جائیگی۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ نڈر اور بیباک ہو جائینگے۔ اور مسلمانوں کو ستانے لگ جائیں گے۔ اس لئے میری رائے میں تو ان کو قتل کر ڈالنا ہی مناسب ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ حضورؐ قتل کر ڈالنا تو آسان ہے۔ مگر ایک رسول کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ کہ وہ تمام قیدیوں کو بیدردی سے قتل کر ڈالے۔

آنحضورؐ نے کہا۔ عبداللہ کیا تم یہودیوں کو بلا فدیہ لئے آزاد کرانا چاہتے ہو؟

عبداللہ نے کہا۔ ہاں میرا یہی منشاء ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا تمام قیدی رہا کئے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں جلا وطنی کی سزا دی جاتی ہے۔ عبادہؓ! تم تمام قیدیوں کو اپنی حراست میں لیکر مدینہ سے باہر نکال لاؤ۔ قیدیوں سے یہ اقرار کرا لو کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔

تمام قیدی بلائے گئے۔ انہوں نے حلف اٹھایا کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش نہ کریں گے اور نہ کسی سازش میں شریک ہوں گے۔ اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

حلف لینے کے بعد وہ سب عبادہؓ کی معیت میں جلاوطن کر دیئے گئے۔ چونکہ اب دوپہر ہو گئی تھی۔ اس لئے حضورؐ اٹھ کر اپنے ان حجروں میں تشریف لیگئے جو مسجد کے قریب حضورؐ اور حضورؐ کے اہل و عیال کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔

حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مسلمان اٹھے اور اپنے مکانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ نہایت کروفر، شان و شوکت

بے عظیم الشان لشکر لیکر مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آرہے ہیں۔ حضورؐ اس خبر کو سُن کر کچھ افسردہ خاطر ہوگئے۔ آپ نے فوراً مجلس شوریٰ منعقد کی (دارالعوام کہیے۔ یا کونسل خانہ) جو کچھ بھی مسجد نبوی ہی تھی۔ ہر کمیٹی۔ ہر جلسہ، ہر مجلس مسجد ہی میں ہوتی تھی۔

چنانچہ مجلس شوریٰ بھی مسجد ہی میں منعقد کی گئی۔ جب تمام سربر آوردہ مسلمان آگئے تو حضورؐ نے فرمایا۔

مسلمانو! کفارِ مکہ جنگ بدر کا انتقام لینے کے لئے پوری جمعیت اور پورے جوش سے آرہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ کفارِ مکہ مسلمانوں کو امن و امان سے نہیں رہنے دینے میں جنگ کو سخت سمجھتا ہوں کہ مدینہ میں رہ کر ہی کفار کا مقابلہ کیا جائے لیکن یہ میری انفطاعی رائے نہیں ہے۔ اگر کثرت رائے میری رائے کے خلاف ہو تو میں اسی پر عمل کرونگا۔ سوچ سمجھ کر غور کر کے بتاؤ کہ مناسب کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ اگر حضورؐ کا یہ حکم ہے۔ کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ یا مدافعت کی جائے تو کسی مسلمان کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر مشورہ طلب کیا جائے تو میری رائے میں یہ مناسب ہے کہ ہم مدینہ سے نکل کر کفار سے مقابلہ کریں کیونکہ مدینہ میں مدافعت کرنے سے کفار کے حوصلے بڑھ جائیں گے وہ سمجھیں گے کہ مسلمان ڈر گئے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا میری بھی یہی رائے ہے۔ کہ مدینہ سے نکل کر ہی کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ مسلمانو! کیا تم خدا کے رسول کی رائے کے خلاف کرنا چاہتے ہو۔ ہرگز ایسا نہ کرو۔ حضورؐ کی یہ رائے نہایت انسب ہے کہ ہم کو مدینہ میں ہی رہ کر مقابلہ کی تیاریاں کرنا چاہیے۔

ناظرین بھولے نہ ہونگے کہ عبداللہ کا قاصد کفارِ مکہ کے پاس گیا تھا۔ اور یہ طے کر کے آیا تھا کہ وہ یعنی عبداللہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ مسلمان مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں اور وہ موقع پا کر رات کے وقت کفار کو مدینہ میں داخل کر کے مسلمانوں پر شبخون مارنے میں مدد دیگا۔ اس لیے اس نے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کی رائے دی۔

حضرت طلحہؓ نے کہا۔ میری رائے میں مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنا اس وجہ سے بھی مناسب نہیں ہے کہ ہمیں یہودیوں پر اطمینان نہیں۔ ممکن ہے یہ لوگ کفار قریش سے ساز کر کے

مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔

زبیر بن العوام نے کہا۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے چونکہ کثرت رائے یہی تھی کہ مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے۔ اس لیے حضورؐ نے اعلان کر دیا۔ کہ آج ہی لشکر جمعہ کی نماز پڑھ کر روانہ ہوگا۔ تمام مسلمان اس اعلان کو سن کر خوش ہوئے سب نہایت شوق سے تیاریاں کرنے لگے۔

جمعہ کی نماز کے بعد آنحضورؐ زرہ پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لائے اسوقت بعض لوگوں کو خیال آیا کہ انہوں نے حضورؐ کی رائے سے خلاف کیا ہے کہیں معصیت ہو اور معصیت کا وبال ان پر یا ان کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں پر نہ پڑے اسلیئے انہوں نے عرض کیا کہ حضور ہم سے غلطی ہوگئی ہم نادم ہیں۔ اگر حضور پسند فرمائیں تو ہم مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کریں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ نہ یہ غلطی ہے۔ نہ معصیت۔ نہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنے کا میرا حکم ہے لیکن میں نے رات خواب دیکھا تھا کہ میری تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہوا تھا۔ کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچے مگر کثرت رائے نے جب یہ طے کر دیا۔ کہ مدینہ سے باہر نکل کر ہی مقابلہ کیا جائے تو یہی انسب ہے۔

مسلمان خاموش ہو گئے۔ تمام اسلامی لشکر کوچ پر مستعد ہو گیا۔ اس مرتبہ ایک ہزار جانباز رایت اسلام کے زیر سایہ کھڑے تھے۔ حضورؐ نے لشکر کے کوچ کا حکم دیا لشکر اسلام آہستہ آہستہ بڑھا۔ جب لشکر قبا سے آگے بڑھا تو عبداللہ منافق نے باآواز بلند اپنے ہمراہیوں سے خطاب کر کے کہا۔

میرے جانباز و! مسلمان نشۂ شجاعت میں اس قدر چور ہیں کہ وہ اپنے نیک و بد کو بھی نہیں سوچ سکتے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کریں مگر انہوں نے میری رائے نہ مانی۔ اور مدینہ سے باہر نکل آئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے انکے مقابلہ میں جانا اپنی زندگیوں کو قربان کرنا ہے میں کسی طرح بھی یہ مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے میں واپس لوٹتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ واپس لوٹ چلو۔

وہ اور اس کے تین سو ہمراہی لشکر اسلام سے علیحدہ ہو کر واپس لوٹ گئے عبداللہ منافق کا یہ خیال تھا۔ کہ اسکے واپس لوٹنے سے مسلمان بھی دل شکستہ ہو کر واپس لوٹ

آویں گے یا سب مسلمان نہ لوٹیں گے تو سو پچاس ضرور اس کا ساتھ دیں گے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ ایک مسلمان بھی اُن کے ساتھ واپس نہ آیا۔

اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے۔ یہ مختصر لشکر نہایت جوش اور بڑی شان سے مکہ کے راستہ پر روانہ ہوا۔

چودھواں باب (۱۴)

جنگ اُحُد

لشکر اسلام نہایت شان و دبدبہ سے بڑے جوش و خروش سے کوچ کر رہا تھا اس لشکر میں صرف سات سو سرفروش مجاہد تھے۔ ان سات سو میں سے بھی پچاس ساٹھ پندرہ پندرہ۔ سولہ سولہ سال کے بچے تھے۔ جو جوش شجاعت اور شوق شہادت وجہاد میں گھروں سے نکل کر آئے تھے۔

تمام لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ اسی یا نوے اونٹ تھے۔ چونکہ یہ لشکر جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ سے روانہ ہوا تھا۔ اس لئے قبا سے آگے بڑھ کر عصر کا وقت آگیا۔ حضورؐ نے لشکر اسلام کو روک کر نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کر کے پھر روانہ ہوئے ابھی مجاہدین اسلام نے چار ہی میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے کفار کا لشکر دور تک خیمہ زن نظر آیا۔ خیموں کی قطاریں افق تک پھیلی ہوئی تھیں آفتاب کی ہر شعاعیں خیموں پر لوٹ رہی تھی۔

یہ مقام جہاں کفار مکہ خیمہ زن تھے۔ وادیٔ اُحُد، کے نام سے مشہور تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی تھی جس کا نام اُحُد تھا۔ لشکر اسلام اُحد سے کچھ آگے بڑھ کر پہاڑی کے دامن میں جا اترا۔

کفار مکہ نے دور سے مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل دونوں ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر اسلامی لشکر کی آمد کا نظارہ دیکھنے لگے مجاہدین اسلام کی تعداد تھوڑی تھی۔ کفار مکہ تھوڑے مسلمانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا ہبل کی قسم ہمارے سامنے قتل ہونے کیلئے آئے ہیں وہ ہم سے چوتھائی بھی نہیں ہیں۔ مجھے تو ان کا لشکر بے حقیقت معلوم ہونے لگا ہے۔

عکرمہ نے کہا۔ یا تم ! مسلمان اور انکے لشکر کو حقیر خیال نہ کریں میں انہیں سمجھتا کہ لڑائی کے وقت ان میں کس بلا کی طاقت آجاتی ہے۔ ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس دشمنوں سے لڑتا ہے۔ آپ بدر کے مقام پر موجود نہ تھے۔ میں ان کی حیرتناک جنگ کا تماشہ دیکھ چکا ہوں۔

ابو سفیان نے کہا۔ عکرمہ مسلمان بھی تو ہماری طرح انسان ہیں۔ ہماری قوم سے ہیں۔ ہم سے زیادہ بہادر نہیں ہو سکتے تم دیکھو گے کہ کس طرح آسانی سے انہیں قتل کیا جائے گا۔ آؤ اب آفتاب ڈوبنے لگا ہے خیموں میں چل کر آرام کریں دونوں ٹیلہ سے اتر کر خیموں کی طرف چلے گئے۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ مسلمان مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے وضو کر رہے تھے۔

جب سورج بالکل چھپ گیا۔ تو مسلمانوں نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ حضور کھلے ہوئے میدان میں ایک کمبل پر بیٹھے تھے۔ آپ کے چاروں طرف آگ روشن تھی مسلمان کھانا پکا رہے تھے۔ افق مشرق سے چاند جھانکنے لگا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ چاند کے عکس نے میدان میں کافی روشنی کر دی تھی۔

اس وقت ایک عرب خاتون نے قریب آکر آنحضور کو سلام کیا آپنے خاتون کی طرف غور سے دیکھکر استعجاب بھرے لہجہ میں کہا ام عمارہؓ تم کہاں۔

ام عمارہؓ کا اصلی نام کعب تھا۔ وہ جوان العمر تھیں۔ انہوں نے کہا حضور میں آپ کو میدان میں آتے دیکھ کر نہ رہ سکی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے لگی چلی آئی۔ کیا حضور میرا یہ قصور معاف فرما دیں گے؟

حضور نے فرمایا۔ ام عمارہؓ تمکو تنہا نہ آنا چاہیئے تھا۔ ایسا ہی تھا تو دو چار اور عورتوں کو لے آتیں۔ ایک وقت آئے گا جبکہ مسلمانوں کی عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں نکل کر لڑیں گی۔

جہاد کا ثواب عورتوں، مردوں۔ اور بچوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ جہاد سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں ہے۔ جب کوئی مجاہد فی سبیل اللہ جہاد کیلئے گھر سے نکلتا ہے تو پروردگار عالم اسکے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مجاہد شہید ہو جاتا ہے تو جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اچھا تم ٹھہرو۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں میں جا کر ٹھہرو۔ تمہاری یہ

جرأت زہمت قابل صد ستائش ہے۔

ام عمارہ چلی گئیں مسلمانوں نے کھانا کھایا۔ عشار کی نماز پڑھی۔ اور سو گئے صبح بہت سویرے اٹھے۔ حضرت بلال رضی نے نہایت خوش الحانی سے اذان دی مسلمانوں نے ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر مسلح ہوئے۔ اور میدان جنگ میں آکر صف بستہ ہونے لگے۔

حضور نے سب سے پہلے پچاس تیر اندازوں کو منتخب کر کے حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری ان پر افسر مقرر کیا۔ اور انھیں اُحد کی گھاٹی پر متعین فرماتے ہوئے حکم دیا کہ جبتک تمکو کوئی دوسرا حکم نہ دیا جائے اس گھاٹی کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

بات یہ تھی۔ کہ احد کی اس گھاٹی سے اندیشہ تھا کہ دشمن عقب سے آکر حملہ نہ کر دے حضور نے میدان جنگ کے اس نازک مقام کو تاڑ لیا تھا۔ اور سب سے پہلے اس کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ اب حضور نے صفوف جنگ آراستہ کیں میمنہ پر حضرت زبیر بن العوام اور میسرہ پر حضرت منذر بن عمرو رض کو مامور فرمایا۔ حضرت حمزہ رض کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیر کو علم دیا۔ حضرت ابو دجانہ کو اپنی خاص تلوار عطا فرمائی۔

حضرت ابو دجانہ حضور کی تلوار لیکر بڑے خوش ہوئے۔ وہ مسرت و انبساط میں غرق ہو کر اکڑ کر چلنے لگے۔

حضور نے ابو دجانہ کو دیکھکر فرمایا۔ فخر و غرور سے اکڑ کر چلنا خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن کفار کے مقابلہ میں جنگ کے اندر اس طرح چلنا جائز ہے۔

جبکہ مسلمان صفیں مرتب کر رہے تھے۔ کفار بھی صفوف جنگ کی ترتیب میں مصروف تھے۔ ابو سفیان نے خالد بن ولید کو سو سواروں کا ایک دستہ دیکر میمنہ پر اور عکرمہ بن ابوجہل کو سو سواروں پر افسر مقرر کر کے میسرہ پر مقرر کیا یہ دونوں ابھی تک مسلمان ہوئے تھے۔ طلحہ کو جو قبیلہ عبد الدار سے تھا علم دیا۔

جبکہ اس طرح مردوں کی صفیں مرتب کی جارہی تھیں۔ ہندہ نے مردوں کے پیچھے عورتوں کی صفیں قائم کیں۔ وہ صفیں مرتب کر کے ایک سیاہ فام حبشی غلام کے پاس گئی اس غلام کا نام وحشی تھا۔ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس وقت آقا اور غلام ایک ہی جگہ کھڑے تھے۔

ہندہ نے وحشی سے کہا۔ وحشی سنا ہے کہ تم حربہ چلانا خوب جانتے ہو

حربہ ایک قسم کا چھوٹا نیزہ ہوتا ہے وحشی حربہ پھینکنے میں بڑا ماہر تھا تمام عرب میں اسکی کی شہرت تھی۔ وحشی نے خادمانہ طریقہ پر سر جھکا کر کہا یا سیدہ مجھے فخر ہے کہ میں حربہ چلانا جانتا ہوں۔

ہندہ نے کہا وحشی سنو! میرے باپ اور بھائی کو حضرت امیر حمزہ رضؓ نے بدر کے مقام قتل کیا ہے۔ انتقام کی آگ میرے سینہ میں جوش زن ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ حمزہ کا کلیجہ کھاؤں گی۔ میری قسم کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔

وحشی نے کہا۔ میں حکم کا بندہ ہوں۔

ہندہ نے اپنی خوبصورت چمکیلی آنکھیں وحشی کے سیاہ فام چہرہ پر گاڑ کر کہا میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے حربہ سے حمزہ رضؓ کو قتل کر ڈالو۔ اگر تم نے انہیں قتل کر دیا۔ تو دیکھو میرے اس زیور کی طرف دیکھو ....

ہندہ سنہرے اور روپہلے زیورات سے لدی ہوئی تھی۔ وحشی نے حریصانہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔ ہندہ نے کہا میں تمہیں یہ تمام اتار کر دیدونگی۔

وحشی کی آنکھوں سے جوش مسرت کا اظہار ہونے لگا۔ اس نے کہا اسقدر یا سیدہ جب تو میں مالدار بن جاؤنگا۔ شاید میں اپنے آقا کو اپنی قیمت دیکر آزاد ہو سکوں۔

جبیر نے کہا۔ وحشی! اگر تم نے حمزہ رضؓ کو مار ڈالا۔ تو میں تم کو آزاد کر دونگا۔

وحشی فرط مسرت سے ناچنے لگا۔ اس نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میری قسمت کا ستارہ عروج پر آنے والا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ موقع پاتے ہی حمزہ رضؓ کو قتل کر دونگا۔

ہندہ نے کہا بس تو تم آزاد ہو جاؤ گے اور میرا سارا زیور تمہاری ملکیت ہوگا۔

ہندہ واپس ہو کر عورتوں کے دستہ میں غائب ہو گئی۔ وحشی جبیر بن مطعم کے ساتھ میں جا ملا۔ اس وقت آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ آفتاب کی ترچھی شعاعیں زرہ بکتروں۔ نیزوں۔ تلواروں۔ اور دوسرے جنگی حربوں پر پڑ کر جگمگا رہی تھی۔ ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ پر خاموش کھڑے تھے۔

کفار قریش کے لشکر میں نوعمر حسین لڑکیاں دف ہاتھوں میں لیکر آئیں وہ صفوں کے سامنے کھڑی ہو کر تھرکنے اور بجانے لگیں۔

یہ تمام لڑکیاں خوبصورت تھیں۔ رنگین لباس پہنے تھیں۔ انکی نازک انگلیاں عجیب

اور پیارے انداز سے دف پر پڑ رہی تھی۔ وہ نہایت پیارے انداز سے دف بجا رہی تھیں۔ دف کی سامعہ نواز آواز سرفروشوں کو مسحور کر رہی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سریلی آواز اور دلفریب لہجہ میں ایک پر جوش نظم گانا شروع کی۔

تمام لڑکیاں خوش گلو تھیں۔ نظم کا مطلب یہ تھا۔

آج احد کی پہاڑیوں کے سامنے مکہ کے شیر آئے ہیں۔ یہ وہ شیر ہیں۔ جنکا نام سن کر دنیا کانپتی ہے جنکی ہیبت سارے جہان پر طاری ہے مکہ کے سرفروش مقتولین بدر کا انتقام لینے کیلئے نہایت جوش سے آئے ہیں اپنی قومی روایات کو برقرار رکھنے کیلئے مذہبی دیوتاؤں پر انسانی قربانی چڑھانے کے لئے اپنے ننگ وناموس کو بچانے کے لئے سر بکف ہو کر آئے ہیں دنیا کی کوئی طاقت ان بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس نظم نے کفار قریش کے جوش کو دو چند کر دیا۔ ہندہ نے ان نوجوان لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں۔ اور لشکر کے عقب میں کھڑی ہو کر نہایت پر جوش لہجہ میں گانے لگیں۔

اب کفار قریش کے لشکر میں طبل جنگ بجا۔ نہایت زور و شور سے مختلف باجے بجانے لگے۔ تھوڑی دیر میں ایک سوار کافروں کے لشکر سے نکل کر اسلامی لشکر کے قریب آیا۔ انصار نے اسے دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ ابو عامر مدینہ کا باشندہ قبیلہ اوس سے تھا۔ اپنی قوم میں بڑا بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ جب مدینہ میں مسلمان آئے۔ اور اسکے قبیلہ کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے آتش رشک و حسد سے جل بھن گیا تھا۔ اس نے مدینہ چھوڑ دیا۔ اور مکہ میں جا کر رہائش اختیار کی۔

اب جبکہ کفار مکہ نے مدینہ پر یورش کی تو وہ اس خیال سے اس لشکر کے ہمراہ آیا تھا کہ اپنے قبیلہ والوں کو سمجھا کر۔ ڈرا کر۔ اسلام سے منحرف کر کے کفار کا قوت بازو بنا دے۔ چنانچہ اس نے میدان میں آ کر کہا۔

اے قبیلہ اوس کے غیرتمند فرزندو! میں آج تمہاری بہبودی کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں دیکھو اس مکہ کے لشکر کو دیکھو! تم سے کس قدر زیادہ ہے مکہ اور نواح مکہ کے تمام ذی عزت اور بہادر لوگ اس لشکر میں شامل ہیں یہ عہد کر کے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا استیصال کئے بغیر واپس نہ لوٹیں گے فتح یقیناً ان کی ہو گی۔ مسلمان شکست کھا کر بھاگیں گے۔ تم مسلمانوں اور مسلمانوں کے رسول کا ساتھ چھوڑ کر مکہ کے لشکر میں آ جاؤ۔

مدینہ کی حکومت تمہارے سپرد کر دی جائیگی۔

سعد بن معاذ نے فرمایا۔ اے قبیلہ اوس کے بزدل بیٹے! تم نہیں جانتے کہ ہم قلت و کثرت کی پرواہ نہیں کرتے۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے دیتا ہے تمہاری قوم تمکو نصیحت کرتی ہے۔ کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ کر اسلام میں پناہ لو! اگر تم نے کافروں کا ساتھ نہ چھوڑا تو تمہارا ذلت آفریں انجام عنقریب ہے۔

ابو عامر نے کہا۔ سعد کیوں اپنی قوم کو تباہ کراتے ہو۔ ضد نہ کرو۔ اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دو۔ اور ہم میں شامل ہو جاؤ۔

اسید بن حضیر نے کہا۔ ابو عامر اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ قبیلہ اوس کے لوگ تمہارے ڈرانے سے توفزدہ ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو تم غلطی پر ہو۔

مسلمانوں کی شان تمہارے خیال سے بالاتر ہے۔ ہم رسول خدا کا ساتھ اپنی زندگی کے آخری سانس تک دیں گے۔ ہاں تم اگر ہم میں شامل ہونا چاہو تو ہم تمہارا خیر مقدم کرنے پر تیار ہیں۔

ابو عامر نے جوش میں آکر کہا۔ بدبختو! تمہارا ہولناک انجام قریب ہے تمہاری ضد تمہیں یقیناً تباہ کر دیگی۔

ایک نوجوان انصاری نے باواز بلند کہا۔ ابو عامر! یاوہ گوئی نہ کرو۔ ورنہ تیر تیرے حلقوم کے پار ہو جائے گا۔

ابو عامر ڈر گیا۔ وہ فوراً واپس لوٹ کر کفار کے لشکر میں جا ملا۔ اب ابو سفیان نے لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میمنہ اور میسرہ کے دستے دور تک پھیلے ہوئے تھے مقدمۃ الجیش آگے تھا۔ قلب تینوں متذکرہ بالا دستوں سے کسی قدر پیچھے تھا۔ ابو سفیان قلب میں گھوڑے پر سوار تھا۔

عورتوں کے دستے قلب کے پیچھے تھے کفار کا لشکر نہایت نظام اور ترتیب کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھا۔ حضور نے بھی لشکر اسلام کو بڑھنے کا اشارہ کیا مجاہدین شیروں کی طرح جوش و خروش سے آگے بڑھے۔

دونوں لشکر اس طرح بڑھ رہے تھے جیسے پانی کا سیلاب دو مختلف سمتوں سے ہموار زمین پر آہستہ آہستہ بڑھ کر ایک خوفناک آواز کے ساتھ ٹکرانے والا ہو۔

بڑھتے بڑھتے دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا۔ جانباز دو غیور دلوں نے تلواریں میانوں سے کھینچیں۔ صاف و شفاف تلواریں دھوپ میں جگمگا اٹھیں اور بجلی کی طرح کوندنی۔

ڈھالوں پر پڑیں۔ مختلف خوفناک آوازوں سے فضا گونج گئی آتش جنگ مشتعل
قضا انسانوں کے سروں پر منڈلانے لگی۔

چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے دونوں نے اس
ت سے حملے کئے۔ کہ پہلے ہی حملے میں صفیں درہم برہم ہو گئیں کفار مسلمانوں میں
مسلمان کفار میں گھس گئے۔

تلوار جلد جلد اٹھ کر سر و تن کا فیصلہ کرنے لگیں۔ ہاتھ۔ سر۔ اور دھڑ کٹ کٹ
نے لگے۔ اور ٹھوکر کھانے لگے۔ خون زمین پر بہنے لگے۔ اگرچہ مسلمان تعداد میں ایک
ائی کے تخمینہ سے کہیں زیادہ تھے۔ جوش اسلام ہی انھیں ٹھوکے دے دے کر سر
تی پر آمادہ کر رہا تھا۔

مسلم مرد۔ جوان۔ بڈھے بچے سب جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کی خون
م تلواریں حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔
ص یہ چاہتا تھا۔ کہ جس قدر جلد جلد ممکن ہو سکے دشمنوں کا صفایا کر دے ہر مسلمان
میں ڈوبا ہوا بڑھ بڑھ کر سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ کفار بھی پورے جوش اور پورے
و ثبات سے حملے کر رہے تھے۔

قومی نعروں کی آواز زخمیوں کی چیخ و پکار سے تمام میدانِ جنگ گونج اٹھا
اس شد و مد سے ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے کو خبر نہ تھی۔ ہر شخص اپنے حال میں
دنیا و مافیہا سے بے خبر لڑائی میں مصروف تھا۔

یوں تو تمام مسلمان بڑے جوش و غضب سے لڑ رہے تھے مگر حضرت عمرؓ۔ حضرت
حضرت زبیرؓ۔ حضرت سعدؓ۔ حضرت ابو دجانہؓ۔ حضرت صدیقؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت
۔ کمال دلیری سے اور بے خوفی سے دشمنوں کی صفوں میں گھسے جنگ کر رہے
انمیں ایک بھی واقف نہ تھا۔ کہ لڑتے ہوئے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ کن سے لڑ رہے ہیں
س قدر آدمی اس پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

ان بزرگوں میں سے ہر شخص بڑی پھرتی اور چابک دستی سے حملہ کر رہا تھا وہ
شخص کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔ جو ان کے سامنے آ جاتا تھا۔ انہوں نے کشتوں کے پشتے
ئے تھے۔ لاشوں پر لاشیں ڈال دی تھیں۔ خون کا دریا بہا دیا تھا۔ انسانی اعتقاد

کو کاٹ کاٹ کر تمام میدان میں بکھر دیا تھا۔ مگر کفار اس قدر زیادہ تھے قتل ہو
بھی ان میں کمی نہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک کے مرنے پر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا
سے لڑائی برابر نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔

کفار قریش بھی بڑی جانبازی۔ پوری دلیری۔ بڑے جوش سے لڑ رہے تھے
غضب میں بھر کر حملے کرتے تھے۔ ہر حملے میں یقین کر لیتے تھے۔ کہ مسلمانوں کو قتل کر کے
دیں گے۔ لیکن جب حملہ کر کے پیچھے ہٹتے تھے۔ تو کبھی نہ کسی مسلمان کی تلوار اس
کر دیتی تھی۔ اور وہ بھی قتل دلیسپائی کی حسرت دل میں لئے موت سے ہمکنار ہو جا
کفار کو مسلمانوں کی دلیری۔ جسارت۔ بیباکی۔ بے خوفی پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا
سخت غضبناک ہو ہو کر حملہ کرنے پر بھی مسلمانوں کی برقبار تلواریں انہیں
ہٹا دیتی تھیں۔

حضرت علیؓ اس جوش سے لڑ رہے تھے۔ کہ کفار کو انکی نوجوانی اور انکے جوش
کر حیرت ہوتی تھی۔ وہ جس پر حملہ کرتے۔ جس کے ادھر جھپٹتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑ
انہوں نے بے شمار کفار کو جام اجل پلا دیا تھا۔ ابو دجانہؓ آنحضورؐ کی شمشیر خاص
بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ وہ ہر ایک حملہ میں ایک دو کفار کو واصل جہنم کر د
تھے۔ اور پھر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ انہوں نے کفار کی تمام صفوں کو ان
تھیں پھاڑ ڈالا تھا۔ وہ دررانہ حملے کرتے دشمنوں کو خاک و خون میں لٹاتے ا
صفوں کے پار ہو گئے۔

ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ قلب کے لشکر کے پیچھے کفار نے عورتوں کے دستے قا
تھے اور پھر عورتیں مسلح کھڑی تھیں۔ اور لوگوں کو جوش و غیرت دلا رہی تھیں جن
اور خوبصورت لڑکیاں جوشیلی نظمیں گا رہی تھیں۔ حضرت ابو دجانہؓ قلب لشکر کو
عورتوں کے دستوں میں جا پہنچے۔

وہ اس قدر جوش و غضب میں سرشار تھے کہ انہوں نے یہ محسوس ہی نہ
کہ وہ عورتوں کے دستوں میں آ گئے ہیں۔ انکی خون آشام تلوار خون کے چھینٹے برس
تھی۔ وہ اب بھی برابر حملے کر رہے تھے۔

عورتیں انہیں حملہ کرتے دیکھ کر ڈریں۔ سہمیں۔ گھبرائیں۔ اور خوفزدہ لگ

یں دیکھ دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ ابو دجانہؓ کو اب بھی خبر نہ ہوئی کہ وہ
نکل آئے ہیں۔ اور کن پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے تلوار اٹھائی اور حملہ کیا
ے انکی تلوار کی زد پر ہندہ آگئی۔ ابوسفیان کی بیوی نے اپنے سر پر تلوار بلند ہوتے
وت انکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اب کانپنے لگی خوف
نکھیں حلقوں کے اندر گھس گئیں۔ اس نے بے اختیارانہ ایک
ز چیخ ماری۔

ابو دجانہؓ چیخ کی آواز سن کر چونکے۔ سنبھلے۔ ہندہ کو دیکھتے ہی تلوار روک
ے بولے ہیں۔ یہ کہاں میں آگیا۔ عورتوں میں کیا میں عورتوں سے لڑ رہا ہوں
دل مرد کہاں بھاگ گئے۔ کہیں میں نے کسی عورت کو قتل تو نہیں کر ڈالا ہوں
لوار عورتوں کے خون سے آلودہ نہیں ہونی چاہیئے۔

انہوں نے اپنے ارد گرد دیکھا انہیں ہر طرف عورتیں سراسیمگی کی سے بھاگتی نظر
سی عورت کی لاش زمین پر پڑی دکھائی نہ دی۔ ہندہ ابھی تک اپنے دونوں
سر پر رکھے خوف و دہشت سے نیم مردہ بنی کھڑی تھی۔ ابو دجانہؓ نے کہا۔ خدا
ہے کہ میں نے کسی عورت کو قتل نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میری بہادری کو دھبہ
تا۔ انہوں نے ہندہ کو پہچان لیا۔ ہندہ نے مخاطب ہو کر کہا۔ عتبہ کی بیٹی جاؤ۔
چھوڑتا ہوں۔

سن کر ہندہ کی جان میں جان آگئی۔ اس نے مشکورانہ نظروں سے ابو دجانہؓ کو دیکھا
میں وہ اس کے پاس سے جا چکے تھے۔ اس نے کہا شریف انسان شکریہ کا ایک
نے بغیر چلا گیا۔ کیا تم مسلمان ایسے ہی شریف ہو۔

اس عرصہ میں ابو دجانہؓ نے کفار پر حملہ کر کے ان سے خونریز جنگ شروع کر دی
ن کی طرف مخاطب ہوا جس نے ان پر حملہ کیا یا کرنا چاہا اسی کو انہوں نے موت
اتار دیا۔

نکہ ابو دجانہؓ مار کاٹ میں مصروف تھے۔ حضرت حمزہؓ بھی کمال دلیری اور
ے لڑ رہے تھے۔ انکی بے پناہ تلوار کافروں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ رہی تھی۔
لہ آور ہوتے تھے وہی قتل ہو کر خاک و خون میں لوٹنے لگتا۔
کے پر جوش اور دلیرانہ حملوں کو دیکھ کر کفار گھبرا گئے۔ جس طرف حملہ کرتے کفار

دب جاتے۔ سامنے سے ہٹ جاتے۔ انہوں نے دو چار دس بیس نہیں پچاس کافروں کو واصل جہنم کر دیا تھا۔ وہ اس قدر جوش و طیش سے مغلوب ہو کر دنیا سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ کہ انہوں نے صفوں کی صفیں الٹ دی تھیں۔ اب وہ مشرکین کے علمبردار کی طرف بڑھے۔

کفار ان کے ارادہ کو سمجھ گئے۔ وہ راستے میں حائل ہو گئے لہذا ہر طرف سمٹ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔

حضرت حمزہؓ نے دو دستی تلوار چلانا شروع کی۔ اور اس پھرتی سے چلائی مشرکین حیران رہ گئے۔ انہیں تلوار نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ بجلی کی طرح ایک چمکدار لکیر نظر آتی تھی۔ انہوں نے چشم زدن میں تمام حملہ آوروں کو مار کاٹ کر بھگا دیا۔ اور علمبردار طرف بڑھنا شروع کیا۔

انہوں نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ مشرکین کے علم کو سرنگوں کئے بغیر نہ چھوڑیں گے ارادہ کی تکمیل کیلئے وہ انتہائی جوش و غضب میں بھر کر حملہ آور ہوئے اگرچہ کفار قدم قدم پر آپ کا مقابلہ کیا مگر جو مقابل آیا مقتول ہو کر فی النار جہنم ہوا جسکو تلوار کی ہوا بھی لگ جاتی۔ وہی لمبا لیٹ گیا۔ مشرکین نے سمجھ لیا تھا۔ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علم پر حملہ کر کے اسکے علم کو سرنگوں کرنا چاہتے ہیں۔

علم کا سرنگوں ہونا شکست کے مترادف تھا۔ اس لئے وہ قدم قدم پر حضرت حمزہ سے الجھنے اور انہیں روکنے لگے۔ لیکن حضرت حمزہؓ رکنے والے نہ تھے۔ وہ رکنے کے نہ بڑھے تھے۔ ایک مسلمان کا قدم بڑھ کر واپس نہیں لوٹتا۔ لہذا وہ بھی ہر رکاوٹ دور کرتے ہر مشرک کو سامنے سے ہٹاتے بڑھتے رہے۔ یہانتک کہ وہ بڑھ کر علمبردار قریب ہی جا پہنچے۔ کفار قریش نے علمبردار کو بچانے کے لئے ان کے گرد حلقہ ڈال انہیں نرغہ میں لے کر چاروں طرف سے تلواروں اور نیزوں کی بارش شروع کر دی۔

حضرت حمزہؓ نے اس جوش سے اور پھرتی سے حملے کئے کہ کفار کے چھکے چھوٹ گئے دو نہیں سات کفار کشتہ ہو کر گرے اور اب انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سختی سے اپنے گرد کھڑے ہونے والے کافروں پر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں دو مشرکین کو ڈالا پھر دوسرا حملہ کیا ایک اور مشرک مارا گیا۔ تیسرے حملہ میں کفار پیچھے ہٹ گئے آپ نے بڑھ کر علمبردار پر حملہ کیا۔ علمبردار بھی لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ لہذا آ علمبردار

نے بھی تلوار ماری۔ اور ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا۔

حضرت حمزہ رضی نے اس کے حملہ کو روک کر نہایت جوش اور پوری قوت سے تلوار ماری تلوار کاری پڑی علمبردار کا سر کٹ کر دور جا گرا مشرکوں کا علم خاک پر گر پڑا۔

اب حضرت حمزہ لوٹے۔ نہایت دلیری اور جوش سے لڑتے ہوئے لوٹے جوش جہاد میں اس قدر سرشار ہو رہے تھے۔ کہ سوائے حملہ کرنے کے حملہ روکنے کی طرف مائل نہ تھے۔ وہ ابھی تھوڑے ہی دور چلے تھے۔ کہ داہنی طرف سے ایک چھوٹا سا نیزہ آ کر داہنے پہلو میں لگا اور بائیں پہلو میں سے پار ہو گیا۔

آپ کا جسم کانپا۔ آنکھیں اوپر چڑھ گئیں آپ شہید ہو کر گرے۔ یہ نیزہ ایک حبشی نے چلایا تھا۔ وہ حضرت حمزہ رضی کو شہید ہو کر گرتے دیکھتے ہی ہندہ کو خوشخبری پہنچانے کے لئے دوڑ گیا۔

مشرکین حضرت حمزہ رضی کی دلیری دیکھ چکے تھے۔ وہ ان سے اس قدر نفرت کرنے لگے تھے کہ انکے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو کر گرے تو چند شریر بزدلوں نے ان کی نعش پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ گھوڑوں نے لاش کو پامال کر کے مثلہ کر دیا۔ اس وقت بھی جنگ ہر محاذ پر نہایت خونریزی اور جوش سے ہو رہی تھی۔ جانباز نہایت سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ شمالی افق سے جنوبی افق تک تلواریں لپکتی اور چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔ کبھی کبھی سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھلنے لگتے تھے۔

زخمی چلا رہے تھے۔ سرفروش توحید بہادر نعرے لگا رہے تھے۔ ہر طرف اس قدر شور و غل بپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

ابو سفیان نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔ وہ جوش و غیرت دلا دلا کر اپنے لشکر کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی نے دور سے اسے دیکھا وہ اس کی طرف لپکے۔

چونکہ حنظلہ رضی اور ابو سفیان کے درمیان میں سینکڑوں مشرکین حائل تھے اسلئے انہوں نے پہلے ہی ان مشرکوں کا صفایا کرنا شروع کیا۔ ان کی شمشیر جوہر دار ایسی خطرناک تھی کہ جس کے سر پر پڑتی۔ دو ٹکڑے کئے بغیر نہ چھوڑتی وہ نہایت پھرتی سے داہنے بائیں سامنے جھک جھک کر کفار مکہ کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

بہت سے ان کے حملوں کو روکتے تھے۔ مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوتی تھی جو کوئی بھی

بڑھ کر انکے سامنے آیا۔ انکی خارا شگاف تلوار نے اسے کاٹ کر ڈالدیا۔ لہذا انہوں نے کثیر التعداد مشرکوں کو کاٹ کاٹ کر ڈالدیا۔

ایک مرتبہ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ اکثر کفار کو قتل کیا۔ صف کی صف کو الٹ کر ابوسفیان کے قریب پہنچ گئے۔

ابوسفیان نے انہیں دیکھا۔ وہ انہیں غیظ و غضب سے بھرا ہوا دیکھکر گھبرا گیا سہم کر پیچھے ہٹا۔ حنظلہ رضؓ نے بڑھ کر وار کیا۔ قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا خاتمہ کر دے کہ پیچھے سے شداد بن اسود اللیثی نے حملہ کر کے اس طرح سے تلوار ماری کہ داہنے شانہ سے داخل ہو کر بائیں شانہ سے پار نکل گئی۔

حضرت حنظلہ کا سر دور جا گرا اور لاش زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ ابوسفیان نے گھوڑا دوڑا کر ان کی لاش کو روند ڈالا۔

حضرت علیؓ ابھی تک بڑی جانکاہی اور سرفروشی سے لڑ رہے تھے وہ دشمنوں کو مارتے کاٹتے اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں مشرکین کا علم سرنگوں پڑا تھا ان کے اسجگہ پہنچتے ہی ایک شخص نے علم اٹھا لیا۔

ابھی وہ علم کو اچھی طرح اٹھانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ حضرت علیؓ کی تلوار اسکے سر پر پڑی۔ اور وہ کشتہ ہو کر گرا اس کے گرتے ہی علم پھر زمین پر آرہا۔

چونکہ اقوام کا طرہ امتیاز علم ہی ہوتا ہے۔ علم ہی کے سایہ میں جانباز سرفروشی کیا کرتے ہیں۔ جان دیدیتے ہیں مگر علم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ علم کا سرنگوں ہونا شکست کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

میدان جنگ میں لڑائی کے وقت جب کوئی علم زمین پر گر جاتا ہے تو اس فریق کا لشکر کا دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ مشرکین مکہ سے ایک اور شخص نے علم اٹھایا۔ اور علمبردار کی حفاظت کے لئے ایک دستہ متعین ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے علم کو ایستادہ دیکھا۔ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا بڑی خونریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت علیؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ شیر خدا غضبناک ہو ہو کر حملے کر رہے تھے ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ مگر جبکہ حضرت علیؓ نے ارادہ کر لیا تھا کہ علمبردار کو قتل کر دیں گے۔ بجنسہ کفار نے بھی ارادہ کر لیا تھا کہ علمبردار کو بچا دیں۔

گے اور حضرت علیؓ کو قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت علیؓ تنہا تھے۔ تنہا مشرکین کے نرغہ میں کمال دلیری اور جوش و پھرتی سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے چشم زدن میں پچاس ساٹھ کافروں کو مار کر علمبردار کو بھی مار ڈالا کفار کا جھنڈا پھر گر پڑا تھا۔ یا گرا دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کفار کو بڑا جوش آیا۔ انہیں سے ایک بہادر شخص نے پھر علم اٹھا لیا۔ پھر اسکے گرد مشرکین حصار قائم کر لیا۔

حضرت علیؓ نے پھر حصار پر حملہ کیا۔ پھر خون آشام جنگ شروع ہو گئی۔ ہاتھ، پیر، سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

حضرت علیؓ نوجوان تھے۔ پر جوش تھے۔ خدا نے لازوال قوت عطا کی تھی۔ لہذا وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ انکے پاس زرہ بکتر نہ تھی۔ وہ ہر وار کو ڈھال پر روکتے تھے۔ اور ہر حملہ کرنے والے پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالتے تھے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے آٹھ علمبرداروں کو قتل کر ڈالا۔

جس کافر نے علم اٹھایا وہی موت سے ہمکنار ہوا مشرکین حضرت علیؓ کا جوش طرز جنگ اور قوت بازو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ کہ حضرت علیؓ واقعی شیر خدا ہیں۔ بجز خدا کے شیر کے اور کسی میں یہ قوت نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس طرح سے لڑے جس طرح سے حضرت علیؓ لڑ رہے تھے۔ انکی بے پناہ تلوار جس کے سر پر پڑتی۔ سینہ تک اتر تی چلی گئی۔

حضرت نضرؓ بن انس۔ حضرت سعدؓ بن الربیع۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت کعبؓ۔ حضرت حنظلہؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت زیادؓ۔ حضرت عمارہ بن زیادؓ نے ملکر نہایت پر جوش حملہ کیا۔

جس صف پر حملہ آور ہوئے اسے پلٹ دیا۔ جس طرف کا رخ کیا کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ وہ شیروں کی طرح بپھر گئے۔ انہوں نے چشم زدن میں سینکڑوں مشرکین کو چیر پھاڑ کر زمین پر ڈال دیا۔ ایسی خونریز جنگ کی کہ دور تک لاشوں پر لاشے ڈالتے چلے گئے۔

ہر مجاہد بہ تمام مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ خون آشام تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے اڑ کر اس طرح گر رہے تھے۔ جیسے خون کی بارش ہو رہی ہو۔ صدائے دار و گیر سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

اب آفتاب نصف النہار پر آ گیا تھا۔ دھوپ ہر چیز کو تپا رہی تھی جانباز سر فروش پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے۔

مسلمانوں نے جوش میں آکر اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ لگا کر نہایت شدت سے حملہ کیا اس حملہ نے مشرکین کے قدم اکھاڑ دیئے۔ وہ پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے ایک اور حملہ کیا اگرچہ کفار نے اس حملہ کو روکنے کیلئے پورا زور اور اپنی تمام طاقت صرف کر دی لیکن شیران اسلام کے حملہ کو نہ روک سکے اور پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے انتہائی قوت سے ایک اور حملہ کیا۔

اب مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بری طرح پسپا ہوئے۔ اپنی بیشمار لاشیں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ مسلمان انکے تعاقب میں دوڑے مشرکین کے سارے لشکر میں بدحواسی اور سراسیمگی چھا گئی ہر شخص بچ کر بھاگنے لگا۔ تمام لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی۔ عورتوں کے دستہ بھی بدحواسی کے ساتھ بھاگنے لگے۔

عورتوں کی جرنیل ہندہ بھی بھاگی۔ وہ نوجوان عورتیں جو دف بجا بجا کر سپاہیوں کو لڑنے کی ترغیب دے رہی تھیں۔ دف پھینک کر بھاگیں۔

اس وقت مشرکین کے لشکر میں بڑی بدحواسی طاری تھی۔ ہر مرد و عورت سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ مسلمان انکے تعاقب میں انکے سروں پر تلواریں مارتے دوڑ رہے تھے۔

مرد چلا رہے تھے۔ عورتیں چیخ رہی تھیں۔ بھاگتے بھاگتے وہ اپنے خیموں سے بھی آگے نکل گئے۔ مسلمانوں نے دور تک لاشیں بچھادیں۔

چونکہ کفار کو پوری پوری ہزیمت ہو گئی تھی۔ انکے سردار انکے جرنیل۔ انکا سالار اعظم ابوسفیان سب بھاگ نکلے تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے ان کے کیمپ پر چھاپہ مارا اور انکے خیموں کو لوٹنا شروع کیا۔

مشرکین بدحواسی سے دور تک بھاگے چلے گئے۔ اتنی دور کہ مسلمانوں کی گرفت سے باہر نکل گئے۔ عورتیں گرتی پڑتی انکے پاس جا پہنچیں۔ اسکے بعد وہ ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔

(۱۵) پندرہواں باب

خیر مقدم خیر مقدم اعدائے

کفار شکست ہزیمت کھا کر نہایت بدحواسی سے بھاگے تھے مسلمانوں نے تعاقب کر کے

انہیں ان خیموں سے دور دھکیل دیا تھا۔ جب کفار کے قدم ہی نہ جمے اور وہ دور تک بھاگتے ہی چلے گئے۔ تو مسلمانوں نے ہزیمت یافتہ کافروں کا خیمہ لوٹنا شروع کر دیا۔ تمام مسلمان ادھر ادھر سمٹ سمٹ کر ان کے کیمپ میں جا پڑے ان کی ہر چیز لوٹنی اور پامال کی جانے لگی۔ مسلمانوں کا وہ محافظ دستہ جو آنحضور ؐ کے حکم سے احد کی گھاٹی میں حضرت عبداللہ کی سرکردگی میں متعین کیا گیا تھا مشرکین کو شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر انکے تعاقب میں چلنے لگا۔

حضرت عبداللہ نے انہیں روک کر کہا۔ مسلمانوں! کیا کرتے ہو۔ حضور ؐ کا حکم ہے کہ تا حکم ثانی اس جگہ ٹھہرے رہو۔ اس جگہ سے حرکت نہ کرو۔ تم اس جگہ کو چھوڑتے ہو یہ نافرمانی میں داخل ہے۔

چند لوگوں نے جواب دیا۔ مشرکین کو شکست ہو گئی ہے۔ انکا جھنڈا میدان جنگ میں عرصہ سے سرنگوں پڑا ہے۔ مسلمان انکا تعاقب کر رہے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین پلٹ پڑیں اور ہماری امداد کی ضرورت پیش آئے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ مگر ہمکو تاکید کی گئی ہے۔ کہ ہم اس جگہ سے حرکت نہ کریں۔ ایک مجاہد نے کہا۔ یہ حکم اور یہ تاکید اوقات جنگ کے لئے تھی۔ مگر اب فتح ہو چکی ہے اسلئے اب ہمارا اس جگہ ٹھہرنا بیکار ہے۔

یہ کہتے ہی تمام مجاہدین چلے اور تعاقب کرنے والے مسلمانوں میں جا ملے صرف پانچ آدمی اس جگہ رہ گئے تمام میدان جنگ میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کفار کے جو لشکر والے ادھر ادھر رہ گئے تھے۔ وہ چن چن کر مارے جا رہے تھے۔ میدان کے گوشہ گوشہ میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کفار کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔ بہت سے مشرکین جان بچانے کے لئے لاشوں کے برابر لیٹ گئے تھے۔

آفتاب پوری آب و تاب سے نکل رہا تھا۔ تیز دھوپ ہر چیز کو گرما رہی تھی۔ عبداللہ بن جبیر ؓ اپنے چار ہمراہیوں کے برابر کی گھاٹی کے کنارے پر میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً انہوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی وہ متحیر ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے آواز گھاٹی سے آ رہی تھی۔ عبداللہ نے اپنے ہمراہیوں سے دریافت کیا کیا تم بھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن رہے ہو۔

ایک مجاہد نے کہا۔ ہاں سن رہے ہیں۔ بہت تیزی سے گھوڑے آ رہے ہیں۔

عبداللہ! یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔

مجاہد! یہ نہیں معلوم۔ شاید کفار مکہ ہوں۔

یہ سب لوگ نہایت غور اور توجہ سے گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے تھوڑی ہی دیر میں گھاٹی کے دوسری طرف سے سواروں کا دستہ آتا نظر آیا۔

عبداللہ نے ان لوگوں کو پہچان لیا یہ کفار قریش کا فوجی دستہ تھا۔ خالد بن ولید کی سرکردگی میں آیا تھا۔ خالد اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

بات یہ ہوئی کہ جب مسلمان مشرکین کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور گھاٹی کے محافظ بھی چلے گئے۔ تو خالد نے دور سے گھاٹی کو خالی دیکھ لیا۔ وہ اس کی اہمیت سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے اپنے سواروں کا دستہ لیا۔ اور ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے پہنچے۔ اور وہاں سے مجاہد اسلام کی نظروں سے بچتے ہوئے گھاٹی میں داخل ہوگئے۔

مشرکین اب مسلمان گھاٹی سے نمودار ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی عبداللہ اور ان کے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا۔

عبداللہ نے فوراً تلوار میان سے کھینچ لی انکے ساتھیوں نے بھی تلواریں کھینچ کھینچ کر بلند کیں۔ اور دشمنوں پر پل پڑے۔ جنگ شروع ہو گئی۔

یہ بڑی جراءت اور دلیری کا کام تھا۔ کہ صرف پانچ آدمی سو دشمنوں سے لڑنے لگے۔ اگر یہ گھاٹی تنگ ہوتی تو یہ پانچوں آدمی اور انکے ہمراہیوں کو اس وقت تک روکے رکھتے تا آنکہ انہیں امداد نہ پہنچ جاتی۔ لیکن گھاٹی کشادہ تھی۔ کئی سوار بیک وقت گزر سکتے تھے۔ اس لئے وہ کافروں کے اس طوفان کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

خالد اور انکے ہمراہیوں نے نہایت جوش سے یورش کی تھی۔ وہ اپنی زد میں عبداللہ اور انکے ساتھیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جانا چاہتے تھے۔ مگر یہ پانچوں سد سکندری کی طرح ڈٹ گئے۔

انہوں نے بڑے استقلال سے ان کے حملے روک کر بڑے جوش سے خود بھی حملہ کر دیا۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ ہاتھ۔ پیر۔ سر۔ دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون پتھروں پر بہنے لگا۔

مجاہدین اسلام نہایت غیظ و غضب سے پینترا بدل بدل کر بڑی چستی سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے دس بارہ مشرکین کو فی النار جہنم کر دیا۔

خالد کو بڑا غصہ آرہا تھا۔ وہ جوش و غضب میں بھرے ہوئے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جوش و غیرت دلاتے ہوئے۔ بڑھایا۔ اُن کا یلغار بڑھا۔

مسلمانوں نے روکنا چاہا۔ لیکن وہ پوری قوت صرف کرنے پر بھی نہ روک سکے پیچھے ہٹے اور پیچھے ہٹتے ہوئے تین مجاہد شہید ہو گئے۔

اب صرف دو اسلامی شیر رہ گئے۔ دونوں نے جوش و غضب سے بھر کر حملہ کیا غضبناک شیروں کی طرح دشمنوں پر جا ٹوٹے۔ اکثر و بیشتر مشرکین کو واصل جہنم کر دیا۔

خالد نے بڑھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے چوتھے مسلمان کو بھی شہید کر دیا۔ اب ان پانچ مجاہدین میں سے تن تنہا عبد اللہ ہی باقی رہ گئے۔

عبد اللہ نے طیش میں آکر حملہ کیا پہلے ہی حملہ میں دو کافروں کو مار ڈالا اسکے بعد جب وہ پینترا بدل کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ تو ایک مشرک نے پیچھے سے انکے تلوار ماری۔

تلوار کاری پڑی وہ شدید طور پر زخمی ہو کر گرنے لگے مگر گرتے گرتے سنبھلے اور پلٹ کر اپنے اوپر حملہ کرنے والے پر حملہ کیا۔ اور تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ وہ گرا خود بھی اُس کے اوپر گر رہے۔ خالد نے اپنے ہمراہیوں کو بڑھایا مشرکوں کے گھوڑے مجاہدین اسلام کی نعشوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔

چونکہ اب میدان صاف ہو گیا تھا۔ کوئی روکنے والا باقی نہ رہا تھا۔ اسلئے مشرکین تیز روی کے ساتھ پہاڑی کے نیچے اترنے لگے۔

کچھ مسلمان آنحضور کے قریب کھڑے تھے۔ انہوں نے خالد اور انکے ہمراہیوں کو پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب ان سب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کی آواز کو ان مسلمانوں نے سنا جو مشرکین کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا انھیں احد کی پہاڑی سے کفار کا لشکر اترتا نظر آیا۔ چونکہ حضرت محمد پہاڑی کے دامن میں چند مسلمانوں کے ہمراہ کھڑے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار ان پر حملہ نہ کر دیں۔ وہ فوراً پلٹے۔ اور نہایت تیزی سے حضور کی اعانت اور حفاظت کیلئے بڑھے۔

عکرمہ نے مسلمانوں کو واپس ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے للکار کر اپنے ہمراہیوں کو روکا۔ جب وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئے وہ تمام کفار کو ساتھ لیکر نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ تمام حملے یکے بعد دیگرے خلاف توقع اچانک طور پر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں آ گئے۔ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی کوئی ترتیب اور صف بندی باقی نہ رہی۔ انکی جمعیت منتشر ہو گئی۔ تھوڑے تھوڑے مسلمان بہت بہت کفار کے نرغہ میں آ گئے ہر طرف سے ہر جگہ پر تلواریں برسنے لگیں۔ نہایت خونریز اور صبر آزما جنگ ہونے لگی۔

کفار نہایت جوش سے حملے کر رہے تھے چونکہ مسلمانوں کی ترتیب باقی نہ رہی تھی انکی جمعیت میں انتشار اور سراسیمگی پیدا ہو گئی اس لئے کفار مکہ نے ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر مسلمان بھی کوئی لقمۂ تر نہ تھے۔ اگرچہ وہ کفار کے نرغہ میں آ گئے تھے۔ پریشان خاطر تھے۔

لیکن ہر مجاہد پر کمال استقلال اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ اب میدان جنگ بہت طویل و عریض ہو گیا تھا ہر طرف خون آشام تلواریں اٹھ اٹھ کر خون فشانی کر رہی تھیں۔

چونکہ خالد اور ان کے ہمراہی تمام مسلمانوں اور آنحضورؐ کے درمیان حائل ہو گئے تھے اور ہر مسلمان آنحضورؐ کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے جنگ نہایت خونریز ہو رہی تھی ہر فرد بشر نہایت جوش و خروش سے مصروف پیکار تھے۔ جانباز ہتھیلی پر سر لئے مشغول جدال و قتال تھے۔

آنحضورؐ کے ارد گرد صرف بارہ صحابی تھے۔ آپکے قریب مصعبؓ بن عمیر اسلامی علم لئے کھڑے تھے۔ خالد بن ولید نے ہمراہیوں نے آپ کو اور آپ کے ہمراہیوں کو اپنے نرغہ میں لے رکھا تھا۔

آپ کے گرد نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ کفار مسلمانوں کو گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ آنحضورؐ کو قتل کرنے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان اپنی ہستی سے بیگانہ وار آنحضور کو بچانے کے لئے اپنی طاقت سے زیادہ جد وجہد کر رہے تھے۔ بڑی پھرتی۔ بڑے جوش اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے۔ وہ اس کافر کو جو قریب آنے کی کوشش کرتا تھا تلوار کی دھار سے پیغام اجل دیکر موت کی نیند سلادیتے تھے۔

آنحضورؐ نہایت استقلال سے صحابہؓ کے درمیان کھڑے جنگ کا منظر ملاحظہ فرمارہے تھے۔

جنگ کی چکی نہایت تیزی سے گھوم رہی تھی۔ تلواریں جلد جلد چل رہی تھیں۔ اعضائے انسانی کٹ کٹ کر گر رہے تھے زخمیوں کی چیخ و پکار اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

خالد اور انکے ہمراہی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے گھوڑے بڑھاتے تھے۔ مگر جب مسلمان بڑھ کر سنبھلکر جوش و طیش میں آکر حملے کرتے تھے۔ تو وہ پیچھے ہٹ جاتے تھے۔

حضرت مصعبؓ ایک ہاتھ میں علم لئے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار سنبھالے بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے مشرکین کثیر کو تعداد کثیر میں واصل جہنم کردیا۔ ایک مرتبہ وہ جوش میں آکر آگے بڑھے۔ وہ خالد کو جانتے تھے۔ انہیں قتل کرنے کیلئے بڑھ رہے تھے۔ کئی کافروں کو مارتے کاٹتے خالد کے قریب پہنچ گئے۔

انہوں نے تلوار اٹھائی۔ پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا خالد پیچھے ہٹے۔ حضرت مصعبؓ اور بڑھے انہوں نے پھر حملہ کرنا چاہا اس عرصہ میں پیچھے سے کفار کے ایک مشہور شہ سوار ابن قمیہ لیثی نے حملہ کر دیا۔

چونکہ حضرت مصعبؓ خالد کی طرف ہمہ تن متوجہ تھے۔ اس لئے وہ ابن قمیہ کے حملہ کو نہ روک سکے۔ تلوار انکے سر پر پڑی۔ جو سر کے دو ٹکڑے کرتی حلق تک اتر گئی۔

حضرت مصعبؓ شہید ہو کر گرے علم بھی انکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔

چونکہ حضرت مصعبؓ بھی آنحضورؐ کے ہم شبیہ تھے۔ اس لئے ابن قمیہ نے سمجھا کہ رسول خدا ہی کو قتل کر ڈالا چنانچہ اس نے بلند آواز سے کہا قد قتلت محمداً ۔ یعنی میں نے محمد صلعم کو قتل کر ڈالا۔

اس آواز کو سنکر مشرکوں نے مسرت و شادمانی کے نعرے لگائے فرط مسرت

سے اچھلنے کودنے لگے۔ ہر مشرک نے بلند آواز سے کہا۔ حضرت محمد صلعم قتل کر دیئے گئے۔
مسلمان ان بہیم آوازوں کو سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ وہ بحر رنج و الم میں
ڈوب کر ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے۔ لڑنا بھول گئے۔ غم میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے خدا
کے رسول محبوب کو۔ اسلام کے مجدد کو۔ خدا کے رسول کو ڈھونڈنے لگے۔

کفار نے مسلمانوں کو اس سراسیمگی اور حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے محسوس
کر کے نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ مسلمانوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔
مسلمان سنبھلے ہوش میں آئے۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا۔ مسلمانو! اگر
ہمارا مطلوب و خدا محبوب۔ اسلام کا ہادی و حامی شہید ہو گیا تو اب لطف زندگی کیا
باقی رہا۔ لڑو۔ اور لڑ کر شہید ہو جاؤ۔

مسلمانوں نے جوش میں آ کر پوری قوت سے حملہ کیا۔ ہر طرف سے تلواریں بلند
ہوئیں۔ جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا۔ ہر دو تن کے فیصلے ہونے لگے۔ انسان
کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ اور خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

کعب بن مالک بڑے جوش و غضب میں بھرے ہوئے کفار کو قتل کرتے اس طرف
بڑھ رہے تھے۔ جس طرف آنحضورؐ کھڑے تھے۔ انہوں نے ہر اس شخص کو قتل
کر ڈالا۔ جو سدِ راہ ہوا

مارتے کاٹتے وہ آنحضورؐ کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے آنحضورؐ کو صحابہ کے
درمیان کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ جوش مسرت سے اچھل پڑے انہوں نے بلند آواز
سے کہا۔ مسلمانو! خدا کا شکر ہے۔ کہ رسول خدا زندہ و سلامت موجود ہیں۔

آنحضورؐ کے گرد نہایت شدت سے جنگ ہو رہی تھی۔ سیکڑوں کفار کے مقابلہ
میں بارہ صحابہ حلقہ کئے ہوئے سے نبرد آزما ہو رہے تھے۔ کعب بھی انہیں شامل ہو گئے
انہوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا اکثر و بیشتر مشرکین کو قتل کرتے ہوئے سامنے
کے لوگوں کو بہت حد تک پیچھے ہٹا دیا۔

اب آنحضورؐ نے نہایت اونچی آواز سے فرمایا۔ الیّ یا عباد اللہ انا رسول اللہ
یعنی خدا کے بندو! میری طرف آؤ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔
مسلمانوں نے اس آواز کو سنا۔ ان کے دلوں سے غم و فکر کا بوجھ دور ہو گیا۔
مسرت و شادمانی کی لہریں دوڑ گئی ان کے پژمردہ چہرے شگفتہ ہو گئے وہ ہر طرف سے

سمٹ کر آپ کی طرف بڑھنے لگے۔
عام طور پر کفار سمجھ رہے تھے کہ آنحضورؐ شہید ہو گئے۔ حضورؐ کی آواز انہیں دیا کہ حضورؐ حیات ہیں۔ وہ بھاگ ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر آنحضورؐ کی طرف بڑھنے لگے اب وہ مقام جہاں حضورؐ تشریف فرما تھے۔ لڑائی کا مرکز بن گیا۔ بڑی خونریز جنگ ہونے لگی۔ مسلمان کفار پر اور کفار مسلمانوں کے اوپر برس پڑے۔ گھمسان جنگ ہونے لگی۔ انسان کھیرے ککڑی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔
اول تو مسلمان تھوڑے تھے۔ پھر منتشر ہو رہے تھے۔ متحد و متفق ہو کر کفار کے حملوں کا جواب نہ دے سکتے تھے۔ مگر جو مسلمان جس جگہ تھا۔ بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔
آنحضرت صلعم کے گرد حضرت صدیق رضؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابو دجانہ رضؓ حضرت سعد بن وقاص رضؓ۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ۔ حضرت طلحہ رضؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمن رضؓ بن عوف۔ حضرت عمارہؓ۔ حضرت زیادہ رضؓ تھے۔ اور حضرت ام عمارہ نے بھی اپنے دست مبارک میں تلوار اٹھائی ہوئی تھی۔ اور سایہ کی طرح حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔
خالد اور اس کے ہمراہی آنحضورؐ کے ساتھیوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ وہ ان کے حصار کو توڑنا چاہتے تھے۔ مگر مسلمان تھے۔ کہ آہنی دیوار کی طرح جمے کھڑے تھے بڑے جوش۔ بڑے استقلال۔ بڑی بہادری۔ سے مشرکوں کے حملے روک کر جوابی حملے کر رہے تھے۔
عکرمہ بن ابی جہل نے بھی حضورؐ کی آواز سن لی تھی۔ وہ بھی اپنے ہمراہیوں کے نہایت جوش و خروش سے حضورؐ کے ہمراہیوں پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیادؓ۔ اور حضرت عمارہ رضؓ ہر دو مجاہدین نے بڑے استقلال سے انکا حملہ روک کر خود بھی حملہ کر دیا۔
ان ہر دو شیران اسلام کی تلواروں نے دس بارہ کافروں کو چشم زدن میں واصل جہنم کر ڈالا۔ کیونکہ وہ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے شمشیر زنی کرتے ہوئے اپنے مرکز سے آگے بڑھ گئے۔
مشرکین نے ان دونوں کو نرغہ میں لے کر ہر طرف سے ان پر تلواروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ دونوں پھرتی سے چاروں طرف اچھل اچھل کر لڑتے اور وار کرتے رہے انہوں نے بہت سے کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اتفاق سے حضرت زیادؓ کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ جھکے ان کے جھکتے ہی تلواریں ان کے اوپر پڑیں۔
وہ آن کی آن میں تلواروں نے ان کے جسم کو قیمہ بنا دیا۔ وہ شہید ہو کر گرے حضرت عمارہ رضؓ نے

دیکھا۔ انہیں جوش آگیا۔ انہوں نے غیظ و غضب سے بھر کر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں
چار کافروں کے سر بھٹے کی طرح اڑا دیے۔

کفار نے ان پر بھی چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ متعدد تلواریں ان کے سر پر
بلند ہوئیں۔ انہوں نے سامنے والے دو کافروں کو قتل کر دیا۔ جبکہ وہ پینترا بدل کر پیچھے ہٹ
رہے تھے کسی مشرک نے پھرتی سے ان پر حملہ کر کے انہیں بھی شہید کر دیا۔

اب کفار کی یورش ذات گرامی کی طرف تھی۔ ان کی تمام تر توجہ حضورؐ کے گرد حلقہ کرنے
والوں کو منتشر یا ہلاک کرنے کی طرف مائل ہو گئی تھی سینکڑوں نہیں ہزاروں کفار نے
مٹھی بھر گروہ پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن صحابہ بھی سد سکندری یا دیوار آہنی بن گئے تھے
ہر حملہ کا جواب نہایت استقلال اور جوانمردی سے دے رہے تھے۔

خالد نے اپنے ہمراہیوں میں سے ۲۵ آدمی علیحدہ کر کے ان کو تیر افگنی کا حکم دیا
ان لوگوں نے ایک مقام پر پہنچ کر حضور کی جماعت پر تیر برسانا شروع کر دیے۔
اس تیر اندازی سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچنے لگا۔ ہر شخص تیروں سے
مجروح ہو گیا۔ چونکہ یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی تیر حضورؐ کے نہ جا لگے۔ اس لئے حضرت
ابو دجانہؓ حضور کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ گویا آپ نے اپنی پشت کو سپر بنا
دیا تھا۔

مدعا یہ تھا۔ کہ جو تیر آئے وہ انکی پشت پر لگے۔ اگر منہ کفار کی طرف ہوتا تو ممکن تھا
کہ تیر آتے دیکھ کر فطری طور پر کچھ جھجک ہوتی۔ اور اپنا جسم بچانے کی وجہ سے کوئی تیر آنحضورؐ
تک پہنچ جائے۔

وہ مردانہ وار کھڑے تھے۔ تیر انکی پشت میں آ آ کر لگ رہے تھے۔ اگرچہ تیروں
کے لگنے سے انہیں تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر ان کے چشم و ابرو پر بل تک نہ آتا تھا۔ وہ اس
طرح خندہ پیشانی سے کھڑے تھے جیسے نہ انکے تیر لگ رہے تھے۔ اور نہ انہیں
تکلیف ہو رہی تھی۔

ایسے جانثار خادم۔ ایسے خلوص دل سے محبت کرنے والے صحابی شاید ہی کسی
نبی یا رسول کو ملے ہوں جیسے آنحضورؐ کو ملے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکے صحابیوں
نے کہہ دیا تھا۔ کہ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے جا کر لڑو۔ ہم نہیں لڑ سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے حواریوں نے دشمنوں کے سپرد انہیں اس لئے کر دیا تھا۔ کہ انہیں صلیب پر چڑھا دیں

جاتا۔ مگر آپکے صحابی حضورؐ پر پروانہ وار فدا تھے۔ حضورؐ کے لئے اپنی جان۔ اپنا مال۔ اپنی اولاد قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ چونکہ اب کفار کی تمام تر توجہ حضورؐ اور حضورؐ کے جانثار صحابیوں کی طرف تھی۔ اسلئے جنگ بھی اسی جگہ زور و شور سے ہو رہی تھی گنتی کے چند مسلمان بڑی جوانمردی اور شجاعت و بسالت سے لڑ رہے تھے۔ لیکن دشمنوں کے متواتر حملوں اور پیہم یورشوں کی وجہ سے حضورؐ کے گرد آپکے جانثار خدام کا حصار قائم نہ رہ سکا تھا۔

مشرکین نے سرفروشانہ حملے کر کر کے حصار توڑ دیا تھا۔ مسلمان متفرق ہو کر کمال جانبازی اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔

عبد بن شہاب زہری ہمراہیان خالد میں ایک مشہور شہسوار اور آزمودہ کار سپہ سالار تھا۔ وہ مسلمانوں سے بچتا ہوا آنحضورؐ کے قریب پہنچا۔ حضورؐ اسوقت دوسری طرف متوجہ تھے۔ عبداللہ بن شہاب نے حضورؐ کے قریب پہنچ کر آپ پر وار کیا۔ آپکا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔

چونکہ ابو دجانہؓ آپ کی طرف منہ کئے کھڑے تھے۔ اور عبداللہ ابو دجانہ کی پشت کی طرف سے آیا۔ اس لئے انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔

جب عبداللہ نے حملہ کر کے حضور کو زخمی کر دیا۔ تو ابو دجانہؓ نے جوش میں آ کر اس پر حملہ کیا۔ ان کی خارا شگاف تلوار عبداللہ کا خود کاٹ کر کچھ سر میں اتر گئی۔ وہ زخمی ہو کر پیچھے ہٹا۔ ابو دجانہؓ اسکے تعاقب میں دوڑے وہ ڈر کر مشرکین کے غول میں جا گھسا۔ چونکہ ابو دجانہؓ جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے وہ مشرکین کو قتل کرتے ہوئے عبداللہ کے پیچھے ہی پیچھے لگے چلے گئے۔

عبداللہ بن شہاب ان سے ایسا ڈر گیا تھا۔ کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے کفار کے ایک غول سے دوسرے غول میں اور دوسرے سے تیسرے میں چھپا پھرتا تھا۔ ابو دجانہؓ اسکے پیچھے پھر رہے تھے۔ وہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر وہ بھاگ کر ابو سفیان کے لشکر میں جا گھسا۔ اور وہ سب سے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

اگرچہ ابو دجانہؓ اب اس کا تعاقب نہ کر رہے تھے لیکن وہ کچھ ایسا خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اپنے ہی آدمیوں کو ابو دجانہؓ سمجھ کر ڈر جاتا تھا۔

اب آنحضورؐ تنہا رہ گئے تھے۔ تمام مسلمان ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ علیحدہ کر دئے

گئے تھے۔ اور وہ ہر جگہ کمال شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ اب آنحضرت کے پاس صرف حضرت ام عمارہ رضی رہ گئی تھیں۔ یا قریب ہی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح لڑ رہے تھے۔ ابن قمیہ لعین جس نے حضرت مصعب رضی کو شہید کیا تھا۔ حضور کی طرف شمشیر بکف ہو کر لپکا۔ حضرت ام عمارہ نے اسے جھپٹتے ہوئے دیکھ لیا۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔ او کافر خبردار آگے قدم نہ بڑھانا۔

یہ کہتے ہی اس نے نہایت جانبازی سے ابن قمیہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی زرہ پر تلوار پڑ کر اُچٹ گئی۔ حضرت ام عمارہ رضی نے پے در پے حملے کئے۔ مگر کوئی ایک وار بھی کارگر نہ ہوا۔

ابن قمیہ نے جوش میں آ کر ام عمارہ رضی کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ چونکہ نہ وہ زرہ پہنے ہوئے تھیں۔ نہ ان کے پاس ڈھال تھی۔ اس لئے وہ اسکے حملہ کو نہ روک سکیں ان کا ہاتھ شانہ کے قریب سے زخمی ہو گیا۔

اب ابن قمیہ آنحضرت کی طرف بڑھا حضرت ابو عبیدہ نے اسے دیکھ لیا۔ اگرچہ وہ کفار کے نرغول میں محصور تھے۔ ہر طرف سے ان پر حملے کئے جا رہے تھے۔ وہ بڑی پھرتی سے حملوں کو روک رہے تھے۔ مگر ابن قمیہ کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تڑپ گئے۔

انھوں نے پوری قوت سے اور پورے جوش سے کفار پر حملہ کر کے انھیں مارنا کاٹنا شروع کیا۔ چند منٹ میں پانچ سات کافروں کو گرا دیا۔

وہ حضور کی حفاظت کے لئے آپ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے بلند آواز سے مسلمانوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ مسلمانو! خدا کا رسول نرغۂ اعدا میں آ گیا۔

اس آواز کو سن کر مسلمان چونکے۔ سنبھلے۔ وہ اپنے مقابل والوں کو قتل کرتے ہوئے حضور کی طرف بڑھے اس عرصہ میں ابن قمیہ حضور کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے تلوار اٹھا کر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ تلوار حضور کے خود پر پڑی خود کے دو حلقے آنکھوں سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔ اب ابن قمیہ نے دوسرا وار کرنا چاہا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے للکار کر کہا او کافر سنبھل۔

ابن قمیہ گھبرا گیا۔ وہ پیچھے ہٹا۔ ابو عبیدہ نے جوش میں آ کر اس پر حملہ کیا انکی کوہ شکن تلوار نے دوہری زرہ پھاڑ ڈالی۔ اور شانہ کے قریب زخم کر کے ہنسلی کی ہڈی توڑ دی۔ ابن قمیہ نے خوفناک چیخ ماری۔ وہ سخت خوفزدہ ہو کر بھاگا۔ ابو عبیدہ نے اس کا تعاقب کرنا

چاہا۔ مگر آنحضورؐ نے انہیں روک دیا۔

اب ابو عبیدہ آنحضورؐ کے قریب پہنچے۔ حضور کو مجروح دیکھ کر تڑپ گئے حضورؐ آپ بھی نہایت استقلال اور شان استغنا سے کھڑے تھے۔ زخمی ہونے پر بھی حضورؐ کے چہرہ سے ملال یا افسردگی کے آثار ظاہر نہ تھے۔

حضرت ابو عبیدہ نے خود کو جو حضورؐ کی آنکھوں کے نیچے کی ہڈی میں گھسا ہوا تھا۔ دانتوں سے پکڑ کر کھینچا۔ ہر چند زور لگایا۔ مگر خود نہ نکلا یہانتک کہ زور لگاتے لگاتے ابو عبیدہ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

بڑی جدوجہد اور کدوکاوش کے بعد خود نکالا گیا۔ خود کے نکلتے ہی خون کا فوارہ بہنے لگا۔ آنحضور صلعم اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ کیف یفلح القوم خضبوا وجہ نبیہم بالدم وھو یدعوھم الی اللہ۔ یعنی وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے۔ جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو اس کے خون سے رنگا اور وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔

ابھی حضورؐ یہ فرما ہی رہے تھے۔ کہ ایک شریر بدمعاش نے حضورؐ کے ایک پتھر کھینچ مارا اس سے حضورؐ کا ہونٹ زخمی ہو کر نیچے کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ حضورؐ کے نیچے ایک گڑھا تھا۔ حضورؐ گڑھے میں گر گئے۔ اس عرصہ میں حضرت صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ اور چند دوسرے صحابہ کرام اپنے مدمقابل کو تہ تیغ کر کے حضورؐ کے پاس آ گئے۔

فوراً حضرت علیؓ نے حضورؐ کا ہاتھ پکڑا حضرت صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ نے باہر نکالا۔ آپ کا چہرہ مبارک خون سے تر ہو رہا تھا حضرت صدیقؓ نے اپنی عبا کے دامن سے خون پونچھنا شروع کیا۔ حضرت طلحہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ اس بدمعاش قوم کے حق میں بد دعا فرمائیے۔

حضورؐ نے فرمایا نہیں طلحہؓ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔ ایک رسول کی یہ شان نہ ہونا چاہیئے کہ وہ قوم کے مظالم سے تنگ آ کر بد دعا کر کے تمام قوم کو غضب الہی میں مبتلا کرا دے۔

جنگ اسوقت بھی نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ سر و تن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ حضورؐ نے حضرت صدیقؓ سے خطاب کرتے ہوئے

کہا۔ ہو سکے تو احد کی پہاڑی پر چڑھ چلو۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ تشریف لے چلیں۔ ہم جانثاران خادم آپ کے ہمراہ ہیں۔ حضورؐ احد کی طرف بڑھے۔ حضرت صدیقؓ نے باآواز بلند کہا مسلمانو! احد کی پہاڑی پر چڑھ چلو۔

اس آواز کو سن کر تمام مسلمان احد کی طرف بڑھنے لگے۔ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام بھی اس طرف بڑھے۔ پہاڑی قریب ہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ سب پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مسلمان بھی ادھر ادھر سے سمٹ سمٹا کر احد کی گھاٹی میں آنے لگے۔ اس طرح لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو گیا۔

ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمان بہترین مقام پر پہنچ کر سرفروشانہ جنگ میں مشغول ہو گئے ہیں۔ وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا دیکھو کفار کو پہاڑی پر چڑھنے سے روک دو۔

حضرت عمرؓ چند صحابہ کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بڑھے اور نہایت جوش سے کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ ابوسفیان نے اور ہمراہیوں نے اوپر چڑھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر سرفروش اور جانباز مجاہدین نے انہیں ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیا بلکہ ایسے شدید حملے کئے کہ کفار کو نیچے دھکیل دیا۔ اس پر بھی ایک کافر ابی ابن خلف جو آنحضورؐ کو قتل کرنے کا عہد صمیم کر کے آیا تھا مردانہ وار بڑھا اور حضورؐ پر حملہ ور ہوا۔

حضورؐ نے حضرت حارثؓ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس پر وار کیا۔ نیزہ کی انی اسکی ہنسلی یعنی گردن کی نیچے کی ہڈی میں لگی۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ نہایت بدحواس ہو کر شور و غل مچاتا۔ بچاؤ کی رٹ لگاتا۔ دوڑا چلا گیا۔ کفار اسے اس طرح بدحواس دیکھ کر ہنسے۔ اگرچہ اس کا زخم معمولی تھا۔ مگر اسی معمولی زخم نے اسکی جان لی یہی ایک بدنصیب شخص ہے۔ جو آنحضورؐ کے ہاتھ سے قتل ہو کر فی النار جہنم ہوا۔

اب تمام مسلمان ادھر ادھر سے جمع ہو کر کفار کو روکتے کاٹتے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ چونکہ کفار پہاڑی سے نیچے اور مسلمان پہاڑی کے اوپر تھے۔ اس لئے اب جنگ بند ہو گئی۔ ابوسفیان نے بلند آواز سے دریافت کیا۔ افی القوم محمد؟ کیا قوم میں محمدؐ ہیں۔ کسی نے اس بات کا جواب نہ دیا۔ اس نے پھر دریافت کیا۔ افی القوم ابوبکر۔ یعنی کیا تم لوگوں میں ابوبکر ہیں۔ اب بھی سب خاموش رہے۔ اس نے پھر پوچھا افی القوم عمرؓ یعنی۔

تم لوگوں میں عمرؓ ہیں۔
حضرت عمرؓ نے چلا کر کہا۔ او دشمن خدا یہ سب زندہ ہیں۔ وہ وقت قریب ہے جب
رسوا ہوگا۔ ابوسفیان نے فخریہ لہجہ میں کہا۔ اعل ھبل! اعل ھبل یعنی ہبل کی جے
ہبل کی جے۔ آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا اسے جواب دو۔ اللہ اعلیٰ و اجلی۔
اللہ بزرگ و برتر ہے۔
چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی جواب دیا۔ ابوسفیان نے کہا لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم
عزیٰ ہمارا ہے یا خدا ہے تمہارا نہیں۔
حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کے موافق جواب دیا اللہ مولینا ولا مولیٰ لکم
اللہ ہمارا والی ہے تمہارا والی نہیں ہے۔
ابوسفیان نے کہا۔ اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہوگا۔ حضرت عمرؓ
نے حضرتؐ کے حکم کے بموجب کہا۔ نعم ھو بیننا وبینکم موعد۔ یعنی اچھا ہمیں تمہارا یہ وعدہ
منظور ہے اس کے بعد ابوسفیان نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ کفار واپسی کا اذن
پاکر نہایت خوش ہوئے وہ فوراً لوٹے۔ اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمان
پہاڑی پر کھڑے کفار کی واپسی کا منظر دیکھنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں
کفار اپنے مقتولین کو میدان جنگ میں چھوڑ کر نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

(۱۶) سولھواں باب
جوش عقیدت

جبکہ مسلمان نرغہ اعدا میں آگئے تھے۔ اور کفار نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا
نہایت خونریز جنگ ہورہی تھی۔ اس وقت کفار قریش کی عورتیں مسلمان شہداء
کے کان کاٹتی پھر رہی تھیں۔ گویا اس طرح سے وہ اپنے جذبات منافرت کا اظہار
کے انتقام لے رہی تھیں۔
ہندہ ابوسفیان کی بیوی کو وحشی نے بتایا تھا کہ اس نے اپنے حربہ سے حضرت
حمزہؓ کو شہید کیا ہے۔ ہندہ نے فوراً اپنا زیور اتار کر اس کے حوالے کردیا۔ اور اسکے
سید الشہداء کی لاش پر پہنچی۔ اس نے جوش انتقام سے حضرت

حضرت کے ناک اور کان کاٹ کر لاش کو مثلہ کر دیا۔ اور سینہ چیر کر جگر نکالا۔ انتقام پوری کرنے کے لئے جگر منہ میں رکھکر چبانے لگی۔ مگر نہ چبا سکی اگل دیا۔ اس واقعہ کا نام جگر خوار مشہور ہو گیا۔ تاریخوں میں ہندہ جگر خوار لکھا جاتا ہے۔

جب مسلمان احد پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اور ابو سفیان آئندہ سال بدر کے میدان پر لڑنے کا وعدہ کر کے مع اپنے لشکر کے واپس چلا گیا۔ تو آنحضور نے شہدا کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کا تمام لشکر پہاڑی سے اتر کر شہدا کو اٹھا اٹھا کر ایک جگہ جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ سب مسلمانوں کی نعشیں پارہ پارہ کر دی گئیں تھیں۔ مگر حضرت امیر حمزہ کی لاش کے اسقدر ٹکڑے کر دئے گئے تھے۔ کہ بمشکل تمام جمع کئے جا سکے۔

ابھی مسلمان شہدا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع ہی کر رہے تھے کہ مدینہ کی جانب سے مسلمان اور ان کے حلقہ میں ایک عورت آتی نظر آئی۔ چونکہ مدینہ یہاں سے صرف تین چار میل تھا۔ اس لئے میدان جنگ کی تمام و کمال خبریں پہنچ چکی تھیں۔ مرد اور عورتیں دریافت احوال کے لئے چل پڑے تھے۔

یوں تو سب اپنے اپنے عزیز و اقارب کی بابت معلوم کرنے کے لئے آ رہے تھے ان سب کو سب سے زیادہ آنحضور کی خیریت معلوم کرنے کی لو لگی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے جو عورت میدان جنگ میں پہنچی۔ وہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی ہمشیرہ اور حضرت زبیر کی والدہ حضرت صفیہؓ تھیں۔ ان کی آنکھیں پر آب تھیں۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا فرط غم سے جھکی جا رہی تھیں۔ انہیں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئی تھیں۔

آنحضرت صلعم نے حضرت صفیہ کو دیکھا۔ آپ نے حضرت زبیر کو بلا کر کہا اپنی والدہ کو روکو انہیں حضرت امیر حمزہ کی لاش کے پاس نہ جانے دو۔

حضرت زبیر نے بڑھ کر اپنی والدہ سے کہا۔ امی جانی میدان جنگ میں کیوں چلی آئیں حضرت صفیہ کے بشرے سے غم و الم کا اظہار ہو رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ بیٹا میں اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئی ہوں۔

حضرت زبیر نے کہا۔ مگر رسول خدا چاہتے ہیں۔ کہ تم انکی لاش نہ دیکھو۔

حضرت صفیہ نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ آہ مجھے معلوم ہے۔ کہ میرے شیر دل بھائی کی لاش کے ٹکڑے کر دئے گئے ہیں۔ آنکھیں نکال لی گئیں ہیں۔ ناک اور کان کاٹ ڈالے

گئے۔ اور سینہ چیر کر جگر نکالا گیا ہے۔

میں ان کی لاش پر رونے یا بین کرنے نہیں آئی ہوں۔ بلکہ دعائے مغفرت مانگنے آئی ہوں۔ اور دیکھنے آئی ہوں کہ میرے شیر دل بھائی نے کوئی زخم پشت پر تو نہیں کھایا ہے۔

حضرت زبیر نے کہا۔ اچھا ٹھہرو تو میں حضورؐ سے اجازت لے لوں۔

حضرت صفیہ نے فرمایا۔ تم اپنے ہمراہ مجھے لے چلو۔ میں خود ان سے اجازت لے لوں گی۔

حضرت زبیر حضرت صفیہ کو اپنے ہمراہ لیکر آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ حضورؐ نے دیکھا۔ حضرت صفیہ غم سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ اور چلتے ہوئے ٹھوکریں کھا رہی تھیں۔ بنا ہوں میں دلخت جگر حضرت زبیر کا سہارا لے کر چل رہی تھیں۔

حضرت امیر حمزہ آنحضور صلعم کے چچا تھے۔ جب ابوجہل نابکار نے حضورؐ کے پتھر مار کر آپکو مجروح کر دیا تھا۔ اور آپ نے اس خبر کو سنا تھا۔ تو برافروختہ ہو کر ابوجہل کے سر پر آپ نے کمان کھینچ کر ماری تھی۔ اور اسی روز مسلمان ہو گئے تھے۔

آنحضورؐ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ کو بھی حضرت امیر حمزہ کے شہید ہو جانے کا بیحد قلق تھا۔ حضرت صفیہ نے آپ کے حضور میں پہنچ کر کہا۔ یا رسول اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ درندہ صفت اہل قریش نے میرے بھائی کی لاش کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ میں نوحہ کرنے کے ارادہ سے نہیں آئی ہوں۔ مجھے میرے بھائی کی لاش دیکھنے کی اجازت فرما دیجئے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ یا بنت عم تم کیا دیکھو گی۔ جب دیکھنے کی چیز ہی باقی نہ رہی۔

حضرت صفیہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ میں شیر اسلام کو دیکھوں گی۔ جس حالت میں بھی ہو۔ میں صبر کرنا جانتی ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا دیکھ لو۔ لیکن بین نہ کرنا

حضرت صفیہ واپس لوٹیں۔ پہاڑی کے دامن میں حضرت حمزہؓ کی لاش پڑی تھی۔ اس پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ حضرت صفیہ لاش کے قریب پہنچ گئیں۔ حضرت زبیر

ساتھ تھے۔ انہوں نے لاش کے اوپر سے چادر ہٹائی حضرت صفیہ نے سید الشہداء کی لاش کو دیکھا۔

جناب امیر کی لاش پارہ پارہ تھی۔ گوش بینی بریدہ تھی۔ آنکھیں نکلی ہوئی تھیں حضرت صفیہ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر تڑپ گئیں۔

اگرچہ انہوں نے ضبط و صبر سے کام لیا۔ لیکن بھائی کی محبت جوش کر آئی۔ کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ دل پھٹ گیا۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب عظیم امنڈ آیا۔

انہوں نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا آہ بھائی.... میرے شیر دل بھائی..... تم مجھ سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے ظالموں نے تمہاری لاش کو پارہ پارہ کردیا۔ تم آرام و آسائش کی دائمی نیند سو گئے۔

حضرت صفیہ رو رہی تھیں۔ حضرت زبیر بھی رو رہے تھے۔ حضرت زبیر نے کہا۔ امی جان! آپ بین کر کے آنحضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔

حضرت صفیہ چونکیں۔ انہوں نے دوپٹہ کے آنچل سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ اف شدت غم نے آنحضورؐ کے حکم کی نافرمانی کرادی۔ خدا مجھے معاف کرے اب میں نہ روؤں گی۔ نہ بین کروں گی۔

پھر وہ نہایت استقلال سے کھڑی ہوگئیں۔ انہوں نے فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعائے مغفرت کی۔

اس عرصہ میں مسلمانوں نے شہداء کی لاشیں لا لا کر ایک جگہ جمع کردی تھیں۔ اور انھیں دفن کرنے کے لئے گڑھے کھودنے لگے تھے۔

جب گڑھے یا قبریں تیار ہوگئیں۔ تو ایک ایک قبر میں دو دو لاشیں دفن کی جانے لگیں۔ تمام شہداء کو دفن کر کے سارے مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے۔ سب نے شہداء کے لئے دعائے مغفرت کی۔

اب آنحضورؐ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف کوچ کرنیکا حکم دیا۔

مجاہدین اسلام علم اسلام کے سایہ میں آہستہ آہستہ روانہ ہوئے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہ میدان جنگ کے واقعات کی خبر مدینہ میں پہنچ گئی تھی۔ مدینہ کی طرف سے مسلمان مردوں۔ عورتوں۔ اور بچوں کے غول کے غول آرہے تھے۔

سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر کی بیوی ملیں تھا۔ حضرت مصعب اسلامی لشکر کے علمبردار تھے۔ اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ اُن کی بیوی کا نام حمنہ تھا وہ جحش کی بیٹی تھی

حضرت حمنہ نے ایک اعرابی سے میدان جنگ کے واقعات دریافت کئے۔ اعرابی نے کہا حمنہ! تمہارے ماموں حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو گئے۔

حمنہ نے کہا خدا انھیں مغفرت کرے۔

اعرابی نے کہا تمہارے بھائی عبداللہ بن جحش بھی شہید ہو گئے۔

حمنہ نے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اعرابی نے کہا۔ اور تمہارے شوہر مصعب بن عمیر بھی شہید ہو گئے۔

یہ سن کر حمنہ بے قرار و پریشان ہو گئیں۔ اور بے اختیار ان کے آنسو جاری ہو گئے

آنحضرتؐ نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

ہر شریف عورت کو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔۔ شوہر بیوی کا مجازی خدا ہے۔

لشکر اسلام آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ مدینہ سے آنے والے بھی لشکر میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ کچھ دور چل کر انصار کی ایک نوجوان خاتون پریشان حال آتی ہوئی ملی۔ وہ سخت بے قرار اور مضطرب تھی۔

جب وہ لشکر کے قریب آئی تو ایک شخص نے اسے پہچان کر کہا۔ یا بنت عم افسوس تمہارے والد شہید ہو گئے۔

عورت نے دریافت کیا آنحضور صلعم تو بخیریت ہیں۔

اسی شخص نے کہا۔ ابھی اور سنو تمہارے بھائی بھی شہید ہو گئے۔

عورت کے چہرے سے ایسا کچھ ملال کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ البتہ جو اضطراب پہلے طاری تھا ابھی بھی رہا۔ اس نے پھر دریافت کیا آنحضورؐ کی خیریت کا حال سناؤ۔

اس شخص نے کہا اب آخری روح فرسا خبر بھی سن لو یعنی تمہارے شوہر بھی شہید ہو گئے۔ یہ سن کر عورت کا چہرہ پھیکا سا پڑ گیا۔ اور بدن میں کسی قدر تھرتھری سی۔ آواز کانپنے لگی۔ انھوں نے پھر پوچھا۔ خدا کے لئے حضورؐ کا حال سناؤ۔

اس اثنا میں آنحضرت صلعم کی سواری قریب آ گئی۔ اعرابی نے کہا دیکھو حضورؐ وہ

تشریف لا رہے ہیں۔

عورت نے حضورؐ کو دیکھا اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ اس نے کہا خدا کا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ میں نے حضور کو دیکھ لیا۔ جب آپ سلامت ہیں۔ تو تمام مصائب ہیچ ہیں۔

اعرابی نے اس خاتون کے حسنِ عقیدت اور جوشِ محبت کو حیرت سے دیکھا۔ خاتون بھی حضورؐ کے جلو میں روانہ ہو گئی۔

لشکرِ اسلام نہایت ضبط و اہتمام سے مدینے کی طرف کوچ کر رہا تھا مدینہ کی طرف سے لوگوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ عورتیں۔ مرد اور بچے سب ہی آ رہے تھے ہر عورت ہر مرد۔ ہر بچہ سب سے پہلے حضورؐ کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا۔ اور اسوقت تک بے قرار تھا۔ جب تک کہ حضورؐ کی خیریت معلوم نہ کر لیتا تھا۔

شمعِ رسالت کے پروانے کھچے چلے آ رہے تھے۔ اور حضور صلعم کی زیارت کر کے تسکین قلب حاصل کر رہے تھے۔

چونکہ مدینہ قریب ہی تھا۔ اس لئے عرصہ کے بعد لشکرِ اسلام مدینہ میں داخل ہوا سب سے پہلے سب نے نماز عصر پڑھی۔ نماز پڑھ کر مجروحین کی مرہم پٹی کی جانے لگی۔

یہ مشہور جنگ پندرہ شوال بروز شنبہ سنہ ۳ ہجری میں ہوئی۔

سترہواں (۱۷) باب

اسلام کے فداکار مبلغ

اگرچہ مسلمان اُحد کے مقام پر بھی کفار کو شکست دے چکے تھے مشرکین بدحواس ہو کر مال و اسباب اور اپنی عورتوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان بھگوڑوں کا سامان لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن احد کی گھاٹی میں جو دستہ عبداللہ بن جبیرؓ کی معیت میں متعین کیا گیا تھا۔ کفار کو شکست پا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر اور مسلمانوں کے ساتھ وہ دستہ بھی تعاقب میں دوڑ پڑا۔

خالد نے جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا۔ تو وہ اس طرف سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان ان کے مقابلے کے لئے لوٹے۔ عکرمہ اور ابوسفیان نے بھی بعد دیگرے نئے جوش اور نئی ہمت سے حملہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان نرغۂ اعدا میں آ گئے۔ پھر بھی وہ سہمے اور بدحواس نہ

ہوئے۔ لڑے اور خوب لڑے تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ باوجود بے سروسامانی اور ترتیب وضابط باہمی جہتی اور صف بندی نہ ہونے کے بعد بھی مسلمانوں نے وہ شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھائے۔ کہ دشمن تک بھی تحسین و آفرین کے بغیر نہ رہ سکے۔

آخرالامر کفار فتح سے مایوس و ناکام ہو کر واپس جانے پر مجبور ہوئے اس جنگ میں قریب قریب تمام مسلمان مجروح۔ خود سرور کائنات فخر موجودات کے بھی اکثر زخم آئے جو مسلمان مدینہ میں رہ گئے تھے۔ انہیں بڑا جوش و طیش آیا۔ انہوں نے تہیہ یا عزم بالجزم کرلیا کہ آئندہ جنگ میں وہ مشرکین سے بالضرور انتقام لیں گے۔

عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ ظاہری طور پر مسلمان ہوا۔ لیکن در پردہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی تدابیر میں مصروف رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا استیصال کلی ہو جائے اور وہ مدینہ سے نکل جائیں۔ تاکہ مدینے والے اسے یعنی عبداللہ کو بادشاہ منتخب کرلیں۔

اس نے علی الاعلان کہنا شروع کردیا۔ کہ مسلمانوں نے ہماری یہ بات کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرو۔ نہ ماننے پر آخرالامر نقصان اٹھایا۔ اچھا ہوا ہم نہ گئے تھے ورنہ ہم بھی نقصان اٹھاتے۔

مسلمانوں کو اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اس قسم کی باتیں سن سن کر رنج ہوتا تھا۔ کچھ صحابہ نے آنحضور صلعم سے عرض کی کہ عبداللہ بن ابی اور اسکے ہمراہی منافق ہیں لہٰذا ہمکو ان سے لڑنے کی اجازت دیجئے۔ ورنہ یہ لوگ مار آستین ثابت ہونگے اور دشمنوں سے سازباز کرکے مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

حضور صلعم نے فرمایا عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اگرچہ صحیح ہے کہ وہ سب کے سب منافق ہیں۔ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے مگر جب تک کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہیں گے اس وقت تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

لوگ خاموش رہے لیکن عامۃ الناس نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں سے ربط و ضبط کم کردیا۔

کچھ عرصہ کے بعد خیرالبشر کو معلوم ہوا کہ طلحہ بن خویلد اور سلمیٰ بن خویلد دو بھائیوں نے قطن کے مقام پر تمام مشرکوں کو جمع کیا ہے اور مدینے پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں

حضور صلعم نے ابو سلمہ مخزومی کو ڈیڑھ سو مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ ان شریروں کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا۔ اور انہیں ہدایت کردی کہ تا وقتیکہ وہ لوگ نہ لڑیں اپنی طرف سے ابتدائے جنگ نہ کرنا۔

جب ابو سلمہ قطن کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ خویلد کے دونوں بیٹے مجاہدین اسلام کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گئے۔ اور ایسے بد حواس ہو کر بھاگے کہ اپنے مویشی تک بھی نہ بچا سکے مسلمان ان کے تمام مویشیوں کو ہانک لائے۔ اور مال غنیمت لیکر واپس آئے۔

چند روز کے بعد آنحضور کو معلوم ہوا کہ سفیان بن خالد ہذلی ایک نہایت سخت اور سرکش کافر نے وادی عرفات کے قریب عرنہ کے مقام پر مخالفین کو جمع کرنا شروع کر دیا ہے اس کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے۔

حضورؐ نے عبداللہ بن انیس کو تنہا روانہ کیا۔ اور فرمایا کہ سفیان کو سمجھا کہ جنگ اچھی نہیں۔ نہ ہم اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں نہ وہ ہم پر حملہ کا قصد کرے۔

عبداللہ بن انیس ۵ محرم سنہ ۴ھ کو روانہ ہوئے۔ عرنہ میں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سفیان ہذلی نے اچھا خاصہ لشکر جمع کر لیا ہے۔ عبداللہ نے اسے جا کر سمجھایا۔

اسے سخت ناگوار گذرا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ میں نے قصد کر لیا ہے۔ کہ مدینہ فتح کرکے رہوں گا۔ ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ عبداللہ خاموش ہو گئے۔ رات کو جب وہ چلنے لگے تو پھر سفیان کے پاس جا کر عبداللہ نے کہا۔ سفیان میں جا رہا ہوں مجھے افسوس ہے کہ تم نے مصالحت کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ جنگ کی حالت میں بھی ابھی نہیں بگڑی تم معلوم تم کیوں اچھا سمجھتے ہو۔

سفیان نے کہا جنگ ہماری گھٹی میں داخل ہے تمہارا نبی تو حضرت محمد صلعم بزدل ہے۔ لڑنے سے کتراتا ہے۔ لہذا تم کو بھی لڑنے سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ جس قوم کی وہ تعمیر کر رہا ہے وہ قوم بزدل ہو گئی ہے۔ سنو! عبداللہ میں تمہارے نبی کو قتل کر ڈالنے کی قسم کھا چکا ہوں۔ بغیر اسے قتل کئے نہ مانوں گا۔

تمہارے پیچھے ہی آؤں گا اور ایسا زبردست لشکر لاؤں گا۔ جو سارے مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

عبداللہ بن انیس کو سفیان کی گفتگو سن کر طیش آگیا۔ انکی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ پیشانی کی رگیں پھول گئیں۔ انہوں نے غضبناک لہجہ میں کہا۔

ذلیل بت پرست دنیا کے کتے تیری یہ مجال کہ آنحضورؐ کی شان بے پایاں میں ایک مسلمان کے سامنے گستاخانہ باتیں کہے۔ خدا کی قسم کوئی مسلمان جس کے دل میں شمہ برابر بھی ایمان ہے۔ آنحضور کی اہانت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تجھے اپنی شجاعت اور مردانگی پر ناز ہے تو تلوار سنبھال اور میرے مقابلہ پہ آجا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمان اور سب باتیں برداشت کر سکتا ہے لیکن خدا اور اسکے رسول کی اہانت برداشت نہیں کر سکتا۔

جن شریر لفنگوں نے۔ زبان دراز شیطانوں نے جب کبھی خدا یا رسول خدا کی شان میں گستاخی کی ہے۔ کسی نہ کسی مسلمان نے انکی سرکوبی ضرور کر دی۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں۔ واقعات زبان حال سے پکار رہے ہیں۔

عبداللہ بن انیس کو اس قدر غصہ آیا کہ وہ بغیر اس بات کا خیال کئے ہوئے کہ دشمنوں کے گھر میں۔ غنیم کے نرغہ میں۔ بڑے بہادر دشمن کے سامنے تنہا موجود ہیں ازدیاد جوش و غضب سے لبریز ہو کر وہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔

سفیان نے بھی جلدی سے تلوار کھینچی۔ اور کود کر عبداللہ کے سامنے آگیا۔ سامنے آتے ہی اس نے تلوار سے حملہ کیا۔ عبداللہ نے نہایت پھرتی سے آزمودہ کاروں کی طرح حملہ روکا اور جوش میں آکر خود بھی حملہ کر دیا۔

سفیان نے جلدی سے اپنی تلوار پہ عبداللہ کی تلوار روکی۔ اس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اور دیوار کا سہارا لیکر انتہائی خوفزدہ نظروں سے عبداللہ کو دیکھنے لگا۔

عبداللہ نے کہا۔ بدبخت اجل رسیدہ! آخر تیرا وقت آہی پہنچا تو نے اپنے فعل کا نتیجہ دیکھا ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے تلوار ماری۔ سفیان کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ عبداللہ نے اس کا سر اٹھایا۔ اور چپکے سے اس کے گھر سے نکل کر اونٹ پر سوار ہوئے۔ اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

صبح جب کفار نے سفیان کا بے سر لاشہ دیکھا تو گھبرا کر منتشر ہو گئے۔ عبداللہ ۲۳ر محرم سنہ ۴ھ کو مدینہ پہنچے اور سفیان کا سر حضورؐ کے قدم مبارک پر جا ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ افسوس ہوا و حرص کا شکار بن گیا۔ اس کے بعد اس کے سر کو دفن کرا دیا گیا۔

جس روز عبداللہ مدینہ میں واپس آئے۔ اسی روز مکہ سے ایک وفد آیا۔ اس وفد میں قبیلہ عضلی و قارہ کے سات آدمی تھے۔ یہ لوگ عاصم بن ثابت کے مکان پر پہنچے۔ اور اسی جگہ فروکش ہو گئے۔

چندروز کے بعد عاصم نے ان سے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا جب سے کفار قریش کو بدر و اُحد کے مقامات پر شکست ہوئی ہے بہت سے لوگ اسلام کی طرف جھک گئے ہیں۔ اور ہمارے قبائل کے کثیر تعداد نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ کچھ مبلغ ہمارے ساتھ کر بھیج دیجئے تاکہ وہ تشنہ لوگوں کو تعلیم اسلام سے سیراب کر کے مسلمان بنا لیں۔

عاصم نے کہا نہایت اچھی بات ہے تم میرے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں چلو یقین ہے کہ وہ کچھ مسلمان آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

دوسرے شخص نے کہا عاصم بجائے کسی اور کے پاس جانے کے تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں۔ کہ تم نیک دل ہو مسلمانوں کے حامی اور اسلام کے فدائی ہو۔ ہماری عرض داشت سن کر حضورؐ سے ہماری سفارش کرنے پر تیار ہو جاؤ گے۔

عاصم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں تیار ہوں۔ ضرور بالضرور حضور سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔

تیسرے شخص نے کہا یا اخی ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ مکہ چلیں۔ یقین ہے کہ آپ کی تقریریں سن کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

عاصم نے کہا ہم مسلمانوں میں کوئی مسلمان بغیر حضورؐ کے حکم کے کوئی کام نہیں کر سکتا اگر حضور نے مجھے اجازت دیدی تو میں تمہارے ساتھ ضرور چلونگا۔

پہلے شخص نے کہا اجازت حاصل کرنا تمہارے اختیار میں ہے جب حضورؐ سے مکہ چلنے کے لئے کہو گے۔ تو یقین ہے وہ ضرور اجازت دیدیں گے۔

عاصم نے کہا مجھے تم سے ایک گونہ محبت ہو گئی ہے میں تمہاری وجہ سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرونگا۔

دوسرے نے کہا۔ اچھا تو اسی وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں چلو۔ چلو! عاصم نے جواب دیا اور وفد کے ہفت آدمیوں کے ساتھ مل کر عاصم بھی مسجد نبویؐ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

عام طور پر مسلمانوں کو مکہ کے اس وفد کی آمد کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کے آنے کا سبب معلوم نہ ہوا تھا۔

جب یہ سب لوگ مدینہ میں پہنچے تو حضورؐ کو مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا آپ کے گرد حضرت صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت سعدؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور چند دوسرے صحابی بیٹھے تھے۔

مکہ کے وفد نے قریب پہنچ کر نہایت ادب سے سرور کائنات فخر موجودات کو سلام کر کے مصافحہ کیا۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیکر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ سب بیٹھ گئے۔ تو آپ نے دریافت کیا۔ یا معشر القریش تم مکہ سے چل کر تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے کس لئے آئے ہو۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! ہم قبائل دو چارہ کے لوگ ہیں۔ ہمارے قبائل داخل اسلام ہونا چاہتے ہیں۔ ہم اس وجہ سے گرامی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ حضورؐ ہمارے ہمراہ چند مبلغ بھیجدیں تاکہ وہ ہمیں اور ہماری قوم کو اسلام سکھائیں اغلب یقین ہے۔ کہ ہماری تمام قوم مشرف باسلام ہو جائیگی۔

حضور نے دریافت کیا۔ ابو سفیان اور عکرمہ کون سے خیال میں ہیں۔

اس شخص نے جواب دیا۔ حضور وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ بدر کے مقام پر دوبارہ لڑنے کا وعدہ کر کے گئے ہیں۔ لہذا وہ اپنا معاہدہ پورا کئے بغیر ہرگز آرام نہ کریں گے۔

حضورؐ نے صحابہ کرام سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ نے اس وفد کے آنے کی وجہ معلوم کر لی۔ مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ مجھے ان کی گفتگو سے فریب کی بو آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کوئی سازش کر کے آئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو کسی نئی مصیبت میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے قبائل مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ تو یہاں چلے آئیں۔

امیر وفد نے کہا۔ بخدا! ہم کوئی سازش کرنے نہیں آئے ہیں ہمیں اس میں بھی کوئی عذر و بہانہ نہیں۔ کہ ہماری قوم یہاں آجائے مگر آپ سمجھ سکتے ہیں ساری قوم کا یہاں آنا دشوار ہے۔ وہی لوگ آسکیں گے جن کے دلوں میں اسلام کا شوق و شغف حد سے

بڑھ گیا ہے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ بے شک ہماری قوم اس قدر دور و دراز فاصلہ پر نہیں آسکتی۔ مناسب یہی ہے کہ کچھ مبلغ ان کے ساتھ روانہ کر دیے جائیں۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ ابوسفیان اور عکرمہ کی طرف سے اندیشہ ہے۔

امیر وفد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اندیشہ نہ کیجیے۔ ہم مبلغین کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ اگر ابوسفیان یا عکرمہ ہماری ذمہ داری کو توڑنا چاہیں گے تو ہماری ساری قوم ان پر حملہ کر دے گی۔

آنحضورؐ نے فرمایا مسلمانوں کو کسی اندیشہ کا خیال نہیں رکھنا چاہیئے ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور جو بات ہونے والی ہے۔ وہ بالضرور ہو کر رہے گی مسلمان پابند تقدیر ہیں۔ تقدیر سے مفر نہیں ہمیں ضرور مبلغ بھیجنے چاہئیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جب فخر عالم کا حکم ہے تو اب چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

عاصم نے کہا اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں نگہ جانے کو تیار ہوں۔

فخر عالم نے فرمایا۔ اگر تم تیار ہو تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں ایک تم ہو نو آدمی اور منتخب کر لو۔ اور کل صبح کی نماز پڑھ کر ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔

عاصم اجازت ملنے سے بہت خوش ہوئے انہوں نے کہا میں حضورؐ کے سامنے نام پیش کیے دیتا ہوں مرثدؓ بن ابی مرثد۔ عبداللہؓ بن طارق۔ خالدؓ بن البکیر۔ معتبؓ بن عبیدہ۔ خبیبؓ بن عدی۔ زیدؓ بن الدثنہ۔ ان کے علاوہ تین آدمی اور منتخب کر لونگا

حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے اچھے لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں خدا کے ہاتھ فروخت کر دی ہے۔

اب عاصم مع قریشی وفد کے اٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے جاتے ہی ان لوگوں کو جنہیں انہوں نے منتخب کیا تھا۔ اطلاع دیدی۔ ان لوگوں نے تیاری شروع کر دی۔

آنحضورؐ نے حضرت سعدؓ سے دریافت کیا۔ تم نے ابوبراء کی بابت کچھ سنا ہے

حضرت سعدؓ نے فرمایا حضورؐ میں ابوبراء کو جانتا ہوں وہ مالک بن جعفر کے بیٹے اور نجد کے مشہور رئیس ہیں۔ آج کل وہ مدینہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔

آنحضورؐ نے کہا۔ آج ابوبراء یہاں آنے والے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام پیش کروں۔

حضرت سعدؓ نے کہا۔ حضورصلعم اگر ابوبراء مسلمان ہو گئے تو تمام نجد مسلمان ہو جائیگا وجہ یہ ہے کہ ابوبراء کا بھتیجہ عامر بن الطفیل ہے۔ اور عامر کا رسوخ تمام نجد والوں پر ہے۔ ابوبراء کے مسلمان ہونے سے عامر بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گا۔ اور ان دونوں کے مسلمان ہونے سے نجد کے تمام قبائل مسلمان ہو جائیں گے۔

ابھی اس قدر ہی گفتگو ہونے پائی تھی۔ کہ سامنے سے چند اعرابی آتے نظر آئے ان میں سے ایک اعرابی نہایت شاندار اور سن رسیدہ تھا۔ سب سے آگے وہی آرہا تھا۔

حضرت سعدؓ نے انہیں دیکھتے ہی حضورصلعم سے مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ حضورؐ وہ ابوبراء آپہنچے۔ سب سے آگے ابوبراء ہیں۔ اور انکے پیچھے ان کے مصاحب ہیں۔

حضورؐ ابوبراء کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ کے اٹھتے ہی تمام صحابہ کرام بھی کھڑے ہو گئے۔

ابوبراء نے قریب آکر سلام کیا۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیکر انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ پہلے حضورؐ بیٹھے۔ پھر ابوبراء اور انکے بعد بقیہ تمام بھی بیٹھ گئے۔

کچھ دیر تو ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ موسم اور فصل وغیرہ کا حال پوچھا جاتا رہا۔ اسکے بعد آنحضورؐ نے ابوبراء سے فرمایا ابن عم میں آپ کے سامنے آج وہ مذہب پیش کرتا ہوں۔ جو خدا کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس خدا کی طرف جو خالق کائنات ہے ذرہ ذرہ جس کی صنعت اور قدرت کا مظہر ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا جس کے لیے نہ موت ہے نہ اونگھ ہے۔

یہ وہ مذہب ہے جس کی تلقین ہمارے جد اعظم حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت جبرئیل عؑ نے کی تھی۔ جس کی تجدید انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اس مذہب کا نام اسلام ہے۔ اور اسلام کے پیرو مسلمان کہلاتے ہیں۔ آؤ خدا کے پسندیدہ مذہب میں داخل ہو جاؤ۔

ابوبراء نہایت غور اور توجہ سے حضورصلعم کے ارشادات عالیہ سنتے رہے جب آنحضورصلعم خاموش ہوئے تو ابوبراء نے کہا۔

میں اسلام کی تعلیم کو پسند کرتا ہوں لیکن نجد کا رئیس ہوں اور میرا بھتیجہ

عامر بن الطفیل بھی رئیس ہے۔ نجد کے لوگ زیادہ سخت اور زیادہ خود دار ہیں۔ اند
ہے کہ اگر میں تنہا مسلمان ہو جاؤں تو وہ میرے درپے آزار ہو جائیں گے۔ اس لئے
آپ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیں اور وہ نجد چل کر اہل نجد کو وعظ و نصیحت کر
تو میرا خیال ہے۔ کہ میری ساری قوم مسلمان ہو جائے گی۔ پھر میں بھی مسلمان ہو
حضورؐ نے فرمایا۔ آپ کی بات تو معقول ہے لیکن مسلمانوں کی حفاظت و حمای
کا کون ذمہ دار ہوگا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ کی قوم مسلمانوں کو نقصان
نہ پہنچائے۔

ابوبراء نے کہا۔ جن مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ ان کی حمایت و حف
کا بھی میں ہی ذمہ دار ہونگا۔ آپ اس کا مطلق اندیشہ نہ کریں۔

آنحضورؐ سوچنے لگے۔ حضرت صدیقؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! اگرچہ ابوبراء رئیس
قوم ہے مگر تمام اہل نجد ان کے اطاعت گذار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا بھتیجہ عامر بن الطفی
کا زیادہ اثر و رسوخ ہے اور عامر بڑا ضدی۔ بڑا مکار اور بڑا جاہ پسند شخص ہے
لہذا اس کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

ابوبراء نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا اگرچہ عامر میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو آپ نے
بیان فرمائی ہیں۔ لیکن ایک خوبی بے نظیر ہے وہ یہ کہ وہ اپنے بزرگوں کا ادب و لحاظ کر
ہے۔ میری بات مانتا ہے۔ علاوہ اس کے نجد کے تمام قبائل اس کے زیر اثر نہیں ہیں اس
بات کا مطلق اندیشہ نہ کیجئے وہ میری حمایت توڑنے کی جرأت نہ کرے گا۔

حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ تمہارے ساتھ کس قدر لوگوں کو بھیجا جائے۔

ابوبراء نے کہا۔ چونکہ میں صرف نجد ہی میں تبلیغ کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ نواح نجد
کے تمام قبائل کو اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں اس لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت
ہے کم از کم ساٹھ ستر آدمی ہونے چاہئیں مگر یہ سب لوگ خوش الحان قاری اور
قرآن کے حافظ ہوں۔ مذہب اسلام سے کما حقہ واقف ہوں اچھے مقرر ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا ایسے ہی لوگ بھیجے جائیں گے۔

آپ نے ستر اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ یہ سب لوگ حافظ قرآن اور
مقرر خوش الحان تھے۔ ان میں عمرو بن امیہ ضمری بھی تھے۔ جو نہایت بہادر اور بڑے

دشیاز تھے۔ کمال خوش تھے۔ منذر بن عمرد کو ان لوگوں پر سردار مقرر کر دیا گیا۔
چونکہ ابو براء اگلے ہی روز نجد جانے والے تھے۔ اس لئے منتخب شدہ اصحاب
ہدایت کر دی گئی۔ کہ وہ ان کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔
دوسرے دن دس آدمی تو مکہ والوں کے ساتھ اور ستر اصحاب ابو براء کے
ہمراہ نجد روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب (۱۸)

دغا باز قاصد

تمام مسلمان۔ سارا عرب۔ کل عربی قبائل۔ اس بات کو بخوبی جانتے تھے
اہل مکہ عموماً۔ اور اہل قریش خصوصاً۔ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔ بدر اور
احد کی جنگ میں ان کے رئیس، قوم مارے جا چکے تھے جس کی وجہ سے نفرت وعداوت
کے جذبات اور گہرے ہو گئے تھے۔
کسی مسلمان کا جان و مال مکہ میں محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ ہر قدم پر اندیشہ تھا ہر
حرکت سے خدشہ تھا۔ گویا مکہ کا چپہ چپہ اور در و دیوار مسلمانوں پر تنگ اور وہاں
کے لوگ مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن ان اہم باتوں کو جانتے ہوئے اور سمجھتے ہو
بھی دھن فداکاران اسلام بلا کسی خوف و اندیشہ کے جان ہتھیلی پر رکھ کر تبلیغ
اسلام کے لئے دشمنوں کے شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔
وہ سارے دن ریگزار میں سخت دھوپ اور باد صرصر کے بدن کو جھلسا دینے
والے تیز جھونکوں میں سفر کرتے رہے رات کو ایک ریت کے ٹیلہ پر آرام کیا۔ کھانا کھایا۔
نماز پڑھی اور سو رہے۔
صبح بہت سویرے بیدار ہوئے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر صبح کی نماز پڑھی۔
اور پھر سفر پر آمادہ ہو گئے لیکن سفر پر روانہ ہونے سے پہلے جب انہوں نے تمام آدمیوں
کو شمار کیا۔ تو وفد والوں میں سے ایک آدمی کم تھا۔
سب کو حیرت ہوئی کہ ایک شخص کہاں غائب ہو گیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید
ضروریات سے فراغت کرنے کے لئے کہیں دور نکل گیا ہے اور ابھی تک

واپس نہیں آیا۔

سب اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک انتظار کیا۔ کہ دوپہر کا وقت ہوگیا۔ آفتاب نے نصف النہار پر آکر اپنی گرم اور تیز شعاعیں ڈال ڈال کر ریگزار کو تپا دیا۔ گرم ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بگولے اٹھ اٹھ کر ریت کو چکر دینے لگے۔ فضا غبار آلود ہوگئی۔ آفتاب باد تند کے ساتھ اڑنے والے ریت کے نیچے چھپ گیا۔

یہ تمام لوگ ٹیلہ کی آڑ میں بیٹھے اپنے گم شدہ ساتھی کے آنے کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کی شام ہوگئی۔ باد سموم کے جھونکے بند ہوگئے آفتاب جانب مغرب میں ڈوبنے لگا۔

اب ان لوگوں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا ساتھی راستہ بھول گیا۔ اور باد سموم نے اسے بھٹکا کر کسی اور طرف نکال دیا۔

تعجب یہ تھا۔ کہ گم شدہ آدمی کا اونٹ بھی گم تھا۔ جس سے یہ خیال ہوتا تھا۔ کہ وہ اونٹ کے اوپر سوار ہوکر گیا ہے۔ لیکن کہاں گیا۔ اور کیوں گیا۔ یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔

رات کو ان لوگوں نے اسی جگہ قیام کیا۔ اور دوسرے روز سب تلاش میں روانہ ہوئے۔ سارے دن جستجو کرتے پھرے مگر اس کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ تھک کر شام کو پھر اسی جگہ آگئے جہاں سے چلے تھے۔

اب سب نے سمجھ لیا۔ کہ یا تو وہ شخص کہیں ریت میں دب گیا ہے یا اونٹ اسے کسی اور طرف لے گیا ہے۔ اب مزید تلاش بے سود و بے کار ہے۔ لہذا مجبوراً یہ لوگ تیسرے دن مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ مختصر قافلہ دن بھر سفر کرتا اور رات کو کسی ٹیلہ پر ٹھہر کر آرام کرتا کئی دن سفر کرنے کے بعد ایک روز مقام ربیع پہنچا۔ اس مقام پر قبیلہ ہذیل آباد تھے۔

یہ جگہ پتھریلی تھی۔ اس کے قریب ہی پہاڑی کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ پہاڑی جھلسی ہوئی۔ سیاہ چٹانیں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔

جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے۔ تو انہوں نے اس شخص کو سامنے سے آتے دیکھا۔ جو گم ہوگیا تھا۔ عاصم نے اسے دیکھ کر فوراً مسرت کے جوش میں کہا۔

یا اخا! تم کہاں چلے گئے تھے۔ ہم سب تمہاری گمشدگی سے پریشان ہوگئے تھے۔

اس اعرابی کی آنکھوں سے مکاری و فریب کاری کی چمک نمودار ہوئی۔ اس نے کہا۔ میں آپ سے آگے ہی چلا آیا تھا۔ اس لئے کہ ایک ضروری کام انجام دینا تھا۔

عاصم نے کہا۔ اگر آنا ہی تھا تو کم از کم ہم کو اطلاع دیکر آتے ہم پریشان نہ ہوتے۔

اعرابی نے ہنس کر کہا۔ اب آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

عاصم اس گفتگو سے کچھ چونکے انھوں نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے چہرے سے شیطنت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ سامنے سے تقریباً دو سو نوجوان تلواریں ہاتھوں میں لئے ان کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جو تیزی سے دوڑی چلی آرہی تھی۔

عاصمؓ اور تمام مسلمانوں نے بیک نظر ان آنے والوں کو دیکھا خبیبؓ بن عدی نے عاصمؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

عاصمؓ تمہارے مہمانوں نے دغا دی۔

عاصمؓ نے کہا۔ بیشک فریب دیا۔ مکاری کی۔ مسلمانو! آؤ اس قریب کی پہاڑی پر چڑھ لو۔

یہ کہتے ہی عاصم پہاڑی کی طرف چلے۔ تمام مسلمان ان کے ساتھ ہو لئے۔ ابھی یہ لوگ چند ہی قدم گئے تھے کہ اہل وفد نے تلواریں میانوں سے کھینچکر ان پر حملہ کر دیا۔

امیر وفد نے کہا۔ کہاں جاتے ہو۔ تمہاری موت تم کو اس جگہ کھینچکر لائی ہے

مسلمانوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ عاصم نے کہا دغا بازو! آج تک کبھی اعرابی نے اپنی حمایت کو نہیں توڑا تھا۔ لوگ جان دیدیتے تھے۔ لیکن اپنی پناہ میں لینے والے پر آنچ نہ آنے دیتے تھے۔ لیکن آج تم نے عربوں کی قوم کو بٹہ لگایا۔ نامرد۔ بزدلو! سنبھلو موت تمہاری آگئی ہے۔

یہ کہتے ہی پہلے عاصمؓ پھر دوسرے مسلمان اہل وفد پر ٹوٹ پڑے والوں نے پہلے ہی حملہ کر دیا تھا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمانوں نے جلد جلد حملہ کر کے دو کافروں کو مار ڈالا۔ باقی مشرک زخمی ہو کر پیچھے ہٹے۔ مسلمان لپک کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔

اس عرصہ میں دو سو نوجوان اس جگہ آ پہنچے۔ جہاں جنگ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے دو ساتھیوں کو مقتول اور باقیوں کو مجروح دیکھ کر سخت غضبناک ہوئے وہ شور بے تمیزی بپا کرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔

مسلمان پہاڑی پر پہنچ گئے تھے۔ کفار پہاڑی کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے انھوں

نے دیکھا کہ مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے تلواریں سونتے کھڑے ہیں۔ کافروں نے سمجھ لیا کہ مسلمان آسانی سے ان کے قابو میں نہ آئیں گے۔ لڑیں گے۔ اور آخری دم تک لڑیں گے۔ دو آدمیوں کو قتل کر چکے ہیں۔ نہ معلوم اور کسقدر لوگوں کو مار ڈالیں۔ اس لیے انہوں نے دھوکہ سے کام لینا چاہا۔ ان میں ایک شخص نے کہا۔

مسلمانو! ہمارا قصد تم پر حملہ کرنے یا تم کو مار ڈالنے کا نہ تھا۔ بلکہ ہم تم کو آزما رہے تھے۔ کہ اگر مکہ والوں نے تم پر حملہ کیا۔ تو تم ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکو گے یا نہیں۔ تمہاری جرأت و دلیری دیکھ کر معلوم ہو گیا۔ کہ تم ڈرنے والے لوگ نہیں ہو بہادر قوم کے بہادر افراد ہو۔ آؤ! پہاڑی سے نیچے اتر آؤ۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے حامی و مددگار ہیں۔

عاصمؓ نے کہا۔ کمینو! دغابازو! تم ہم کو فریب دینا چاہتے ہو۔ ہم تمہارے دھوکہ میں آنے والے نہیں۔ ہم لڑ کر مر جائیں گے۔ مگر تمہارے دامِ فریب میں نہ آئیں گے۔

اب وہ عورت جو دو سو نوجوانوں کے ساتھ بھاگتی آرہی تھی۔ آگے بڑھی اور اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! سنو! میں یا یہ لوگ جو میرے ساتھ ہیں تم سب کو گرفتار کرنا یا مار ڈالنا نہیں چاہتے۔ میں صرف عاصم کی دشمن ہوں۔ عاصم کو میرے حوالے کر دو اور تم سب چلے جاؤ۔ کوئی تم سے تعرض نہ کرے گا۔

خبیبؓ نے دریافت کیا۔ او خوبصورت ڈائن! عاصمؓ کے ساتھ تیری دشمنی کی کیا وجہ ہے

عورت نے کہا۔ میرا نام سلافہ ہے۔ میں سعد کی بیٹی ہوں میرے دو بیٹوں کو عاصمؓ نے جنگ احد میں قتل کیا ہے۔ میں اس سے اپنے بیٹوں کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔

خبیبؓ نے کچھ کہنا چاہا۔ سلافہ نے انہیں روک کر کہا۔ ابھی میری بات سن لو اس وفد کو مکہ میں سے میں نے بھیجا تھا۔ اور تاکید کی تھی۔ کہ عاصم کو اپنے ہمراہ ضرور لیکر آویں میں نے عاصم کو لانے والے کیلئے یکصد اونٹ کا انعام مقرر کیا تھا۔ عاصم آگیا ہے لہٰذا تم اسے اب میرے حوالے کر دو۔ اور سب بخیریت واپس چلے جاؤ۔ لیکن اگر تم نے

۱؎ سلافہ بنت سعد کے دو بیٹے جنگ احد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ سلافہ کو ان کے مارے جانے سے بڑا الم ہوا۔ لہٰذا اس نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص عاصم کا سر کاٹ کر لائیگا وہ اسے سو اونٹ انعام دے گی۔ وہ مالدار عورت تھی۔ از تاریخ جہاں۔

صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

حمایت سے عاصم کو میرے حوالے نہ کیا تو یہ لوگ تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔

اب تم یہ سوچ کر فیصلہ کر لو کہ عاصم کو میرے حوالے کر کے اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو یا عاصم کا ساتھ دیکر مرنا منظور کرتے ہو؟

عاصم نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا برادران اسلام سلاقہ نے یہ دام فریب مجھے اسیر کرنے کے لئے پھیلایا تھا۔ وہ مجھے چاہتی ہے۔ اگر میں اس کے پاس چلا جاؤں تو وہ تم کو آزاد کر دینے کا وعدہ کرتی ہے۔ میرے خیال میں تم مجھے اس کے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچا کر واپس چلے جاؤ۔

خلیفہ بن نے جوش میں آ کر کہا۔ عاصم! کیا تم ہم سے یہ توقع رکھتے ہو کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے تم کو ڈائن سلاقہ کے اور جفا باز غیروں کے حوالہ کر دیں گے۔ خدا کی قسم ہم زندگی کے آخری سانس تک بھی ایسا نہ کریں گے۔

ایک مسلمان اگر وہ واقعی سچا اور راسخ العقیدہ مسلمان ہے تو وہ اپنے بھائی مسلمان پر آنچ نہ آنے دیگا۔ بفضلہ تعالیٰ ہم سچے مسلمان ہیں لہٰذا ہم کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتے۔

عاصم نے کہا۔ مسلمانو! سوچو! غور کرو کہ ہم صرف دس آدمی ہیں۔ دشمن ڈیڑھ سو سے زیادہ ہیں اگر یہ لڑائی شروع ہو گئی۔ تو ہم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا پھر کیوں نہ تم مجھے ان کے حوالے کر کے اپنی جانیں بچا لو۔

عزیز نے کہا۔ عاصم! آج ہم اپنی جانیں تم کو ہلاکت میں ڈال کر بچا لیں مگر کل قیامت کے روز داور محشر کو کیا جواب دیں گے۔ جبکہ ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم اپنے ایک بھائی کو دشمنوں کے حوالے کر کے اپنی جانیں بچا کر کیوں بھاگ آئے تھے اس وجہ سے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

ہماری زندگی اور موت تمہارے ساتھ اور تمہاری زندگی اور موت ہمارے ساتھ ہے۔

عاصم نے کہا لہٰذا میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم سب واپس چلے جاؤ اور میری وجہ سے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

زید بن الدثنہ نے کہا ہم سے بچ کر کوئی نہیں جا سکتا تب تقدیر نے جو ہماری قسمتوں میں لکھ دیا ہے وہ پیش آ کر رہے گا۔

عاصم نے کہا مسلمانو واقعی قضا و قدر کا حکم ہے۔ اچھا اگر تم جانا نہیں چاہتے تو ان

لوگوں سے کہدو کہ ہم عاصم کو حوالے کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

خبیبؓ نے بلند آواز سے کہا۔ اے قاتل سلافہ! ہم عاصم کو تیرے حوالے نہیں کر سکتے۔

سلافہ نے کہا۔ پھر سوچ لو۔ موت کو زندگی پر نہ ترجیح دو!

عبداللہ بن طارق نے کہا۔ ہم کافی غور و فکر کر چکے ہیں یہ فیصلہ بحث اور دو کد کے بعد قرار پایا ہے۔

اب سلافہ تیکھی ہوئی اس نے مشرکین سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ دلیرو! بڑھو اور ان چند گنتی کے مسلمانوں کو جو اپنی بے وقوفی سے پہاڑ کو اپنا مدفن بنانا چاہتے ہیں قتل کر ڈالو۔

سنو اور خوب گوش ہوش سے سنو! جو شخص عاصم کا سر کاٹ کر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔

یہ سنتے ہی کفار دور تک پہاڑی کے دامن میں پھیل گئے اور پہاڑی پر چڑھنے لگے مسلمان کل دس تھے وہ اتنی دور تک نہ پھیل سکتے تھے۔ جتنی دور تک مشرکین پھیل گئے تھے نہ کوئی ایسی چٹان تھی جسے پس پشت لیکر وہ مقابلہ کی تیاری کرتے اور نہ ایسی جگہ تھی کہ وہ گول دائرہ قائم کر لیتے۔

انہوں نے ایک چھوٹی سی صف قائم کی اور مدافعت کے لئے تیار ہو گئے مشرکین نہایت غیظ و غضب کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ رہے تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمان لڑیں گے اور موت کی لڑائیاں لڑیں گے۔

انہیں بدر اور احد کی لڑائی ہی میں مسلمانوں کی شجاعت و دلیری کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے وہ مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہوشیاری سے بڑھ رہے تھے۔

انہیں خوف تھا کہ کہیں مسلمان خود ہی لپک کر حملہ نہ کر دیں جب یہ لوگ مسلمانوں کے بالکل قریب پہنچ گئے تو انہوں نے تلواریں میانوں سے کھینچ کھینچ کر بڑے جوش اور بڑی قوت سے حملہ کر دیا۔

مسلمان پہلے سے بے خبر نہ تھے۔ لہذا انہوں نے بھی نہایت [illegible] سے ان کے حملہ کو روکا تلواریں بجلی کے مانند کوندتی ہوئی بلند ہوئیں [illegible] پر چمکتی نظر آئیں۔

تلواروں کی جھنکار اور متحاصمین کے قومی نعروں کی آواز سے تمام وادی گونج اٹھی مسلمان بہ نسبت کفار کے اس قدر کم تھے کہ مشرکین کے مقابلہ میں ان کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی مگر جوش ایمان نے ان میں ایسی قوت اور جرأت پیدا کر دی تھی کہ وہ قلت و کثرت کا خیال کئے بغیر سرفروشانہ جنگ لڑ رہے تھے۔

وہ جس طرف جھپٹ کر حملہ کرتے تھے دو چار کو واصل جہنم کر کے واپس لوٹتے تھے ہر مسلمان مجسمۂ شجاعت کا شیر بنا ہوا تھا اور شیر کی طرح جھپٹ جھپٹ کر حملہ کر رہا تھا۔

مشرکین بھی کمال دلیری اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ وہ بھی بڑھ بڑھ کر جوش و طیش میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ مگر باوجود اپنی کثرت اور پوری قوت سے حملہ کرنے کے بھی وہ مسلمانوں کو ایک اینچ پیچھے نہ ہٹا سکے تھے۔ بلکہ ہر حملہ میں دو چار حملہ آور مشرکین ہی ڈھیر ہو جاتے تھے۔ اس سے انہیں اور بھی غصہ آتا تھا اور جوش و غضب میں بھر کر وہ پھر حملہ کرتے تھے۔

جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی اعضائے انسانی کٹ کٹ کر گر رہے تھے خون پتھروں پر بہہ رہا تھا زخمی چلا رہے تھے سرفروش قومی نعرے لگا رہے تھے نیز تلواروں کی جھنکار کی آواز دور تک جا رہی تھی اور اس وقت ہوا نہایت تیز و تند ہو گئی تھی۔

باد صرصر کے تیز جھونکے ریت، گرد و غبار، اور کنکریاں اڑائے پھر رہے تھے سرفروش متحاصمین کے چہرے، کپڑے اور آنکھیں گرد و غبار سے اٹ گئے تھے۔

ہلکے ہلکے بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے آسمان پر بکھر گئے تھے۔ تیز ہوا انہیں بھی دھکیلے لئے پھرتی تھی۔

آفتاب عالمتاب نے سفید بادلوں کا نقاب اپنے منور چہرے پر ڈال لیا تھا۔ دھوپ کی تیزی اور چمک کم ہو گئی تھی۔ آسمان غبار آلود ہو گیا تھا۔ لوگوں نے یقین کر لیا تھا کہ یا تو آندھی آنے والی ہے۔ ایسی آندھی جو پہاڑ نما ریت کے تودوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دے گی۔ یا بارش ہوگی یا ممکن ہے باد و باراں کا طوفان اپنی پوری قوت سے عرب کے اس حصہ پر حملہ آور ہو۔

لڑنے والوں کو نہ آندھی کا خوف تھا نہ بارش کا خدشہ نہ باد و باراں کے طوفان کا اندیشہ۔

وہ لڑ رہے تھے اور موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ تلوار
جلد جلد بلند ہو ہو کر سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں چونکہ مسلمان کم تھے اس لیے بہت
تھوڑی جگہ محاذ جنگ قائم تھا لیکن اس جگہ جنگ بڑے زور و شور سے ہو رہی تھی بہا
آدمی سرفروشی کر رہے تھے۔

عبداللہ بن طارق اس جوش سے لڑ رہے تھے کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی
جھپٹ کر اچھل اچھل کر حملے کر رہے تھے۔ ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو واصل جہنم کر
دیتے تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ حملہ کرنے کے لیے جھپٹ کر ساتھیوں سے کچھ دور آگے
نکل گئے تو کفار نے ان کو چاروں طرف سے بڑھ بڑھ کر نرغہ میں لے لیا ہر طرف سے ان پر
تلواروں کی بارش ہونے لگی۔

عبداللہ بن طارق بری طرح سے گھرا گئے۔ سمجھ گئے کہ موت پیغام شہادت لیکر آگئی
ہے مشرکین کا حصار توڑ کر نکلنا ناممکن ہے۔

انہوں نے حیرت انگیز پھرتی اور حیرت خیز چابکدستی سے چاروں طرف تلوار چلانا
شروع کر دی۔ ڈھال پھینک دی۔

کفار ان کا جوش، ان کی حیرت انگیز پھرتی دیکھ کر آئینہ دار رہ گئے کافی دیر تک
عبداللہ اسی طرح لڑتے رہے۔ انہوں نے بہت سے کفار اور مشرکین کو قتل کر کے پتھرو
کی چٹانوں پر ڈال دیا۔

حیرت خیز چابکدستی سے وہ جنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت جلد ان کے بازو
شل کر دیئے۔ زیادہ جلد جلد حملہ کرنے سے ان کا دم پھول گیا۔ طاقت و توانائی نے جواب دید
ان تمام کمزوریوں کے باعث حملوں میں بھی سستی آگئی۔

کفار جو ان سے ڈر کر متوحش کناں پیچھے ہٹ رہے تھے چونکہ عبداللہ
ڈھال پھینک چکے تھے۔ اس وجہ سے حملہ آوروں کی تلواریں انہیں نقصان پہونچانے
اور زخمی کرنے لگیں۔

ان کے سر، سینہ اور شانوں پر متعدد گہرے زخم لگے۔ زخموں سے خون بہہ بہہ
کر انہیں مضمحل کرنے لگا۔
اگرچہ وہ اب انتہائی قوت اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے مگر بیباکی جلد

طاقت باقی نہ رہی تھی صرف جوش ہی جوش باقی رہ گیا تھا مگر جوش بغیر طاقت کے کیا کام دے سکتا تھا۔ تاہم وہ زخمی شیر کی طرح جوش و غضب میں بھر بھر کر حملے کر رہے تھے ہر حملہ میں ایک نہ ایک کافر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

ان کے گرد بیشمار لاشیں پڑی تھیں۔ یا مجروح کفار پڑے اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔

ایک مرتبہ وہ حملہ کرنے کے لیے بڑھے۔ دو چار ہی قدم چلے تھے کہ ایک لاش سے ٹھوکر کھائی۔ ٹھوکر کھاتے ہی جھکے۔

ان کے جھکتے ہی متعدد تلواریں ان کے جسم پر پڑیں۔ ہر تلوار گہرا زخم لگا کر مجروح کرتے ہوئے نکلی چلی گئی۔

تمام بدن زخموں سے چور ہو گیا۔ ہر زخم سے خون کا فوارہ ابل آیا۔ ضعف بڑھ گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اٹھنا یا اٹھ کر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا مگر وہ لڑکھڑا کر اٹھتے ہی حملہ آور ہوئے۔ پوری قوت سے حملہ کیا۔ سامنے والے دو کافروں کو قتل کر کے اپنی پشت کی طرف لوٹے۔

اب طاقت نے بالکل جواب دے دیا لڑکھڑا کر گر پڑے گرتے ہی مشرکین نے تلواروں سے ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ وہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو متفرق کر کے ہر مجاہد کو نرغہ میں لے لیا تھا۔ ہر مسلمان اپنی حالت میں اسیر تھا۔ اور پورے جوش سے لڑ رہا تھا۔

کفار نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ بہت جلد ان گنتی کے چند مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے زیادہ کد و کاوش سے دوچار نہ ہونا پڑے گا مگر مجاہدین اسلام کی دلیرانہ جنگ نے انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ گو وہ قلیل التعداد مسلمان آسانی سے ان کے قابو میں نہ آ سکیں گے انہیں حیرت تھی کہ مسلمانوں میں اس قدر جوش و قوت کیسے پیدا ہو گئی ہے کس چیز نے اس قدر دلیر اور جری بنا دیا ہے کہ وہ بیس گنا دشمنوں سے بڑی بے خوفی و بے باکی سے لڑ رہے ہیں بہت کچھ غور و فکر کرنے کے باوجود بھی وہ اس عقدہ کو حل نہ کر سکے۔ وہ کافر تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے نہیں جانتے تھے کہ مسلمان خدا پرست ہیں۔

خدا پرستی نے انہیں جوش و قوت سے بہرہ اندوز کر دیا ہے۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا چند روزہ ہے زندگی عارضی ہے مرنے کے بعد اصلی زندگی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہی عقیدہ مسلمان کے جوش کا محرک ہوتا ہے اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت ایسے کام کر گزرتا ہے جو دنیا کو حیرت میں ڈال دیتے۔

جو قومیں موت سے ڈرتی ہیں ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں اور پست ہمت انسان کبھی معراج ترقی پر نہیں پہونچ سکتا۔

مسلمان بڑے جوش اور کمال دلیری سے لڑ رہے تھے ان کی خونخوار تلواریں مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھیں ہر مسلمان نے پانچ پانچ سات سات کافروں کو موت سے ہم آغوش کر ڈالا تھا۔

جنگ پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ سلافہ ایک اونچی چٹان پر کھڑی تھی اس نے بلند آواز سے کہا۔

دلیر عربو! ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ہم دو شکست دو۔ اور عاصم کو قتل کر کے اس کی کھوپڑی مجھے لا دو۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ میری قسم پوری ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوتا تھا کہ تمام کفار سلافہ کا احترام کرتے تھے جن لوگوں نے سلافہ کی آواز سنی تھی۔ انہوں نے یک آواز ہو کر کہا!

محترمہ سلافہ! تمہاری قسم پوری کی جائے گی۔ عاصم کا سر کاٹ کر تمہارے روبرو پیش کیا جائے گا۔

مسلمانوں نے بھی یہ باتیں سن لی تھیں۔ انہوں نے کہا جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے اس وقت تک سلافہ کی قسم ہرگز ہرگز منت تکمیل نہ ہونے پائیگی۔

عاصم نے بھی یہ گفتگو سنی تھی۔ انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ خداوند میں تیری حرمت و کبریائی کا واسطہ دے کر تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ مرنے کے بعد میرے سر کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔

له سلافہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیئے گی۔ وہ قسم کو پورا کرنے کیلئے اس نے اپنی توجہ دلائی (از تاریخ جہاں) (صادق اصلاحی سردھنوی)

یہ کہتے ہی انہوں نے اطمینانِ قلب سے کفار پر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں دو کافروں کے سر اڑا دیئے سامنے حملہ کر کے داہنی طرف پلٹے ایک کافر کو اس طرف قتل کر ڈالا۔

جب وہ پیچھے ہٹ رہے تھے تو ان کا پیر پھسل گیا اور گرتے گرتے تلوار کا سہارا لے کر رہ گئے۔

ابھی وہ کھڑے نہ ہوئے تھے کہ چاروں طرف سے کفار نے ان پر تلواریں ماریں۔ تلواروں نے ان کے بدن کو قیمہ کر دیا۔ انہوں نے پھر بھی کھڑا ہونے کی کوشش کی۔ جبکہ وہ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے ایک کافر کی تلوار ان کی گردن پر پڑی۔ سر کٹ گیا بے سر لاشہ تڑپنے لگا۔

چونکہ لڑتے لڑتے دیر ہو گئی تھی اس لئے تمام مسلمان زخموں اور تھکاوٹ سے چور ہو گئے تھے۔ اس پر بھی وہ مقدور بھر بلکہ مقدور سے بھی زیادہ طاقت سے لڑ رہے تھے۔ لیکن کب تک لڑتے اور کب تک طاقت ساتھ دیتی بالآخر نڈھال ہو گئے۔

کفار جوش و غضب میں آ کر حملے کر کے اور مسلمانوں کو شہید کرنا شروع کر دیا عاصم اور عبد اللہ پہلے شہید ہو چکے تھے چھ آدمی اب شہید ہو چکے تھے اب صرف دو مسلمان خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ باقی رہ گئے۔ یہ دونوں ابھی تک معروفِ جدال و قتال تھے جو کافران کے پاس آتا اس کے سر و تن میں فراقِ ابدی ڈال دیتے تھے۔

جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے۔ وہ دونوں خونخوار شیر اور ان کی تلواریں موت کا کوڑا بنی ہوئی تھیں۔ مشرکین ان سے خائف ہو ہو کر دور رہنے لگے تھے۔

ایک مرتبہ خبیبؓ نے بڑھ کر ایک کافر پر حملہ کیا ان کی خارا شگاف تلوار اس کے سر پر پڑی۔ سر کے دو ٹکڑے کر کے حلق تک اتر گئی۔

انہوں نے جلدی سے تلوار کھینچی اور دوسرے کافر پر حملہ کیا اس نے تلوار سامنے کر دی خبیبؓ کی تلوار اس کی تلوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی نہتے رہ گئے۔

کفار کو موقع مل گیا۔ انہوں نے بڑھ کر انہیں نرغہ میں لے لیا۔ کئی مشرک دوڑ کر ان سے لپٹ گئے۔ کشتی ہونے لگی۔

خبیبؓ تنہا تھے اور مشرک دس بارہ۔ کچھ دیر تو وہ لڑتے رہے مگر جب دیکھا کہ ان سے سربرآ ہونا مشکل ہے تو آپ ایک کافر سے لپٹ گئے اور اس کی پسلیوں کو اس

نذر دبا کر کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں تو چیخنے لگا اور چیختے ہی چیختے مر گیا۔

اب کفار نے حبیب ؓ کو پکڑ کر رسیوں سے جکڑ لیا۔ زید ؓ بھی کٹ کٹ کر لڑ رہے تھے نہایت جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ حملہ کرنے کے لئے جھپٹے۔ ایک لاش سے ٹھوکر کھا کر گر گئے۔ کفار ان کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے انہیں دبوچ لیا اور قابو میں کر کے انہیں بھی رسیوں سے جکڑ دیا۔

اس طرح دس مسلمانوں میں آٹھ شہید ہو گئے اور دو گرفتار کر لیے گئے۔

کفار میں سے اکیاسی آدمی مقتول ہوئے۔ تیس شدید زخمی ہوئے جن کے بچنے اور جانبر ہونے کی امید نہ تھی۔ اکیس آدمی خفیف طور پر مجروح ہوئے۔

اس وقت ہوا کا طوفان اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا یعنی انسان اور پتھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ بڑے بڑے سنگریزے گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر کہیں سے کہیں جا پڑتے تھے۔ آسمان پیلے زرد رنگ میں رنگا گیا پھر آتشی رنگ نمودار ہوا اور کچھ وقفہ کے بعد اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ تمام کفار ہوا کے طوفان سے بچنے لئے چٹانوں کی آڑ میں چھپ گئے۔

تھوڑی سی دیر میں گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ ایسی سخت آوازیں آنے لگیں جیسے ایک ساتھ کئی کئی توپیں چھوٹ جاتی ہیں۔

اس ہولناک آواز سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ کفار نے اپنے دامنوں کی دھجیاں پھاڑ پھاڑ کر کانوں میں ٹھونس لیں۔

اب آنکھوں کو خیرہ کرنے والی بجلی کی چمک پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ لوگوں کا خیال صحیح نکلا۔ باد و باراں کا طوفان امڈ آیا جس میں بجلی کی چمک اور کڑک نے ہولناک اضافہ کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ہوا کا شور تھم گیا مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی کی کڑک دل ہلا دیتی تھی۔ بارش کا طوفان شور کو مضاعف کر رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساکنانِ عالمِ بالا بھی مظلوم مسلمانوں کی شہادت پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہے ہیں۔

بارش اس کثرت سے ہوئی کہ پانی کا سیلاب مرتیانوں کے سروں اور لاشوں کو بہالے گیا صرف یہی نہیں بلکہ معمولی وزن کے پتھر بھی سیلاب کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد باد باراں کا طوفان بے تمیزی رکا بجلی کی کڑک اور چمک بند ہوئی فضا ساکن ہوئی کفار کی جان میں جان آئی۔

وہ اٹھے اور چٹانوں کے پیچھے سے نکلے اور اپنے کپڑوں کو نچوڑ نچوڑ کر پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔

سلافہ اپنی قسم بھول گئی اس نے عاصم کا سر تلاش نہیں کیا شاید وہ باد و باراں کے طوفان سے خوفزدہ ہو گئی تھی یا اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب عاصم کے سر کا ملنا غیر ممکن ہو گیا۔ جب یہ لوگ پہاڑی سے نیچے اترے تو انہوں نے اب بھی پانی کے سیلاب کو بڑے زور شور سے نشیب کی طرف رواں دیکھا۔

وہ پانی میں گھس کر راستہ طے کرنے لگے مسلمان اسیروں کو انہوں نے اپنے درمیان میں لے لیا۔

سلافہ کا چہرہ خوف و دہشت سے زرد ہو رہا تھا۔ تمام مشرکوں کے چہروں سے بھی خوف و ہراس مترشح تھا۔ وہ اس تیزی سے پانی کو چیرتے ہوئے چلے جا رہے تھے جیسے انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں دوبارہ باد و باراں کا طوفان آ کر انہیں ہلاک نہ کر ڈالے۔

اگرچہ مسلمان بھی متفکر و مغموم تھے لیکن خوف و دہشت کی علامات ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہو رہی تھیں۔ وہ نڈر کفار کی حراست میں ان کے ساتھ چل رہے تھے۔

انیسواں باب ۱۹

وحشیانہ سنگدلی

جس وقت ابو براء ستر صحابہ کو ہمراہ لے کر نجد روانہ ہوئے تھے اسی وقت آنحضورؐ نے ابو براء کے مشورہ سے اس کے بھتیجے عامر بن الطفیل کو ایک خط لکھ کر حرم بن ملحان کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔

اس خط کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ عامر کو معلوم ہو جائے کہ جو مسلمان آ رہا ہے

ہیں وہ ابو براء اس کے چچا کی حمایت میں شامل ہیں ہیں۔

عامر نوجوان اور مغرور شخص تھا اسے اسلام اور مسلمانوں سے خدائی بیر تھا جوں

جوں وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی خبریں سنتا تھا آتشِ حسد سے جلتا جاتا تھا۔

اس میں اس قدر طاقت نہیں تھی کہ وہ مدینہ پر لشکر کشی کرتا۔ مگر مسلمانوں کو

نقصان پہونچانے کے منصوبے باندھا کرتا تھا۔

ایک روز وہ بیر معونہ پر کھڑا تھا اور دس بارہ اس کے ہم مشرب لوگ اس

کے ہمراہ تھے۔ بیر معونہ اراضی بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع تھا اس نواح

میں بنو عامر اور بنو سلیم دو زبردست قبائل آباد تھے۔ ان قبیلوں کی وجہ سے اس

سرزمین کا نام ان قبائل ہی کے نام سے موسوم ہو گیا تھا۔

عامر نے ایک صحابی کو ایک اونٹ پر سوار آتے دیکھا اس نے اپنے ساتھیوں سے

مخاطب ہو کر کہا۔

تم اس شتر سوار اعرابی کو دیکھ رہے ہو؟

تمام لوگوں نے اس شتر سوار کو دیکھ لیا تھا۔ سب نے کہا۔ ہاں دیکھ رہے ہیں

شاید وہ مدینہ سے آ رہا ہے۔

عامر نے کہا۔ میرا بھی خیال ہے۔ عجب نہیں یہ مسلمان ہو اور میرے پاس کوئی

پیغام لا رہا ہو۔

ایک شخص نے ان سے دریافت کیا۔ فرض کرو وہ مسلمان ہو!

عامر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہبل کی قسم اگر وہ مسلمان ہوا تو بغیر کچھ کلام

کے قتل کر ڈالوں گا جس وقت میں اشارہ کروں تم سب اسے لپٹ جانا۔

سنا ہے کہ یہ مسلمان بہادر ہوتے ہیں لہذا اسے لڑنے کا موقع ہی نہ دینا ورنہ

وہ ایک دو کو ضرور بالضرور ختم کر ڈالے گا۔

اس عرصہ میں شتر سوار ان کے قریب آ گیا یہ حرام بن ملحان تھے جو آنحضرت

کا خط لیکر آئے تھے وہ عامر سے واقف تھے انہوں نے اسے پہچان لیا عامر ان کو

نہ جانتا تھا۔

حرام ؓ نے عامر کے پاس پہنچ کر کہا۔ یا سیدی! میں آپ کے پاس آیا ہوں!

عامر نے کہا میرے پاس؟......

حرم نے کہا۔ آپ نے حضرت محمدؐ کا نام سنا ہوگا؟....

عامر نے قطع کلام کر کے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ہاں سنا ہے! جس کو اس کے وطن والوں نے مکہ سے نکال دیا ہے۔ اور جو مدینہ والوں کو ساتھ لے کر اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ والوں سے لڑ رہا ہے؟"

حرم نے کہا۔ شاید آپ کو یہ بھی علم ہوگا کہ لڑائیاں کیوں ہوئیں۔ زیادتی کس کی ہے۔

عامر نے کہا۔ مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہیں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت محمدؐ نے ایک نیا مذہب جاری کر کے ملک اور قوم کے اندر فتنہ ڈال دیا ہے۔

حرم نے کہا۔ آپ کو غلط اطلاع پہونچی۔ آنحضورؐ جس مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ نیا مذہب نہیں ہے وہ وہی مذہب ہے جو ہمارے اور آپکے اور ساری دنیا کے باوا آدم کا مذہب تھا۔

جو حضرت نوح کا مذہب تھا حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ حضرت عیسیٰ روح اللہ سب اس مذہب کی تلقین کرتے چلے آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مذہب کا نام اسلام اور اسلام میں داخل ہونے والے کا نام مسلمان رکھا تھا۔

اسلام خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے آنحضورؐ خدا کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں حضورؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔

عامر نے دریافت کیا۔ یہ تم آنحضورؐ کسے کہتے ہو؟

حرم نے کہا۔ مسلمان حضرت محمدؐ کا نام بوجہ انکی حرمت و تعظیم کے کم لیتے ہیں صرف آنحضورؐ کہہ دیتے ہیں۔

عامر۔ کیا تم مسلمان ہو؟

حرم۔ ہاں میں مسلمان ہوں اور حضرت محمدؐ کا خط تمہارے پاس لایا ہوں۔

عامر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ اچانک بڑھے اتنے میں کہ حرم معاملہ کی نوعیت سمجھیں کئی آدمیوں نے بڑھ کر انہیں اپنے قابو میں کر لیا۔

عامر نے ان سے کہا۔

او کمینے مسلمان تمہارا نام کیا ہے؟

حرم ؓ نے فرمایا۔ بزدل۔ کمینہ۔ میرا نام حرم ہے میں ملحان کا بیٹا ہوں۔ دغاباز ذلیل۔ اگر دعوی بہادری کا ہے تو مقابلہ کر!"

عامر نے کھسیانا ہو کر قہقہہ لگایا۔ اس نے کہا!"

ملحان کے بیٹے! تجھے بھی اپنی بہادری پر غرّہ ہے۔ میں مانے لیتا ہوں کہ بہادر ہو۔ مگر حرم کس قدر حماقت ہے کہ تم اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔

حرم نے کچھ کہنا چاہا۔ عامر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

سنو حرم! مجھے معلوم ہے کہ مسلمان بیباک اور گستاخ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کوئی بات کہو جو میرے دل کو مجروح کر دے۔ میری تو یہ آرزو ہے کہ تم اسلام چھوڑ دو اور اپنے آبائی مذہب پہ آجاؤ۔ اگر تم کو یہ خوف ہے کہ تمہارے اسلام چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم کو کوئی نقصان پہونچائیں گے تو میں تم کو اپنی حمایت میں لیتا ہوں۔

دنیا کی کوئی طاقت میری امان میں ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی میں تم کو دو سو اونٹ اور پانچسو بکریاں دوں گا۔ دو غلام تمہاری خدمت کے سونا چاندی خرچ کرنے کیلئے۔ اور ایک اچھی چراگاہ تمہارے مویشیوں کے چرنے کیلئے تم کو دیدوں گا نیز تم کو اختیار دیا جائے گا کہ تم میرے قبیلہ کی جس عورت یا لڑکی کو پسند کرو اس سے تمہاری شادی کر دوں۔ تمہاری زندگی امیرانہ طور پر بسر ہوگی۔ بولو یہ تمام شرائط منظور ہیں؟"

حرم ؓ نے فرمایا! عامر! اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ میں یا کوئی اور مسلمان کسی لالچ یا مصیبت میں آکر اسلام چھوڑ دے گا تو تم نے غلط سمجھا ہے کبھی کوئی مسلمان ایسا نہ کریگا۔

دنیا چند روزہ ہے۔ دنیا کا عیش و آرام بھی عارضی ہے دائمی زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد جسے آرام و سکون حاصل ہوا اس نے سب کچھ پالیا لیکن جسے مرنے کے بعد تکلیف ہوئی اس نے زندگی کا ماحصل کھو دیا۔

غور کیجئے: اگر آپکا غلام آپ کی نافرمانی کرے تو کیا آپ اس غلام سے مسرور و دلشاد کام ہوں گے؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس سے ناخوش ہو کر اسے سخت سزا دیں گے اسی طرح خدا ان بندوں سے کیسے خوش ہو سکتا ہے۔ جو اسے چھوڑ کر بتوں یا دوسری چیزوں کو پوجتے

ہیں۔ اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

ایسے لوگ خدا کے غضب سے اسیر ہونگے۔ ڈرو اس دن سے جبکہ داورِ محشر ہر انسان کو اس کی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب لے گا!

عامر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں وعظ و نصیحت سننا نہیں چاہتا یہ دریافت کرتا ہوں کہ تم اسلام چھوڑنے پر تیار ہو کہ نہیں؟

حرم نے دلیرانہ انداز میں کہا۔ میں اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔

عامر نے برافروختہ ہو کر کہا۔ اگر تم نے اسلام نہ چھوڑا تو تجھے قتل کر ڈالا جائیگا۔

حرم۔ کچھ پرواہ نہیں!

عامر نے غضبناک ہو کر تلوار میان سے کھینچی اور پر غیظ لہجہ میں کہا۔

حرم اسلام چھوڑ دے ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اڑا دیا جائے گا۔

حرم نے فرمایا! عامر! میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کوئی مسلمان کسی لالچ یا کسی خوف یا تکلیف سے متاثر ہو کر اسلام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔

عامر نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ تو کیا انکار ہے۔

حرم نے فرمایا۔ ہاں انکار ہے۔ اور تادم واپسیں انکار ہی رہے گا۔

عامر نے تلوار کا وار کیا۔ حرم نے سر جھکا دیا۔ تلوار گردن پر پڑی حرم شہید ہو کر گرے عامر نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

اس بدبخت کی لاش سامنے والے میدان میں ڈال دو۔ کوؤں۔ چیلوں اور گدھوں کی خوراک بن جائے گی۔

ایک بدبخت نے ان کی لاش گھسیٹ کر میدان میں ڈال دی۔

عامر نے تلوار صاف کر کے میان میں رکھی اور حرم کے عمامہ کو کھولا اس میں خط بندھا ہوا تھا۔ عامر نے خط کھول کر پڑھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔

یہ خط محمد الرسول اللہ کی جانب سے عامر بن الطفیل کے نام ہے۔

بعد سلام کے معلوم ہو کہ میں اس خدا کا فرستادہ نبی اور رسول ہوں جو کائنات عالم کا خالق ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

خود روز جزا کا مالک ہے دنیا و جہاں کا رب ہے۔ وہی پرستش کے قابل ہے و سزا دادہ ہے۔

میں تمکو اور تمہارے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ خدا کی بندگی شروع کر دو۔ شراب خوری۔ قمار بازی۔ زنا کاری اور تمام دوسرے عیوب کو ترک کر دو۔

تمہارے محترم چچا ابو براء یہاں آئے تھے میں ان کے ہمراہ ستر صحابہ بھیج رہا ہوں۔ جو شکوک یا غلط فہمی تم کو یا تمہارے قبیلہ کو ہوں ان سے تبادلہ خیالات کر کے رفع کر لینا اگر ان سے تسلی نہ ہو تو مدینہ آجاؤ یہاں تمہارے ہر قسم کے شکوک دور کر دیئے جائیں گے۔"

عامر نے خط پڑھ کر کہا کس قدر گستاخانہ خط ہے قسم ہے ہبل کی میں ان تمام مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ جو میرے چچا کے ہمراہ آرہے ہیں کیا تم لوگ میری اعانت کرو گے؟"

ان میں سے ایک شخص نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا!"

آپ جانتے ہیں کہ آپ کے قبیلہ بنو عامر پر آپ کے چچا ابو براء کا زیادہ اثر و رسوخ ہے اور وہ مسلمانوں کو اپنی امان میں لے کر آرہے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے قبیلہ کے سر برآوردہ لوگوں کو برانگیختہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابھار دیں"

عامر نے کہا۔ نہایت مناسب ہے۔ اچھا آؤ قبیلے کے سر برآوردہ افراد کو مسلمانوں کے قتل پر آمادہ کر دیں۔

یہ سب لوگ چلے یہ قبیلہ اگرچہ بادیہ نشین نہ تھا مگر برخلاف اس کے بستی میں آباد ہونے کو بھی پسند نہ کرتا تھا۔ میدان میں خیموں کے اندر ان کی عورتیں اور بچے رہگذار پر بیٹھے تھے تلواریں تیر اور نیزے ان کے پاس رکھے تھے۔ جنہیں وہ صیقل اور صاف کر رہے تھے عامر کو دیکھتے ہی سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ عامر ان کے قریب پہونچا سلام و دعا کے بعد بیٹھ گیا۔ اور حرف مطلب زبان پر لایا۔

خیمہ کے باہر بیٹھے ہوئے لوگ قبیلہ کے سردار معلوم ہوتے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

عامر تم کہتے ہو کہ مسلمان تمہارے چچا کی امان میں ہیں یا وہ حمایت میں ہیں ہم تمہارے چچا کی حمایت کو نہیں توڑ سکتے۔"

یہ بری بات ہے تم کو بھی اس میں کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ ابو براء تمہارے بزرگ ہیں اس کے علاوہ ہم عربوں کا یہ سوشل قانون ہے کہ جب ہم کسی کو اپنی حمایت میں لے لیتے ہیں تو زندگی کی آخری سانس تک اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوتے ہیں۔

یہ بات سخت ترین معیوب ہے کہ ہم اپنی حمایت کو توڑ ڈالیں تم تمہارے قبیلہ کو اس فعل کا ارتکاب کرکے بدنام کروگے۔

عامر سمجھ گیا کہ اس کی قوم کے لوگ اس کا ساتھ نہ دیں گے وہ خفا ہوکر اٹھ کھڑا ہوا اور بنو سلیم کے خیموں پر پہنچا۔

قبیلہ بنو سلیم۔ رعل۔ ذکوان اور عصبہ سربر آوردہ لوگ تھے۔ اتفاق سے وہ تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔

جب عامر نے اپنے تمام واقعہ بیان کرکے ان سے اعانت کی درخواست کی تو رعل نے کہا۔

اگرچہ یہ بری بات ہے کہ تم ابو براء کی حمایت میں نقص ڈالیں مگر ہم تمہارا بھی احترام کرتے ہیں۔ تم نے ہمارے خیموں پر آکر اعانت کی درخواست کی ہے ہم تمہاری درخواست مسترد کرکے تمکو مایوس نہ کریں گے۔

ذکوان نے کہا بلاشبہ ہم تمہاری امداد اور اعانت کریں گے لیکن ہم اگر مسلمانوں سے لڑے تو فساد بڑھ جانے کا احتمال ہے۔

اول تو مسلمان ہی بڑے بہادر اور جوشیلے ہوتے ہیں ان کا قابو میں آنا مشکل ہے دوسرے ممکن نہیں اغلب ہے کہ ابو براء کی وجہ سے تمہارا قبیلہ ان کی حمایت پر تیار ہوجائے اس لئے مناسب یہی ہے کہ مسلمانوں کو فریب دیکر قتل کر دیا جائے۔

عصبہ نے کہا بے شک ہم کو ایسا ہی کرنا سود مند رہے گا اور وہ اسطرح کہ ایک روز تمام مسلمانوں کی دعوت کی جائے اور موقعہ پاکر انہیں قتل کر ڈالا جائے۔

عامر نے کہا تدبیر تو جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ مگر میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو ہم دوش قتل کر دیں۔

رعل نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ جب مسلمان آ جائیں تو آپ کا فرض ہے کہ ہم کو مطلع کر دیا جائے۔

ذکوان نے کہا۔ نہ صرف اطلاع دی جائے بلکہ ان کی ضیافت کے لیے چند اونٹ

اور کچھ جو کا آٹا بھیج دیا جائے۔

عامر نے کہا۔ میں یہ سب انتظام کر دوں گا۔

اس بحث و ذریعہ کے بعد عامر اٹھ کر چلا گیا چند ہی روز کے بعد مسلمان ابو براء کی صحبت میں آ گئے۔

قبیلہ بنو عامر نے ان کی مدارات کرنا شروع کر دی۔ عامر نے بنو سلیم کو اطلاع بھیج اور ضیافت کا سامان بھی بھیج دیا۔

ایک روز رعل، ذکوان اور عصیہ تینوں ابو براء کے پاس پہنچے اور مسلمانوں کی دعوت کر کے انہیں اسی رات کو اپنے خیموں پر آنے کے لئے کہدیا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر ابو براء اور عامر مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لیکر بنو سلیم کے خیمو پر پہنچے۔ ایک وسیع میدان میں دور تک خیمے نصب تھے۔ چاندنی رات تھی چاند چاندنی کی سفید چادر ریگزار پر پھیلا رکھی تھی ریت کے ذرے چاندنی میں چمک رہے ٹھنڈی ہوا کے خوش گوار اور فرحت بخش جھونکے چل رہے تھے نہایت دل فریب منظ تھا ایک شاندار خیمہ کے سامنے کمبلوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

اس فرش پر سو سو فرزندان بنو سلیم بیٹھے خوش گپیاں ہانک رہے تھے۔ رعل ابو بر عامر اور مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے ذکوان نے بڑھ کر کہا۔

بنو سلیم کے لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ان کے خیموں پر نجد کے معزز رئیس ابو اور عامر معہ اپنے شریف مہمانوں کے تشریف لائے ہیں، اپنے قبیلہ کی طرف سے آپ تمام معززین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

رعل نے کہا۔ اگر ہمارے معزز مہمان پسند فرمائیں گے تو آج ہم اپنی عورتوں سے ایسا سامع نواز گانا سنوائیں گے جو آج تک پہلے ان خیموں میں کسی نے نہیں سنا۔

عامر نے کہا۔ معزز میزبانو! ہم تمہاری عزت افزائی کے لئے خیموں پر نہیں آئے بلکہ تمہاری مشہور مغنیہ عورتوں کا گانا ہی سننے کیلئے آئے ہیں۔

عصیہ نے کہا۔ زہے قسمت۔ تشریف رکھئے۔ اور سب سے پہلے گانا ہی سنئے گا دیکھ ہماری لڑکیوں نے کس قدر کمال حاصل کر لیا ہے۔

ابو براء اور عامر نیز تمام ہمراہ آمدہ مسلمان فرش پر بیٹھ گئے قبیلہ بنو سلیم کے لوگ ریگزار پر ان کے سامنے آ بیٹھے۔

ذکوان اس جگہ سے جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ چند نوجوان حسین اور فریب زاہد لڑکیوں کو لے کر آیا۔

یہ دوشیزہ حسینان عرب ہاتھوں میں دف لئے ہوئے تھیں۔ انکی لمبی لمبی سیاہ زلفیں گندھی ہوئی ان کے گداز اور ابھرے ہوئے سینوں کے بر دو جانب اس طرح سے آویزاں تھیں جیسے دو سانپ پیچ و خم کھائے ہوئے پڑے ہیں۔

تمام زاہد فریب لڑکیاں حسین اور شوخ تھیں وہ آکر ایک طرف بیٹھ گئیں اور ربعی کے اشارہ کرنے پر سب نے دف بجانے اور باہم دل کش آواز کر گانا شروع کیا۔

جب انکی سریلی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہو نا شروع ہوئیں تو سننے والوں نے اندازہ کر لیا۔ کہ گانے میں تمام و کمال ملکہ رکھتی ہیں۔

انہوں نے ایک نظم شروع کی۔ جس میں ہبل۔ لات عزیٰ اور یعوق و نسر کی تعریف تھی۔

یہ تمام بت تھے جنہیں اہل عرب عموماً پوجا کرتے تھے حسین مغنیہ دوشیزہ کی روح پرور آوازوں نے تمام حاضرین کو مسحور و دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر رکھا تھا لیکن مسلمان بتوں کی تعریف سن کر منقبض ہو رہے تھے۔

جب نظم ختم ہوئی تو منذر بن عمرو نے کہا۔ اے اہل عرب اے بنو سلیم کے ہوشمند فرزندو! اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعریف و پرستش کرنا چھوڑ دو۔

اب اس خدا کی تعریف و توصیف بیان کرو اس خدا کی پرستش جو رب العالمین ہے۔ جو نہایت بڑی قدرت والا ہے۔ جس نے زمین و آسمان سورج۔ چاند اور ستارے بنائے ہیں۔

خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ پانی برساتا ہے۔ باغوں میں میوہ دار درخت اور ان میں وقت آنے پر میوہ لگاتا ہے۔ نیز خشک زمین پر سبزہ اگاتا ہے وہ بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ذکوان نے کہا۔ معزز مہمان ٹھہرو! ہم تمہاری باتیں پھر کسی دوسرے وقت سنیں گے۔

اب عورتوں نے پھر گانا شروع کیا اس مرتبہ جو نظم انہوں نے شروع کی اس میں

حرب الفجار کا مذکور تھا۔ اس جنگ میں لڑنے والوں بہادروں کی تعریف تھی۔ نہایت اچھی نظم تھی۔ لوگوں کے جذبات کو انگیختگی اور ہیجان میں لانے والی نظم تھی۔ نہایت پر اثر تھی۔ قریب قریب تمام حاضرین اس سے متاثر ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد عشاء کا وقت آ گیا۔ منذر بن عمرو نے کہا۔

"اب ہمارے عبادت کرنے کا وقت آ گیا ہے ہم کو پانی دیا جائے تاکہ ہم وضو کر کے نماز پڑھ لیں"

رعل نے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا۔ وہ دوڑ کر پانی کے مشکیزے اٹھا لائے۔ مسلمانوں نے وضو کرنا شروع کر دیا۔

عامر نے ذکوان کو علیحدہ لے جا کر کہا یا اخی! مسلمانوں کو اسی وقت قتل کر ڈالو جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں

ذکوان نے فرمایا۔ مناسب ہے لیکن ابو براء کا اندیشہ ہے

عامر نے کہا اندیشہ نہ کرو۔ رعل سے کہو وہ اسے باتوں میں لگا کر ان خیموں کی طرف لے جائے جو سامنے والے کھجوروں کے سائے میں نصب ہیں۔

ذکوان بڑھا۔ اس نے گانے والی عورتوں کو رخصت کر دیا اور رعل کو علیحدہ لے جا کر کہا۔

تم ابو براء کو سامنے والے خیمے کی طرف لے جاؤ ہم مسلمانوں کو اسی وقت ہی قتل کرنا چاہتے ہیں جب کہ وہ نماز پڑھیں گے"

رعل بے حد خوش ہوا۔ وہ ابو براء کے پاس آیا اور اس نے کہا۔

"یا سیدی! آئیے اتنے میں کہ مسلمان نماز پڑھیں۔ اتنے میں آپ اور میں ان خیموں تک ہو آئیں جو کھجوروں کے سایہ میں نصب ہیں۔

ابو براء نے کہا۔ ہاں چلو

اس کے بعد وہ دونوں آہستہ آہستہ چلے۔ مسلمانوں نے وضو سے فراغت کی اور نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

ذکوان نے اپنے ہمراہیوں سے آہستہ سے کہا۔ تمہاری آبدار تلواریں کہاں ہیں سب نے اپنے اپنے دامنوں کے نیچے سے تلواریں نکال لیں صاف و شفاف تلواریں چاندنی میں نکل کر بجلی کی طرح چمکنے لگیں۔

ذکوان نے کہا یہی موقعہ ہے۔ جب یہ لوگ سجدہ میں جائیں تو فوراً ان پر ٹوٹ پڑو اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر سب کو قتل کر ڈالو۔

سب نے آہستہ سے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے سردار!

یہ کہہ کر وہ بڑھے اور مسلمانوں کے قریب تینوں طرف جا کر کھڑے ہوئے جب مسلمان سر بسجود ہوئے تو سب نے اچانک ان پر حملہ کر دیا۔

تمام کفار مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے اور جلدی جلدی انہیں قتل کرنے لگے۔

مسلمان نماز پڑھ رہے تھے۔ سنگ دل دغا باز کمینوں کی تلواریں ان کے سروں پر پڑیں سر کٹ کٹ کر الگ ہو گئے۔ لاشیں تڑپنے لگیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ صرف عمرو بن امیہ کسی طرح سے بچ گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور پہنچتے ہی ایک عرب سے لپٹ گئے۔

انہوں نے اس عرب کا گلا اس زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں باہر آگئیں روح پرواز کر گئی اور وہ کشتہ ہو کر دھڑام سے زمین پر آ رہا۔

کئی آدمی عمرو کی طرف جھپٹے۔ عامر نے کہا اسے قتل نہ کرو بلکہ گرفتار کر لو میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرانے کی منت مانی ہے میں اس کے سر کے بال منڈوا کر اسے آزاد کروں گا۔ کیونکہ میری والدہ کی منت بھی پوری ہو جائیگی۔

اس اثنا میں چند لوگوں نے بڑھ کر عمرو کو پکڑ لیا فوراً قینچی سے ان کے سر کے بال تراش کر انہیں آزاد کر دیا گیا۔

عمرو اسی وقت وہاں سے چل پڑے۔ اس طرح ستر مسلمانوں کو سفاک اور وحشی بنو سلیم نے بدمعاش عامر کے کہنے سے شہید کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ابو براء اس جگہ آئے انہوں نے بنو سلیم کو مسلمانوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لیجاتے دیکھ کر دریافت کیا۔

دغا بازو۔ کمینو! کیا تم نے میری حمایت توڑ دی۔ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

ذکوان نے کہا۔ یا سیدی! افسوس نہ کیجئے۔ یہ لوگ ہمکو ہمارے دین سے منحرف کر کے بد دین بنانے آئے تھے۔ ان کا قتل کر دینا ہی بہتر اور ضروری تھا۔

ابو براء نے کہا تم نے برا کیا۔ بہت برا کیا تم نے میرے خاندان کو۔ میرے قبیلہ کو بٹہ لگا دیا۔ تاریخوں میں میرا نام برائی کے ساتھ لکھا جائیگا۔ تمام عرب میں۔

بدنام ہو جاؤں گا۔

رعل نے کہا۔ آپ ان باتوں کا مطلق خیال نہ کریں۔ تاریخ کوئی چیز نہیں فضول لوگ۔ معاشرتی، تمدنی، سیاسی، مذہبی اور جنگی واقعات لکھے چلے جاتے ہیں۔

اگر کوئی مورخ ہماری تاریخ لکھنے بیٹھے گا۔ تو وہ ہمارے تاثرات مذہبی کی تعریف کریگا۔ وہ لکھے گا کہ قبیلہ بنو سلیم نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی پوری کوشش کی تھی یہ ہماری تعریف ہوگی نہ کہ برائی۔

ابو براء کو کمال صدمہ تھا۔ اس کے چہرے سے رنج و غم کے آثار ظاہر تھے اس نے کہا رعل! تم نے نہیں میرے بھتیجے عامر نے میری امان کو توڑا مجھے دنیا کی نظروں میں حقیر کر دیا میں[1] اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ لیکن ایک بات کہے دیتا ہوں کان کھول کر سن لو۔

"جس مذہب کے آج تم خلاف ہو رہے ہو۔ جن لوگوں کو آج تم موت کے گھاٹ اتار رہے ہو وہ مذہب سارے عرب نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں چھا جائیگا۔ اور اس کے ماننے والے دنیا کے کثیر حصہ پر قابض ہوں گے دنیا بھر کی اقوام بڑی بڑی سلطنتیں تہ و بالا ہو جائیں گی تم سب اور تمہارا قبیلہ اسلام کا حلقہ بگوش ہوگا بلکہ عربستان سے بت پرستی کا جنازہ اٹھ جائے گا۔"

رعل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھیے۔ ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا۔

ابو براء نے قدرے جوش و غضب میں بھر کر کہا۔ ایسا ہی ہوگا یہ نوشتہ تقدیر ہے جو مٹ نہ سکے گا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے مزید اسلام پھیلا اور مسلمان بڑھتے رہے۔

اسلام کی تعلیم بھی ایسی ہی ہے کہ جو بھی سنتا ہے حلقہ بگوش اسلام ہوئے بغیر نہیں رہتا افسوس! تم نے اچھا نہ کیا بے گناہ مسلمانوں کو بڑی بے دردی اور سفاکی سے قتل کر ڈالا۔

ابو براء افسردہ خاطر ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ رعل ذکوان اور عصیہ نے مسلمان شہداءؓ

---

[1] ابو براء کو اس بات سے بڑا رنج ہوا کہ اس کی امان میں۔ اس کے بھتیجے نے خنجر ڈالا اس حادثہ کا اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ چند ہی روز بعد وہ مر گیا اس کے انتقال کے ایک ہفتہ کے بعد ہی عامر بن الطفیل بھی مر گیا مرض طاعون سے ہلاک ہو کر مر گیا (از تاریخ جہاں) صادق صدیقی سردھنوی

کی لاشیں میدان میں پھنکوا دیں۔

بیسواں باب ۲۰

برداشتہ درندگی

اسلام کو بدنام اور مسلمانوں پر اتہام لگانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مسلمانوں نے اقوام عالم کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گویا دنیا کے اندر مسلمان سب سے زیادہ طاقتور قوم تھی۔ جو باد صرصر کی طرح اٹھی اور آندھی کی طرح سارے عالم پر چھا گئی۔

اسلام کے سیلاب نے ہر مذہب والوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا اور ان کی تلواروں نے دنیا جہان کے بہادروں کو خاک و خون میں ملا دیا یہ کم فہمی یا عدم واقفیت نہیں تو اور کیا ہے؟

تاریخ اس بات کا مسلمہ ثبوت ہے کہ جس قدر اسلام اور مسلمانوں پر سختیاں ہوئیں غیر برداشتہ ابتلا آئے۔ مصائب کا نزول ہوا کسی قوم پر بھی ایسے شدید مصائب نازل نہ ہوئے لیکن متعصب لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔

حالانکہ اگر وہ ذرا غور کریں۔ ٹھنڈے دل سے تاریخوں کا مطالعہ کریں۔ واقعات کو پڑھیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام ایسے لوگوں سے شروع ہوا جنہیں کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی۔ مگر غریب مفلس اور بے یار لوگ مشرف با اسلام ہوئے۔

اس وجہ سے ان پر بے انتہا سختیاں کی گئیں۔ ایسی سختیاں جنکے سننے ہی سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ہر زمانہ میں تختۂ مشق جفا بنے رہے جو مذہب کسی بادشاہ سے شروع ہوا اس کی تبلیغ ہمیشہ تلوار کے زور سے ہوتی رہی مگر جو مذہب غریبوں سے شروع ہوا اس میں کبھی تلوار استعمال نہ کی گئی۔

مسلمانوں نے اس وقت تلوار اٹھائی جب انہیں دنیا میں زندہ رہنا دشوار نظر آنے لگا پھر طرفہ یہ ہے کہ خود کسی پر چڑھ کر نہیں گئے بلکہ دوسرے ان پر حملہ آور ہوئے اور چار و ناچار انہوں نے مدافعت کی۔

البتہ حیرت افزا بات ضرور ہے کہ وہ قلیل التعداد اور کمزور ہوتے ہوئے اس:

جوش و خروش اور بہادری سے لڑے کہ دشمن پر ان کی بہادری کا سکہ بیٹھ گیا اور دنیا جہان کی اقوام میں ان کی مردانگی کی شہرت ہو گئی۔

غالباً اسی دلیری اور شجاعت ہی سے متاثر ہوتے ہوئے غیر اقوام نے تبلیغ کو تلوار کا ذریعہ بنا دیا۔ حالانکہ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے کیونکہ واقعات سے ان کی تردید کا کافی ثبوت مل رہا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ انسان تلوار سے اس وقت تک ڈرا کرتا ہے جبتک تلوار اس کے سر پر بلند ہوتی ہے مگر جب تلوار دور ہو جاتی ہے تو اس کا خوف جاتا رہتا ہے اگر اقوام عالم مسلمانوں کی تلوار سے خوفزدہ ہو کر مسلمان ہو جاتیں تو جب مسلمان ان سے رخصت ہو جاتے تھے وہ پھر اپنے مذہب میں داخل ہو جاتیں مگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جو قوم۔ جو قبیلہ۔ جو خاندان یا جو شخص بھی مسلمان ہوا وہ پھر اپنے مذہب پر واپس نہیں لوٹا۔

ایک یہی بات سب سے بڑی دلیل ہے اس امر کی کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اپنے تاثرات و خوبی اخلاق حسنہ کی بدولت عالمگیر مذہب ہے جسکی وجہ سے صاف اور سادہ اصول ہونے کی بناء پر دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا آج دنیا میں جسقدر اسلام کے پرستار اسلام کے شیدائی اور اسلام کے فداکار موجود ہیں کسی دوسری قوم کے لوگ موجود نہیں۔

دنیا کا کوئی ملک۔ کوئی خطہ اسلام اور مسلمانوں سے خالی نہیں ہے مسلمانوں نے جسقدر قربانیاں کی ہیں جس قدر مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ کسی دوسری قوم نے نہ اس قدر قربانیاں دیں نہ اس قدر مصائب و آلام اٹھائے۔

سلافہ کے دو بیٹے جنگ احد میں حضرت عاصم کے ہاتھوں سے مارے گئے تھے اس نے عاصم سے انتقام لینے کے لئے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔

یہ وفد دھوکہ دیکر دس مسلمانوں کو ہمراہ لایا۔ ان میں ایک عاصم بھی تھے۔ رجیع کے مقام پر قبیلہ ہذیل کے دو سو نوجوانوں نے حملہ کر کے آٹھ مسلمانوں کو شہید کر دیا دو مسلمان خبیب اور زید گرفتار ہو گئے۔

سلافہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ حضرت عاصم کے کاسہ سر میں شراب بھر کر پیئے گی۔

لیکن قدرت نے اس کی قسم شرمندۂ تکمیل نہ ہونے دی۔ طوفان باد و باراں آیا اور مسجد کو بہا کر لے گیا۔

سلافہ خبیبؓ اور زیدؓ کو ہمراہ لیکر مکہ میں داخل ہو گئی مکہ والوں کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت اور نفرت تھی۔ لہذا انہوں نے گرفتار کرنے والوں کو معاوضہ دیکر دو قیدیوں کو حارث ابن عامر کے گھر میں قید کر دیا اور حارث کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ انہیں بھوکا پیاسا رکھے۔ اسی وقت تک کھانے کے لیے کچھ نہ دے تاوقتیکہ وہ اسلام سے نہ پھر جائیں۔

چنانچہ حارث نے سختی سے اس حکم پر عمل کیا اس نے کھانا اور پانی قطعی بند کر دیا۔ عرب گرم ملک ہے گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ بغیر پانی کے انسان دو روز تک بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ کھانا اور پانی بند ہونے سے خبیبؓ اور زیدؓ کو شدید تکلیف ہوئی مگر خدا کے نیک بندوں نے اسلام کے جاں نثاروں نے نہایت صبر و شکر سے اس مصیبت کا مقابلہ کیا۔

انسانوں سے تو کیا بلکہ خدا و ند قدوس سے بھی بھوک، اور پیاس کی شکایت نہ کی کئی روز بے آب و دانہ گذر گئے۔

ایک روز حارث اور صفوان بن امیہ خبیبؓ اور زیدؓ کے پاس آئے دیکھا تو ان دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نقاہت بڑھی ہوئی تھی اور سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے رہ گئے تھے۔

آنکھیں حلقوں میں گھس گئی تھیں۔ چہرے پیلے اور درست سے ہو گئے تھے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ بھوک اور پیاس نے انہیں زندگی سے دور اور موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔

حارث نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

مسلمانو! ہم دونوں قریش کے فرستادہ تمہارے پاس آئے ہیں۔ اگر تم دونوں اسلام چھوڑ دو اور اپنے آبائی مذہب میں داخل ہو جاؤ تو جس چیز کی تم خواہش کرو گے تم کو دیدی جائے گی۔

خوبصورت مکانات، سرسبز باغات، اونٹ، بکریاں، سونا، چاندی، عورتیں خواہ وہ کسی قبیلہ سے ہوں الغرض کہ جو کچھ تم اپنے منہ سے چاہو گے سب کچھ تم کو ملے۔

جائے گا

خبیبؓ نے دریافت کیا لیکن اگر ہم اسلام نہ چھوڑیں گے تو؟"

حارث نے جواب دیا تو ایک ایک دانہ اور پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیے ترس ترس کر مر جاؤ گے۔

زیدؓ نے خوشی سے مسرور ہو کر فرمایا۔ ہمیں اسی طرح مرنا منظور ہے۔

حارث نے کہا حماقت نہ کرو (حضرت) محمد (صلعم) کے پاس کیا رکھا ہے وہ بے زر بے گھر اور مفلس و نادار ہیں لہٰذا تم کو کچھ بھی نہیں دے سکتے اس فضول تگ و دو میں کیوں اپنی عزیز ترین متاع زندگی اور واپس نہ آنے والی جوانی تباہ و برباد کر رہے ہو۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ اگر تم نے یہ سمجھا ہے کہ ہم یا دوسرے مسلمان کسی حرص و آز کے دام تزویر کے صید ہو کر مسلمان ہوئے ہیں۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے کوئی شخص کسی لالچ یا جبر و اکراہ کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا برعکس اس کے نہ کسی لالچ اور خوف سے مرعوب ہو کر کوئی شخص اسلام چھوڑ سکتا ہے۔

ہم بغیر سوچے سمجھے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے مشرف با اسلام ہوئے ہیں اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس پر قائم رہیں گے۔

صفوان نے کہا۔ خبیبؓ سوچو اور چشم بصیرت کھول کر غور کرو کہ ایسے مذہب کو اختیار کرنے سے کیا فائدہ جو تمہاری کچھ بھی امداد نہ کر سکے۔

جس خدا کو تم پوجتے ہو۔ وہ تمہاری خبر نہیں لیتا جس شخص کے تم پیرو ہو۔ وہ تمہاری حمایت اور نہ تم کو اس سے کسی قسم کی امداد پہنچنے کی توقع ہے پھر کیوں بے سود اپنی جانیں تلف کرتے ہو!"

خبیبؓ نے فرمایا۔ خدا مسلمانوں کی آزمائش کرتا ہے ہم اس کے فدائی اور شیدائی ہیں۔ ہماری وفاداری ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اس امتحان میں کامیاب ہوں۔"

صفوان! دنیا سرائے فانی ہے زندگی چند روزہ ہے موت لابدی اور یقینی ہے اور مرنے کے بعد خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جانا ہے زندگی کے اعمال و افعال کا حساب دینا ہے۔

وہاں نہ دولت کام آئے گی نہ دنیا کی عزت و جاہ۔ اگر کچھ کام آئیں گے تو پرہیزگاری وغیرہ کام آئیں گے پھر کس زندگی پر خدا کی نافرمانی کر کے خدا کے قہر و غضب کو جھنجھوڑا جائے۔

حارث نے بگڑ کر کہا۔ گویا تم موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہو؟

خبیبؓ نے کہا۔ ہاں ہم مشرکانہ اور ملحدانہ زندگی کو خدا کی یاد میں موت آنے سے اچھا نہیں سمجھتے۔

انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے خدا ہی روزی رساں ہے اور خدا ہی عزت دیتا ہے خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں سانس لیتا ہے۔ کس قدر احسان فراموشی ہے کہ اس خدا کو چھوڑ کر ان خداؤں کی پرستش کی جائے کہ جو نہ بول سکتے ہیں نہ حرکت کر سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتے ہیں گویا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

حارث نے طیش و غضب سے مغلوب ہو کر کہا۔

"اچھا تم اپنی موت کا انتظار کرو کل تمہاری زندگیاں ختم کر دی جائیں گی"

خبیبؓ اس کے یہ قہر آلود الفاظ سن کر خاموش ہو گئے حارث اور صفوان چلے گئے۔

اس وقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا دھوپ کھجوروں کے درختوں پر اور مکانوں کی دیواروں پر پھیلنے لگی تھی۔

ابھی حارث اور صفوان کو مظلوم قیدیوں کے پاس سے گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حارث کا چھوٹا بچہ چھری ہاتھ میں لئے ہوئے کھیلتا ہوا آیا اور خبیبؓ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

خبیبؓ نے اسے پیار و محبت سے بلایا بچہ جھٹ ان کے پاس آ گیا۔ انہوں نے اس سے چھری لے کر الگ رکھ دی اور اسے اپنے زانو پر بٹھا کر اس سے باتیں کرنے لگے بچہ چھوٹی عمر کا تھا ابھی بولنا سیکھتا تھا۔ اس نے کہا۔

عمو! تم زنجیریں پہنے کیوں بیٹھے ہو؟

خبیبؓ نے فرمایا۔ ہم کو تمہارے ابا نے قید کر رکھا ہے۔

بچہ نے پوچھا کیوں؟

خبیبؓ نے کہا۔ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ کو پوجتے ہیں۔

بچے نے دریافت کیا۔ اللہ کہاں ہے!

خبیب رضؓ نے کہا۔ وہ ہر جگہ ہے۔ وہاں آسمان پر بھی رہتا ہے۔

بچے نے کہا۔ مجھے آسمان پر لے چلو۔

خبیب رضؓ نے کہا۔ بیٹے تم آسمان پر نہیں جا سکتے۔

بچہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کسی عورت کے چیخ مارنے کی آواز آئی۔ خبیب رضؓ، زید رضؓ اور بچے نے ایک ساتھ نظریں اٹھا کر دیکھا۔

حارث کی بیوی یعنی بچے کی والدہ سامنے کھڑی فرطِ غم والم سے کانپ اور رو رہی تھی۔ بچے نے کہا۔ میری امی جان رو رہی ہیں۔

عورت لرزتے ہوئے اور گریہ کناں ان کی طرف بڑھی اس نے عاجزی کے لہجے میں کہا۔ اے خدا رسیدہ مسلمانو! میرا ایک ہی بچہ ہے اسے مار کر میری زندگی تلخ نہ کر دینا۔

خبیب رضؓ نے کہا۔ محترم خاتون! آپ کسی قسم کا غم و فکر نہ کریں اگرچہ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم دشمن ہو تمہیں بھوکا پیاسا رکھ کر مارنا چاہتے ہو۔ لیکن ہم مسلمان ہیں ہمارے دل میں رحم و مروت کا جذبہ ہے ہم تمہارے اس لختِ جگر اور تسکینِ قلب کو مار کر تمہارے دل کو صدمہ نہ پہنچائیں گے۔

ہمارے دشمن تمہاری قوم کے بڑے آدمی ہیں۔ یہ بچہ معصوم ہے کوئی مسلمان کسی بچے کو قتل نہیں کرتا۔

عورت نے کہا۔ نیک دل مسلمانو! میرے بچے کو مجھے واپس دے دو۔ میں عمر بھر تمہاری مروت کی ممنون رہوں گی۔

عورت کو یقین نہ تھا کہ مسلمان اس کے بچے کو چھوڑ دیں گے وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ بد قسمتی ہے جو لوگ کئی دن سے بھوکے پیاسے ہیں، جنہیں قتل کر دیئے جانے کی دھمکی دی جا چکی ہے وہ دشمن کے بچے کو کیوں چھوڑنے لگے

عورت اب بھی زار و قطار رو رہی تھی وہ ذرا فاصلہ پر آ کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی اس نے دوپٹہ کا آنچل پھیلا کر کہا۔

مسلمانو! اپنے نبی صلعم کے طفیل میرا بچہ مجھے واپس دے دو۔ آہ اگر تم نے اسے مار ڈالا تو میں بے موت مر جاؤں گی۔

بچے نے حضرت خبیب رضؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ امی جان کیوں رو رہی ہیں

خبیب رضؓ نے کہا۔ تمہاری ماں کو خطرہ ہے کہ کہیں ہم تم کو مار نہ ڈالیں۔

بچہ نے کہا۔ تم مجھے کیوں مار ڈالو گے؟"

عورت نے کہا۔ میرا بچہ تیرا باپ اور تیری قوم ان مسلمانوں کی دشمن ہے کیا عجب ہے کہ یہ جوش انتقام میں تجھے قتل کر ڈالیں .... ہائے تو ان کے پاس کیسے چلا آیا۔

خبیب رضؓ نے کہا۔ خاتون اطمینان رکھئے پیارے بچہ اپنی امی جان کے پاس چلے جاؤ دیکھو وہ بہت مضطرب اور پریشان ہے۔

بچہ نے کہا۔ میں کیا چلا جاؤں۔ امی جاؤ تم مت ڈرو۔ میں آ جاؤں گا آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔

عورت نے کہا۔ میرے بچے! میرے پاس آ جا!"

خبیب رضؓ نے بچہ کو کھڑا کر کے چھری اٹھائی عورت کا کلیجہ دہل گیا۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بن کر دیکھنے لگی۔

فرط رنج و قلق سے اس کے آنسو خشک ہو گئے۔ وہ سمجھ گئی کہ اب چھری اس کے معصوم بچہ کے حلقوم پر چلنے والی ہے اس پر سکرات موت کی سی کیفیت طاری ہونے لگی

خبیب رضؓ نے چھری بچہ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ پیارے بچہ جاؤ اپنی امی جان کے پاس چلے جاؤ۔

بچہ چلا۔ اور اس کی والدہ آغوش کشادہ کر کے بڑھی۔ اس نے لپک کر بچہ کو اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ اس کا سر اور منہ چومنے لگی۔ اس نے مشکورانہ نظروں سے خبیب رضؓ کو دیکھ کر کہا۔

مظلوم مسلمانو! تمہارا شکریہ ہزار ہزار شکریہ۔ کوئی قوم کسی دشمن کے بچہ پر اس قدر کریمانہ الطاف نہیں کر سکتی جس قدر تم نے کیا۔ تمہارے نبی نے جہاں خدا پرستی اور پرہیزگاری کی تعلیم دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مہر و محبت کی بھی تلقین کی ہے۔

عورت بچہ کو سینہ سے لگائے واپس چلی گئی۔ ابھی وہ پورا صحن بھی طے نہ کرنے پائی تھی۔ کہ صفوان، حارث، ابو سفیان، عکرمہ اور کئی دیگر اہل قریش آئے اور

خبیبؓ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔

صفوان نے کہا۔ آج میں نے تمہاری نیت پر سارے قریش کو ادا کر کے تمہیں خرید لیا ہے۔ میرا باپ امیہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ لہذا میں۔ اپنے باپ کے خون کے عوض آج تم دونوں کو قتل کروں گا۔

حضرت زیدؓ نے کہا۔ ایک مسلمان کی خواہش شہادت سے بڑھ کر اور کسی چیز کی نہیں ہو سکتی۔ میں خدا کا مشکور ہوں کہ آج دنیائے رنج و الم کو چھوڑ کر ابدی آرام و راحت کی جگہ پہنچ جاؤں گا۔

حارث نے کہا۔ مگر تم بچ سکتے ہو اگر اسلام کو چھوڑ دو۔

حضرت زیدؓ نے فرمایا۔ اسلام زندگی کے آخری دم تک نہ چھوٹے گا۔

صفوان نے کہا۔ نسطاس۔ اس کی زنجیر کھول کر اسے حدود حرم کے باہر لے چلو

نسطاس۔ صفوان کا زر خرید غلام تھا وہ بڑھ کر زنجیر کھولنے لگا۔ خبیبؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے فرمایا۔

زید میں تو سمجھتا تھا کہ تم سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا بے درد سفاک۔ وحشی اور ناخدا ترس کافر مجھے پہلے نہیں بلکہ تم کو موت کے گھاٹ اتارنے جا رہے ہیں۔

حضرت زیدؓ نے مسکرا کر کہا۔ پیارے بھائی خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ملنے کا آرزومند تھا۔ میری زندگی وصالِ خدا میں حائل تھی آج زندگی کی دیوار منہدم ہو جائے گی اور قطرہ دریا میں جا ملے گا۔ ؎

مدت سے تھا اسیر اس کے ملنے کی تمنا تھی
آج اس نے بلایا ہے لینے کو قضا آئی

نسطاس نے زید کی زنجیر کھول دی تھی وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ خبیبؓ بھی اٹھ اور انہوں نے فرمایا۔

میرے خوش نصیب بھائی! ملک عدم کے مسافر! آؤ آخری مرتبہ بغل گیر ہو لو میں بھی تمہارے پیچھے آؤں گا۔

دونوں بغل گیر ہو کر ملے۔ خبیبؓ نے کہا۔ زید تم سید الشہدا حضرت امیر حمزہؓ سے ملو گے تو ان سے میرا اسلام کہہ دینا۔

زید نے کہا۔ ضرور کہوں گا! اچھا بھائی سلام!

خبیبؓ نے سلام کا جواب دیا۔ نسطاس زنجیر پکڑ کر چلا اور رؤسائے قریش اس کے پیچھے چلے۔ اگرچہ خبیبؓ نے بہت کچھ ضبط و تحمل سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی ان کی آنکھوں میں آنسو جھلک ہی آئے۔

مسلمان! اگر وہ واقعی مسلمان ہے سچا اور پکا مسلمان ہے اپنے مسلمان بھائی کو مصیبت تکلیف یا موت کے کنارے پر دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خدا اور خدا کے رسول نے مسلمانوں میں جو جوش و اخوت یا جو بھائی چارہ قائم کر دیا ہے وہ اثر پذیر ہونے پر مجبور کرتا ہے۔

جب زیدؓ دور نکل گئے تو خبیبؓ نے آنسو پونچھے اور کہا خدایا زیدؓ کو فردوس بریں میں جگہ دیجیو اور مجھے ......

اے میرے خدا مجھے بھی اپنے نیک بندوں کا صدقہ اپنے خبیبؓ محترم کے طفیل سے فردوس میں داخل کیجیو۔

زید جب ابوالحارث کے گھر سے باہر نکلے تو انہوں نے سیکڑوں آدمیوں کو مکانات کے سروں پر کھڑے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ مکہ کے باشندے ان کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لئے امڈ آئے ہیں۔

نسطاس زنجیر پکڑے آگے آگے جا رہا تھا زیدؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پیچھے پیچھے جا رہے تھے ان کے پیچھے رؤسائے قریش اور ان کے پیچھے عامۃ الناس ہبل کی جے کے نعرے لگاتے جا رہے تھے۔

ان پیہم نعروں کی آواز سن کر لوگ بے تحاشہ بھاگ بھاگ کر آ رہے تھے اور اس مجمع میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ حدود حرم سے باہر آتے آتے ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو گیا۔

حرم سے باہر ایک وسیع میدان تھا۔ اس میدان میں کفار مکہ گول دائرہ کی شکل میں کھڑے ہو گئے اور درمیان میں زیدؓ کو کھڑا کیا گیا۔

ابوسفیان بڑھ کر زیدؓ کے پاس پہنچا اس نے کہا۔

زیدؓ تمہارا آخری وقت آ پہنچا اب کوئی دم میں نسطاس کی شمشیر آبدار تمہاری حیات مستعار کا خاتمہ کر دیگی۔ کیا یہ بات اچھی نہ تھی کہ اس وقت تم اپنے مکان پر

اپنے اہل و عیال میں آرام سے بیٹھے ہوتے اور تمہارے بجائے محمدؐ کو تلوار کے گھاٹ اتارتے۔

زیدؓ نے فرمایا۔ ہم یہ اندر رہا رہے ہیں آرام یہ حیثیت ہے کہ ہم اپنے اہل و عیال میں اپنے گھر آرام سے بیٹھے ہوں۔ اور آنحضورؐ کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔

خدا کی قسم کوئی مسلمان اس بات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا حضورؐ کے پسینہ آنے سے یہ بہتر ہے کہ ہمارا خون بہہ جائے۔ اور ہم آنحضورؐ کی اہانت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

ابوسفیان نے کہا ہبل کی قسم میں نے کوئی کسی کا ایسا دوست آج تک نہیں دیکھا جیسے محمدؐ کے دوست ہیں۔ مجھے اور مجھے ہی کیا دنیا بھر کو محمدؐ پر ان کے جاں نثار صحابہ اور غمگسار دوستوں پہ رشک آتا ہے۔

صفوان نے کہا۔ زیدؓ اب بھی اسلام چھوڑ دو؟

زیدؓ نے کہا۔ آفتاب اگر مشرق کے بجائے مغرب سے اور مہتاب مغرب کے بجائے مشرق سے نکلنے لگے تب بھی یہ غیر ممکن ہے کہ میں اسلام سے دست کش ہوں۔

ابوسفیان نے نسطاس کی طرف اشارہ کیا۔ نسطاس نے تلوار اٹھائی زیدؓ نے سر جھکا کر کلمہ طیب پڑھا۔ تلوار ان کی گردن پر پڑی سر کٹ کر گرا اور ساتھ ہی لاش بھی گری۔ حضرت زیدؓ شہید ہو گئے۔ مشرکوں نے ان کی شہادت پر زور زور سے ہبل کی جے کے نعرے بلند کئے۔

جب زیدؓ شہید ہو گئے۔ تو ابوسفیان نے کہا کیوں نہ خبیبؓ کو بھی آج ہی سولی دے دی جائے۔

عکرمہ نے کہا۔ لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے اس سے بہتر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ اپنے غلام کو سولی کھڑا کرنے کا حکم دیا غلاموں نے لمبے لمبے تین شہتیر لا کر کھڑے کر دئے اور ان کے سرے کھجوروں کے مضبوط رسوں سے باندھ دئے جب اس طرح سے سولی تیار ہو گئی۔ تو ابوسفیان نے حجیر بن ابی اہاب کو حضرت خبیبؓ کے لانے کیلئے حکم دیا۔ وہ چند لوگوں کو ہمراہ لیکر چلا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت خبیبؓ کو لے آیا۔

ابوسفیان نے حضرت خبیبؓ سے کہا۔

دیکھو خبیبؓ تمہارے لیے سولی کھڑی کر دی گئی ہے تمہارے ساتھی کی لاش زمین پر پڑی ہے۔ اب تمہارا نمبر ہے اگر تم اب بھی اسلام چھوڑ دو۔ ہبل کی پناہ میں آجاؤ تو تمہارے لیے ہر وہ چیز مہیا کر دی جائے گی جس کی تم خواہش کرو گے۔

خبیبؓ نے کہا۔ تم یا تمہارے خدا مجھے ابدی زندگی دے سکتے ہو؟

ابوسفیان نے کہا۔ یہ غیر ممکن ہے۔ موت اور زندگی کسی دوسری طاقت کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ پھر تم اس کو کیوں نہیں پوجتے جس کے قبضہ میں موت اور زیست کا اختیار ہے جو قادر مطلق ہے جسے ذرے ذرے کا حال معلوم ہے تم لوگ کیا کہتے ہو جو دنیا جہان کے ہر ذی روح کے قلوب کی باتوں سے باخبر ہے۔

ابوسفیان نے کہا آخر تو مسلمان ہے اور مسلمان کبھی اسلام سے نہیں پھرتا لہٰذا اب باتوں میں کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ بے شک مسلمان کبھی کسی لالچ اور خوف سے اسلام نہیں چھوڑ سکتا جب میں نے اسلام کو اختیار کیا تھا۔ تو مجھے افسوس ہوا تھا کہ میں سب سے پہلے مسلمان کیوں نہ ہو گیا۔

ابوسفیان نے بگڑ کر کہا۔ اب مسلمان ہونے کا مزا چکھنا! حجر! اسے سولی پر چڑھا دو اور دس بارہ نیزہ بازوں سے کہو۔ کہ وہ اپنے نیزوں سے اس کے بدن کو چھید ڈالیں۔ خبیبؓ نے فرمایا۔ ابوسفیان! کیا تو آخری وقت مجھے نماز ادا کرنے کی اجازت دے گا؟

ابوسفیان نے کہا کچھ حرج نہیں۔ اتنے میں کہ تمہارے نیزہ باز آئیں تو نماز سے فراغت کر لے۔

خبیبؓ نے کہا۔ اچھا ذرا سا پانی مجھے وضو کرنے کے لیے منگا دو۔

ابوسفیان نے اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا وہ پانی لایا۔ خبیبؓ نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔

اتنے میں کہ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی پندرہ بیس نیزے باز نیزے تانے ہوئے آگئے جب وہ نماز پڑھ چکے تو۔ ابوسفیان نے حجر کو اشارہ کیا کہ اس نے خبیبؓ کے ہاتھ کھجور کی مضبوط رسی میں باندھ کر انہیں سولی پر لٹکا دیا۔

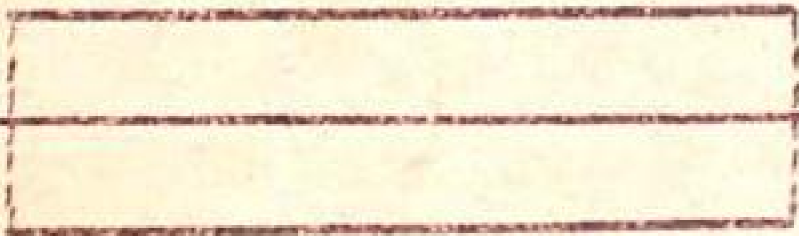
عکرمہ نے نیزہ بازوں کو اشارہ کیا۔ وہ نیزے تان تان کر بڑھے اور انہوں حضرت خبیبؓ کے جسم کو کچوکے دے دیکر چھید نا شروع کر دیا۔

حضرت خبیبؓ کے جسم پر نیزے کچوکے جا رہے تھے انہیں تکلیف ہو رہی تھی لیکن ان کے منھ سے اف تک کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ کچوکوں کی تکلیف کو ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر برداشت کر رہے تھے۔

یہ کچھ کم بہادری اور جرأت کی بات نہ تھی۔ ایسی بہادری کی مثالیں تاریخ عالم میں کہیں دستیاب نہیں ہوتیں۔

ان کے جسم پر اس قدر نیزہ بازی کی گئی کہ آخر اللہ ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی۔ اور جسد خاکی لٹکا رہ گیا۔

سفاک وحشیوں نے اور نا خدا ترس ظالموں نے اس طرح ایک مسلمان کی تڑپا تڑپا کر جان لی۔



ناظرین کرام :- اگر آپ اس تاریخی ناول کا مکمل حال پڑھنا چاہتے ہیں تو اس ناول کا حصہ چہارم آفتاب عالم منگوا کر پڑھیں جس میں کے چیدہ چیدہ مضامین کے عنوان حسب ذیل ہیں۔

عیسائیوں پر یورش، منافقین کی ریشہ دوانیاں

کفار کی انتہائی شوکت کا مظاہرہ، تائید ایزدی

یہودیوں کی شکست فاش، خیبر کی فتح

آفتاب عالم مکہ میں، وغیرہ

وغیرہ وغیرہ



حضرت محمد صلعم کے حالاتِ زندگی

آفتاب عالم صلے اللہ علیہ وسلم

مصنفہ

مولانا محمد صادق صدیقی سردھنوی مرحوم

حصہ چہارم

قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے

(مطبوعہ جید برقی پریس بلیماران دہلی)

پہلا باب

غزوۂ بنو نضیر

عامر بن طفیل کے کہنے سے بنو سلیم نے ستر مسلمانوں کو بے قصور، بے گناہ نماز پڑھتے ہی بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ صرف ایک ہی ہستی عمرو بن امیہ باقی بچے تھے جن کو سر کے بال تراش کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ عمرو بیر معونہ سے پا پیادہ چلے انہیں اپنے ساتھیوں کے شہید ہو جانے کا غم و ملال اور صدمہ تھا۔ جو لوگ شہید کئے گئے تھے وہ سب حافظ اور قاری تھے قرون اولیٰ کے مسلمان آپس میں اس قدر محبت رکھتے تھے گویا وہ حقیقی بھائی تھے اگر ایک مسلمان کے کانٹا لگتا تھا تو دوسرے کے دل میں درد پیدا ہو جاتا تھا لہٰذا عمرو کو بھی ستر مسلمانوں کے شہید ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ راستہ چلتے روتے رہتے تھے بارِ غم سے کمر جھک گئی تھی۔ رنج کرتے کرتے بدن گھل گیا تھا۔ چہرہ سست ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں کے اندر گھس گئی تھیں۔ تعجب تھا کہ اس صدمے سے وہ زندہ کیسے بچ رہے تھے۔

چونکہ وہ غم برداشت کرتے کرتے مضمحل اور کمزور ہو گئے تھے اس لئے قدم جلد جلد نہ اٹھتے تھے مشکل سے سفر طے کر رہے تھے۔ اس پہ مستزاد یہ فکر دامنگیر تھا کہ جس سرزمین میں وہ سفر کر رہے تھے اس میں وہی بید و وحشی آباد تھے جن کے ہم مذہب نے بیگناہ مسلمانوں کو شہید کیا تھا اور جو خباثت باطنی کی وجہ سے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے ہر قدم پر اندیشہ تھا کہ کوئی سفاک انہیں بھی شہید نہ کر دے۔ عمرو کو موت کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اس غم آلود زندگی سے تنگ آئے ہوئے تھے البتہ وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ آنحضورؐ کو مسلمانوں کے انجام کی خبر ہو جائے۔ اس لئے وہ وحشی بت پرستوں کی نظروں سے بچتے ہوئے سفر کر رہے تھے کئی روز کے بعد انہوں نے عرض ہو عامر اور صحرائے

بنو سلیم کو فتح کیا۔ اب کسی قدر اندیشہ کم ہو گیا اور وہ بے فکری سے سو گئے تھے۔ کسی غم و فکر کا اثر زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا۔ قدرت نے یہ طریقہ مقرر کر دیا ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہے۔ غم و الم میں بھی کمی ہوتی جاتی ہے۔

چنانچہ عمرو کا بھی غم کم ہونے لگا ایک روز شام کے وقت جبکہ بادصرصر کے تیز جھونکے چلنے کے بعد مدھم پڑ گئے تھے۔ آفتاب مغرب کی طرف اس قدر جھک گیا تھا کہ اس کی سیدھی شعاعیں جو ریگزار کو گرما رہی تھیں۔ ترچھی ہو کر کچھ بے ضرر ہو چلی تھیں عمرو ایک ایسی جگہ جا پہنچے جہاں ریت کے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔

وہ ٹیلوں کے دامن میں آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے۔ کہ انہیں باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ چونک پڑے انہوں نے آواز کی طرف اپنے کان لگا دیئے کوئی کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے اب وہ ہماری قوم کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے ہیں۔

بدر اور احد کی جنگ نے انہیں عربستان بھر میں مشہور کر دیا ہے اگر ان کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو یقیناً وہ تمام مذاہب کو اپنے اندر جذب کر لیں گے اور ہمارا مذہب مٹ جائے گا۔

دوسری آواز آئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں نہ معلوم عربوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں وہ تو جنگ چھڑ گئی ہے اگر مسلمانوں کو امن و عافیت سے تبلیغ کا موقعہ مل جاتا ہے تو چند ہی دنوں میں سارے عرب کو مسلمان کر لیتے اور پھر ہماری قوم کو بھی مسلمان ہونا پڑتا۔

پہلے شخص نے کہا۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ جنگ کی وجہ سے ہماری قوم میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات بڑھ گئے ہیں اور ان جذبات نے انہیں مسلمان ہونے سے روک دیا ہے۔

عمرو ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے یہ جگہ جہاں عمرو کھڑے ہوئے تھے ایک فلک بوس تودہ ریت کا دامن گھیرے تھا اس جگہ سے راستہ مغرب کی جانب گھوم گیا تھا۔ عمرو نہتے تھے۔ تنہا تھے۔ یہ باتیں کرنے والوں کی آواز سے اندازہ لگایا تھا کہ کرنے والے دو آدمی ہیں اور چونکہ ہر مسافر یا عرب کا ہر شخص ہر وقت تلوار

اور نیزہ اپنے پاس رکھتا تھا اس لیے عمروؓ نے بھی سمجھ لیا تھا کہ آنے والے عربوں کے پاس تلوار نیزے ضرور ہوں گے یہ ان دونوں کی گفتگو سے پتہ چل گیا تھا کہ آنے والے بت پرست ہیں۔

چند ہی قدم کے فاصلے پر ریت کے ٹیلے کا کچھ حصہ گھونگھٹ کی طرح آگے بڑھا ہوا تھا۔ عمروؓ جلدی سے لپک کر گھونگھٹ کی آڑ میں کھڑے ہو گئے چند ہی لمحہ کے بعد دو عرب تلواریں حائل کئے اور نیزے ہاتھوں میں لئے ہوئے آئے اور عمروؓ کے برابر سے ہو کر نکلے۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ ہمارا قبیلہ بنی مسعود پھر بھی غنیمت ہے اس قبیلہ تک اسلام کا اثر نہیں ہو سکا۔

دوسرے نے کہا۔ مگر قبیلہ بنی نضیر جس کی شاخ ہمارا قبیلہ ہے۔

پہلے نے کہا سختی سے اپنے آبائی مذہب پر قائم ہے یہ اور بات ہے کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کا حلیف بن گیا ہے۔

دوسرے نے کہا! مگر وہ درپردہ اسلام اور مسلمانوں کے کلی استیصال کی جدوجہد میں مصروف رہا کرتے ہیں۔

پہلے نے کہا ہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس وقت مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔ اگر مسلمانوں کا ھادی جس کو وہ لوگ خدا کا رسول بتاتے ہیں (نعوذباللہ) کسی طرح سے مارا جائے تو اسلام کا خاتمہ ہو جائے۔

اب وہ دونوں باتوں کی رو میں عمروؓ سے آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے عمروؓ کو نہیں دیکھا۔ عمروؓ نے بڑھنے کا ارادہ کیا ابھی وہ ایک قدم بھی نہ بڑھے تھے کہ کچھ سوچ کر پلٹے اور دبے قدموں دونوں مسافروں کی طرف چلے ان کے قریب پہنچ کر اچھلے اور ان میں سے ایک کی کمر پر لات ماری۔ چونکہ دونوں مسافر بے فکری سے چلے جا رہے تھے اور انہیں عمروؓ کی لات پڑنے سے دونوں خوف و دہشت سے اچھل پڑے۔ جس کے لات لگی تھی وہ لوٹ کر پڑا اور دوسرا خوف زدہ نگاہوں سے عمروؓ کی طرف دیکھنے لگا۔

عمروؓ نے ان دونوں کی حیرت اور خوف سے فائدہ اٹھایا انہوں نے جلدی سے بڑھ کر اس شخص کے ہاتھ سے جو خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ نیزہ چھین لیا اور تحیر خیز عجلت سے اس کے سینہ پر نیزہ مارا جس سے

کر نیزہ چھینا تھا نیزہ سینہ پر پڑا۔ انی سینہ توڑ کر پشت سے پار نکل گئی وہ ایک دل دوز چیخ کے ساتھ گرا اس اثنا میں دوسرا اسامہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خوف و حیرت سے وہ بھی مبہوت سا ہو رہا تھا۔ عمروؓ نے جلدی سے نیزہ کھینچ کر پھر تانا۔ اس عرب نے دیکھ لیا اس نے بھی نیزہ اٹھایا لیکن قبل اس کے کہ وہ نیزہ مارتا اس کے سینہ پر بھی نیزہ لگا۔ اور انی ....

اس کا بھی سینہ چھید کر پشت کے پار نکل گئی۔ اس نے بھی ایک دل خراش آہ کی اور نیزہ پر گر کر جھولنے لگا۔

عمروؓ نے نیزہ نکالا۔ دشمنوں کے ہتھیار لئے اور چل کھڑے ہوئے کئی شبانہ روز چل کر مدینہ منورہ میں پہونچے۔ سیدھے مسجد نبوی میں گئے۔ آں حضورؐ مع چند صحابہؓ کے مسجد میں رونق افروز تھے۔ عمروؓ کو دیکھتے ہی حضورؐ کچھ مضطرب سے ہو گئے۔ جب عمروؓ نے قریب پہونچ کر سلام کیا تو حضورؐ نے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا۔ عمروؓ! تم تنہا کیسے آئے؟ تمہارے اور ساتھی کہاں ہیں۔

عمروؓ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ظالم اور دغا بازوں نے نہایت سفاکی سے انہیں شہید کر دیا۔ حضورؐ اس خبر بد کو سن کر بہت زیادہ بے قرار ہوئے انہوں نے مضطربانہ لہجہ میں دریافت کیا کیا واقعہ ہوا عمروؓ!

عمروؓ نے مختصراً تمام کیفیات سنا دی۔ تمام صحابہ اور خود رسول خداؐ کو رنج و قلق ہوا۔ سب کے چہرے غم و حسرت میں ڈوب گئے۔ حضورؐ نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (جو کچھ ہے اللہ کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے) حضورؐ کے پاس بیٹھنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر چند ایک صحابہ تھے۔ حضرت علیؓ کو جوش آگیا۔ آپ نے کہا یا رسول اللہ بنو عامر اور بنو سلیم نے غداری کی ہے۔ نہایت سفلہ پن اور درندگی کا ثبوت دیا ہے ان وحشی کمینوں کی سرکوبی کے لئے مجھے اجازت دیجئے۔

حضورؐ خاموش رہے دراصل حضورؐ کے قلب پر اس بد خبر نے بے حد صدمہ پہونچایا تھا آپ غم و الم پر غالب آنے کی کوشش فرما رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کے چہرے سے بھی جلال کے آثار ہویدا تھے۔ آپ نے کہا خدا کے محترم رسول! یہ ایسا حادثہ عظیم ہوا ہے جس نے ہمارے قلوب شق کر دیے ہیں ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے ہم کو اجازت دیجیے کہ ہم ان دغا باز مکاروں سے انتقام لیں۔

تمام صحابہؓ کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے سب کے چہروں پر سرسری نظر ڈالی اور کچھ توقف کے بعد آپ نے فرمایا۔ خدا ان دغا بازوں کو خود سزا دے گا مسلمانو! یہ حادثہ واقعی ناقابل برداشت ہے مگر تم کو صبر و ضبط بھی سیکھنا چاہیے۔ لہذا صبر کرو۔ کیونکہ واللہ مع الصابرین (اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

اب عمروؓ بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے ان کے سفر کے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے مجملاً تمام واقعات بیان کر دیے قبیلہ بنی سعد کے دو کافروں کو مار ڈالنے کا واقعہ بھی کہہ سنایا آپ نے اس واقعہ کو سن کر کہا۔ عمروؓ نادانستگی میں تم سے غلطی ہو گئی! آں حضورؐ نے فرمایا وہ دونوں آدمی قبیلہ بنی سعد سے تھے اور ہم سے معاہدہ کر گئے تھے۔

عمروؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی..... لیکن میں بے قصور ہوں کیونکہ مجھے ان کے معاہدہ کا حال معلوم نہ تھا۔ خدا میری اس غلطی کو معاف کرے حضورؐ نے فرمایا! ہاں تم سے نادانستگی میں غلطی ہوئی۔ ہمیں ان کے قبیلہ کو ان دونوں کا خون بہا ادا کرنا چاہیے۔ قبیلہ بنو سعد قبیلہ بنو نضیر کی ایک شاخ ہے چلو بنو نضیر سے مشورہ کر کے خون بہا ادا کر دیں۔

قبیلہ بنو نضیر یہودی تھا۔ قبیلہ بنو سعد بھی یہودی تھا۔ بنو نضیر مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر اپنے قلعہ میں رہتا تھا۔ مدینہ میں جتنے قبائل آباد تھے سب نے اپنے اپنے نام سے یا تو محلے موسوم کر لیے تھے یا قلعے بنائے تھے۔

آں حضورؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے حضرت صدیقؓ، حضرت عمرؓ

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو ساتھ لیا اور بنو نضیر کے قلعہ کی طرف تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضورؐ نے تشریف لاتے ہی عہد نامہ مرتب کر کے غیر مسلموں کو اپنا ہم عہد بنا لیا تھا۔ اگرچہ غیر مسلموں نے کبھی اس عہد نامہ کی پرواہ نہ کی لیکن مسلمانوں نے اپنی طرف سے نقض عہد نہیں کیا بلکہ عہد نامہ پر قائم رہے اور دوسروں کو قائم رکھنے کی ہر ممکن سعی کی۔

اس عہد نامہ ہی کی وجہ سے حضورؐ قبیلہ بنی نضیر سے قبیلہ بنی سعد کو خون بہا ادا کرنے کے لئے مشورہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ قلعہ بنو نضیر میں پہونچے تو تمام سربرآوردہ یہودی حضورؐ کی پیشوائی کے لئے قلعہ سے باہر نکل آئے۔

سلام دعا کے بعد آپ نے فرمایا۔ معزز یہودیو تم مسلمانوں کے ہم عہد ہو! رؤسائے بنو نضیر آں حضورؐ سے یہ سنکر کچھ خوفزدہ سے ہو گئے تھے وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ رات دن آں حضورؐ اور مسلمانوں کے نقصانات پہونچانے کے منصوبے باندھا کرتے تھے۔ انہیں خوف ہوا کہ شاید آں حضورؐ کو ان سے منصوبوں کی اطلاع ہو گئی اور آپ تحقیق حال کے لئے تشریف لائے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور قبیلہ بنی نضیر میں ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی اس لئے وہ بہت گھبرائے ان میں سے ایک شخص نے کہا!

ہاں! ہم حضورؐ کے ہم عہد ہیں اور اپنے عہد پر قائم ہیں۔ آں حضورؐ نے فرمایا اے بنو نضیر کے محترم لوگو! ایک مسلمان نے نادانستگی سے قبیلہ بنی سعد کے دو آدمی قتل کر ڈالے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور قبیلہ بنی سعد کے درمیان ہو کر مقتولین کے ورثا کو خونبہا ادا کر دیں۔

یہ سن کر قبیلہ بنو نضیر نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے کہا۔ حضورؐ کون سی بڑی بات ہے! قبیلہ بنی سعد ہماری ایک شاخ ہے ہم جس طرح ان سے کہیں گے وہ راضی ہو جائیں گے آپ مطمئن رہیں! ہم یہ معاملہ طے کرا دیں گے۔

باتیں کرتے ہوئے یہ لوگ قلعہ کے دروازہ پر جا پہونچے ایک یہودی نے یہاں پہونچ کر کہا۔ حضورؐ ہم عرصہ سے آپ کی تشریف آوری

کے منتظر تھے۔ ہماری آرزو ہے کہ حضورؐ ہماری دعوت قبول کر کے ماحضر تناول فرمائیں۔

حضورؐ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مجھے تمہاری دعوت منظور ہے!

یہودی آپ کو اور آپ کے ہمراہی مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک بڑے مکان کے اندر پہنچے اس مکان کے پشت کی دیوار قلعہ کی فصیل تھی فصیل کی منڈیر پر ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا جو آدھے کے قریب دیوار سے لٹک رہا تھا

مالک مکان نے جلدی سے قالین لا کر فصیل کے نیچے اس انداز سے بچھایا جس سے کہ اگر کسی طرح پتھر اپنی جگہ سے سرک کر گرے تو نیچے بیٹھنے والوں کے اوپر آ کر پڑے اور انہیں کچل ڈالے آں حضورؐ اور آپ کے چاروں ہمراہی قالین پر بیٹھ گئے۔ کچھ لوگ ان کے سامنے ان سے کسی قدر فاصلے پر اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ وہ حضورؐ کا ادب و احترام کر رہے ہیں۔

چند یہودی وہاں سے چلے گئے وہ برابر والے مکان کے اندر جا بیٹھے اور رازدارانہ طریقہ پر مشورہ کرنے لگے ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے کہا آج قسمت نے یاوری کی ہے۔ ہمارا اور ہماری قوم کا دشمن۔ ہماری غربت و حشمت نیز ہمارے مذہب کا دشمن تو خود ہی ہمارے پاس چلا آیا ہے یہ خدائے بزرگ کی مہربانی ہے۔ آج ہمیں اس کا اور ان ساتھیوں کا جن پر اسے اعتماد ہے خاتمہ کر کے اپنی قوم اور اپنے مذہب کو ڈوبنے والے خطرات سے بچانا ہے کوئی طاقت ور اور ہوشیار شخص فصیل کے اوپر چڑھ جائے اور اس پتھر کو جو فصیل کے آگے جھول رہا ہے۔ لڑھکا دے تو مسلمانوں اور اس کے نبی کا خاتمہ ہو جائے۔
ایک نوجوان یہودی نے تالی بجا کر کہا۔ خوب تجویز سوچی ہے۔ نہایت مناسب تجویز ہے میں ابھی اس پتھر کو جا کر گرائے دیتا ہوں ایک سن رسیدہ یہودی نے جس کا نام سلام بن مشکم تھا کہا میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔

---

* دیت :- جو شخص قتل ہو جاتا ہے اس کے ورثہ کو رقم قاتل کی طرف سے ادا کر دی جاتی تھی۔ یہ گویا اس کے خون کا معاوضہ ہوتا تھا اس کو خون بہا کہتے تھے۔
(صادق صدیقی)

سوچو ایک ایک مسلمان سے دو غیر مسلم نادانستگی میں قتل ہو گئے ہیں مسلمان ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کیلئے آئے ہیں یہ لوگ اپنے قول کے پکے اور عہد کے پابند ہیں ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ دغا نہ کرنا چاہیئے اغلب ہے کہ ہمارا فریب ہم پر ہی الٹا پڑے۔

ایک طاقتور نوجوان نے جس کا نام عمرو بن محاسن تھا کہا۔ سلام بزدلی کی باتیں نہ کرو۔ اسلام کا سب سے بڑا خطرہ یہودیوں ہی کے لئے ہے اس وقت ہم اس خطرہ کو مٹا ڈالنے پر قادر ہیں پھر کیوں نہ مٹا ڈالیں۔

سلام نے کہا! سنو! ہماری مذہبی کتابوں میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی مرقوم ہیں۔ عربستان میں ان کے مبعوث ہو کر تبلیغ کرنے کی بابت لکھا ہوا ہے کیا عجب ہے کہ وہی نبی ہو۔

ادھیڑ عمر کے ایک اور یہودی نے قہقہہ لگا کر کہا وہ نبی ہماری قوم میں ہونگے بت پرستوں میں نہ ہوں گے عمرو بن محاسن نے کہا سنو سلام اگر واقعی یہ نبی ہیں تو خدا کسی ذریعہ سے انہیں ہمارے ارادے کی خبر کر دیگا اور وہ بچ جائیں گے اگر نبی نہیں تو کچل جائیں گے اور عرب ایک فتنہ سے چھٹکارا پا جائے گا۔

سلام نے کہا۔ لیکن یہ بھی جانتے ہو کہ اگر واقعی نبی ہوئے اور انہیں خدا نے بچالیا تو پھر ہمارا اس قلعہ میں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔

عمرو بن محاسن نے کہا۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔ عبداللہ بن ابی نے جو بظاہر مسلمان ہو گیا ہے مجھ سے اور چند دیگر لوگوں سے کہا ہے کہ ہم اس قوم یا اس قبیلہ کا ساتھ دیں گے جو حضرت محمد صلعم کو قتل کر ڈالیں گے اندیشہ نہ کرو اگر وہ بچ گئے اور انہوں نے ہم پر یورش کی تو عبداللہ بن ابی اور اس کا قبیلہ نیز اس کے قبیلہ کے حلیف قبائل ہمارا ساتھ دیں گے اور پھر ہم اعلانیہ مسلمانوں سے لڑ کر انہیں مدینہ منورہ سے نکال دیں گے! سلام نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو جاؤ قسمت آزمائی کرو!

یہ سنتے ہی فوراً عمرو بن محاسن مکان کی چھت پر چڑھ کر فصیل کی منڈیر پر جا پہونچا اور جھکا ہوا پتھر سر کانے کے لئے بڑھا آنحضور اور آپ کے جاں نثار صحابہ اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہودی آپ کو مصروف

تکلم کئے ہوئے تھے اور حضور خندہ پیشانی سے باتیں کر رہے تھے کہ دفعتاً حضورؐ کے چہرۂ انور سے کچھ کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے اٹھتے ہی صحابہ بھی کھڑے ہو گئے یہودی بھی اٹھے ایک یہودی بڈھے نے آں حضورؐ سے دریافت کیا۔

کہاں چلے یا محمدؐ! کیا کوئی ضروری کام یاد آگیا؟ حضورؐ نے قدرے ترشروئی سے کہا دغا باز یہودیو تم نے میرے اور میرے صحابہ کے قتل کرنے کے لئے سازش کی تھی اپنے ایک آدمی کو ہمارے اوپر پتھر گرانے کیلئے فصیل پر چڑھایا تھا۔ خدا نے مجھے تمہارے منصوبے کی اطلاع دیدی ہے اب یا تو تم دس روز کے اندر اندر تجدید عہد نامہ کر دو یا اس قلعہ سے نکل جاؤ۔

ایک ذی عزت یہودی نے کہا سنو محمدؐ! ہم تم سے یا تمہاری قوم کے لوگوں سے مطلق نہیں ڈرتے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم نے تم کو مار ڈالنے کی تدبیر کی تھی تم کو کس طرح خبر ہو گئی اب تو تم بچ گئے مگر یاد رہے کہ جب بھی ہمارا قابو چلے گا تو ہم تم کو مار ڈالیں گے۔

آں حضورؐ نے فرمایا اطمینان رکھو خدا میری اور مسلمانوں کی حفاظت کرے گا اگر تم تجدید عہد نامہ یا قلعہ سے نکل جانے پر تیار نہیں ہو تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ کل مسلمان تمہارے قلعہ کا محاصرہ کریں گے۔

ذی عزت یہودی نے استہزاء کے طور پر کہا۔ ضرور محاصرہ کیجئے مگر یاد رکھئے بنو نضیر کا قلعہ مسلمانوں کے قبروں کے کام آئیگا حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا یہودی کتے کل معلوم ہو جائے گا کہ یہ قلعہ کس قوم کی قبروں کا کام دیتا ہے۔

اس کے بعد آں حضورؐ مع صحابہ کے تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے مشورہ کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں ایک قاصد عبداللہ بن ابی کے پاس حصول امداد کے لئے بھیج دیا گیا

شام کے وقت عبداللہ کا جواب آیا کہ اگر تم قلعہ سے باہر نکل کر
مسلمانوں سے لڑو تو تمہاری امداد کی جاسکتی ہے۔

یہودی دیکھ اور سن چکے تھے کہ مسلمانوں نے جنگ بدر اور احد
میں کفار مکہ کو شکستیں دی تھیں۔ وہ میدان میں نکل کر لڑنے پر آمادہ
نہ ہوئے دوسرے روز جبکہ آفتاب کو طلوع ہوئے زیادہ عرصہ
نہیں گزرا تھا کہ مدینہ منورہ کی طرف سے رائیت اسلام بڑے
کروفر سے لہراتا ہوا قلعہ بنو نضیر کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ مجاہدین
اسلام اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے اسلامی علم کے سایہ میں بڑے
جوش و خروش سے بڑھے چلے آرہے تھے یہودیوں نے قلعہ کا
دروازہ بند کر لیا اور فصیل پر سپاہیوں کو چڑھا دیا۔ پتھروں کے
ٹکڑے اور سنگباری کا تمام سامان فصیل پر پہونچا دیا لشکر اسلام
نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چاروں طرف سے پیش قدمی شروع کر دی
یہودیوں نے فصیل کے سوراخوں سے تیر اندازی شروع کر دی
اس کثرت سے اور اس قدر جلد جلد تیر پھینکنے لگے کہ مسلمانوں کو ایک
دم بھی بڑھنا دشوار ہو گیا لہذا وہ رک گئے اور تیروں سے بچنے
لگے مگر یہودی فصیل کی اونچی دیوار کی عقب میں کھڑے تھے۔
سوراخوں سے جھانک کر تیر برسا رہے تھے
انہیں مسلمانوں کے ان تیروں سے جو ان پر برسائے جا رہے تھے
کوئی اندیشہ نہ تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے کھڑے تیروں کی
بارش کر رہے تھے۔ مسلمان نیچے کھڑے ہوئے کھلے میدان میں بغیر کسی
جائے پناہ اور آڑ کے کھڑے تھے انہیں یہودیوں کے تیروں سے
نقصان پہونچ رہا تھا۔ کئی مسلمان مجروح ہو گئے تھے۔ لیکن باوجود
مجروح ہونے کے وہ برابر میدان جنگ میں کھڑے تیر افگنی کر رہے
تھے حضرت عمرؓ نے شرقی جانب اور حضرت صدیقؓ نے غربی
جانب اور حضرت علیؓ نے شمالی جانب کی کمان اپنے ہاتھوں
میں لے رکھی تھی۔ ان میں سے ہر شخص کا یہی ارادہ تھا کہ وہ بڑھ کر

سب سے پہلے قلعہ کی دیوار کے نیچے پہونچ جائیں لیکن ان پر اس
کثرت سے تیر برسائے جا رہے تھے کہ ان کا اس جگہ کھڑا رہنا بھی
دشوار ہو گیا تھا تاہم وہ بڑے استقلال سے کھڑے تیروں کا
جواب دیر رہے تھے۔

جنوب کی طرف خود آں حضور تشریف فرما تھے اور وہ
بھی بڑھنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مسلمان نہایت قادر انداز سے
تیر افگنی کر رہے تھے۔ انہوں نے تاک تاک کر سوراخوں میں تیر مارنا
شروع کیا اگرچہ فاصلہ زیادہ تھا۔ فصیل اونچی تھی اور سوراخ بلندی
کے انتہائی کناروں پر تھے اس لئے بہت کم تیر سوراخوں میں داخل ہوتے تھے
لیکن جو تیر سوراخوں میں گھس جاتے تھے وہ یہودیوں کے چہروں پر جا کر پیوست
ہو جاتے تھے آنکھوں میں گھس جاتے تھے ناک کو چھید ڈالتے تھے مجروح ہو کر
چلا اٹھتے تھے وہ تڑپ کر بیٹھ جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے ہو نکل آتے تھے
سارے دن میدان کارزار گرم رہا لیکن مسلمان قلعہ کے نزدیک نہ پہنچ سکے
آفتاب غروب ہونے پر جنگ بند ہو گئی۔ دوسرے روز پھر گذشتہ روز کی
طرح جنگ شروع ہوئی لیکن آج بھی تمام دن لڑنے پر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا
اسی طرح سے لڑتے لڑتے پندرہ روز گذر گئے اس عرصہ میں یہودیوں کی رسد کا سامان ختم ہو گیا اور وہ
بھوکے مرنے لگے بالآخر انہوں نے عاجز ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آنحضور نے اس شرط پر صلح کی کہ یہودی
قلعہ چھوڑ کر جلاوطن ہو جائیں اور بجز ہتھیاروں کے نقد و سامان خانہ داری وہ لے جا سکتے ہیں
لے جائیں۔ یہودیوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ جنگ بند کر دی گئی انہوں نے سامان اکٹھا کر کے
اونٹوں پر لاد لیا۔ جو سامان وہ نہ لے جا سکے تھے اسے تلف کر دیا! مکانات مسمار کر دئے گئے تا کہ
مسلمان قلعہ میں آ کر آباد نہ ہو سکیں اور نہایت حسرت سے قلعہ کے در و دیوار کو تکتے ہوئے
رخصت ہو گئے قلعہ کا دروازہ کھولا گیا۔ یہودیوں کے غول کے غول جن میں عورتیں مرد اور بچے سب ہی تھے
مال و اسباب لئے ہوئے نکلے، اور وہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے جب تمام یہودی چلے گئے تو اسلام
کے فدائی قلعہ میں داخل ہوئے نیز منہدم شدہ مکانات کا ڈھیر رہ گیا تھا کہ یہاں کبھی آبادی
تھی یا نہیں یہ دیکھ کر مسلمانوں کو بڑی عبرت ہوئی۔ انہوں نے ہتھیار فراہم کئے اور شام کے
وقت مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اس جنگ کا نام غزوۂ بنو نضیر مشہور ہو گیا۔

دوسرا باب ۲

گمشدہ جمیلہ

حارثہ معہ اپنے ہمراہیوں اور قیدیوں کے "بدر" کے مقام پر پہنچ گیا تھا اس نے کئی روز اسی مقام پر قیام کیا جس میں وہ جاکر اترا تھا وہ قبیلہ بنی قحطان کا سراغ لگا رہا تھا پر معلوم ہوا ہے۔ ہر قافلہ والوں سے بنی قحطان کو دریافت کرتا لیکن کوئی بھی اسے اس کا صحیح پتہ نہ دے سکا جسنے اسکے قبیلہ بنی بکر پر تاخت کی تھی جو اس کی بیوی سعدی اسکی منہ بولی بیٹی جمیلہ۔ اسکے قبیلہ کے سردار عدی کی بیٹی رقیہ اور دوسرے بچوں نیز عورتوں کو پکڑ کر لے گیا تھا عرصہ تک تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی قحطان حمراء الاسد میں خیمہ زن ہے یہ معلوم کر کے ان لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ ایک روز جبکہ آفتاب غروب ہو گیا تو انہوں نے اسباب باندھا اونٹوں پر سوار ہوئے اور حمراء الاسد کی طرف چل پڑے۔ حمراء الاسد مدینہ سے آٹھ میل اور بدر سے کافی فاصلے پر تھا متواتر کئی شب چلنے کے بعد یہ لوگ حمراء الاسد کے قریب پہنچے۔

چونکہ ان لوگوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں بنی قحطان کو ان کی آمد کا حال معلوم نہ ہو جائے اور وہ بھاگ کر کہیں دوسری جگہ نہ چلے جائیں اس لئے وہ آفتاب نکلنے پر ریت کے تودوں کے پیچھے چھپ گئے اور اس وقت تک چھپے رہے جبتک کہ آفتاب غروب نہ ہو گیا جب رات ہو گئی اور چاند اپنی پوری آب و تاب سے افق مشرقی سے نکل کر بلند ادر پھر جلوہ افگن ہو گیا تو یہ لوگ کمین گاہ سے نکلے اور ریت کے ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے حمراء کی طرف بڑھے حمراء یہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا۔ لیکن اونچے اونچے ٹیلے سد راہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتا تھا دن میں عربستان اگر نمونہ دوزخ بن جاتا ہے تو رات کو نہایت دلفریب نظر آتا ہے خصوصاً چاندنی رات میں جبکہ چاندنی ٹھنڈی اور سفید چادر پھیلا دیتی ہے ریت ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور سفید چاندنی میں سفید ریت جگمگانے لگتا ہے۔

دور تک پھیلا ہوا ریت کا سمندر سفید چاندنی میں نہایت ہی دلکش معلوم ہو رہا تھا یہ لوگ آہستہ آہستہ اونٹوں پر سوار بڑھے چلے جا رہے تھے اونٹوں کے پاؤں سے اٹھنے والا ریت خاموش چاندنی کو مکدر کرتا چلا جا رہا تھا۔ چونکہ یہ لوگ سامنے سے نہ چل رہے تھے بلکہ ٹیلے کی آڑ لے کر [illegible] رہے تھے اس لئے چکر دار راستہ طے کرنے کی وجہ سے کئی گھنٹے سفر کرنے پر بھی ابھی حمراء الاسد سے دور تھے۔ بڑھتے بڑھتے یہ لوگ ایک نہایت بلند ٹیلہ کے دامن میں پہنچے۔ چونکہ قرب و جوار میں آبادی

کے نشانات نہ تھے۔ نہ چرند پرند قریب تھے اس لئے فضا نہایت خاموش تھی اور ان سفر کرنے والوں کی خاموشی نے اور بھی سکوت بڑھا دیا تھا حتی کہ اونٹوں کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

ابھی یہ قافلہ بڑے ٹیلہ کے سامنے پہونچا بھی نہ تھا کہ انہیں کسی انسان کے کھانسنے کی آواز آئی

یہ سب حیران اور مستعد ہو کر سامنے ٹیلہ کی طرف دیکھنے لگے آواز ٹیلے کی طرف سے آئی تھی یہ سب لوگ گوش بر آواز ہو گئے لیکن اس کے بعد پھر کوئی آواز نہ آئی جس سے انہیں خیال گذرا کہ شاید ان کے کانوں نے دھوکہ دیا ہو! اس عرصہ میں اونٹ ٹیلے کے نیچے پہونچ گئے تھے اور ان کی لمبی قطار ٹیلے کے نیچے سے شمال کی طرف گذر رہی تھی اس طرف ٹیلہ کا کچھ حصہ تقریباً نصف فرلانگ آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ جبکہ یہ اس بڑھے ہوئے حصہ کو عبور کر رہے تھے تو انہوں نے کسی کی چیخ کی آواز سنی

یہ سب لوگ چوکنے ہو گئے اور ادھر ادھر نظریں دوڑا کر دیکھنے لگے کہیں اور طرف بھی انہیں انسانی صورت نظر آئی۔ حالانکہ اس طرف میدان صاف اور کھلا ہوا تھا اور چاندنی میں میدان کا ریت سفید پانی کی طرح دور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ حارثہ نے اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا تم نے بھی چیخ کی آواز سنی تھی یا میرے ہی کانوں کو دھوکا ہوا تھا؟"

ایک ادھیڑ عمر کے عرب نے کہا۔ "دھوکا نہیں ہوا آواز آئی! کسی لڑکی کے چیخنے کی آواز تھی نہ معلوم کس آفت زدہ پر کون ظلم کر رہا ہے!"

حارثہ نے کہا اونٹوں کو روک دو اور اتر کر ٹیلہ پر چڑھ کر تفتیش کرو۔ فوراً اونٹ روک دئے گئے اور سب لوگ کود کر نیچے اتر آئے اور نیزے لے کر ان کے سہارے لیتے ہوئے ٹیلے پر چڑھنے لگے یہ لوگ دور دور تک پھیل گئے۔

چونکہ ٹیلے کا کنارہ بہت کم ڈھلوان تھا اس لئے اوپر چڑھنے میں تکلیف ہوتی تھی نیزوں کو ریت میں گاڑ گاڑ کر اور قدم جما جما کر کسی قدر آگے کی طرف جھکے ہوئے نہایت خاموشی سے اوپر چڑھ رہی تھی۔

اس ٹیلہ پر جگہ جگہ دراڑیں تھیں متعدد جگہوں سے ریت پھسل پھسل کر ہوا میں اڑ گیا تھا کہیں کہیں سے پانی نے ریت کو بہا دیا تھا۔

حارثہ تیزی سے چڑھ رہا تھا وہ چڑھتے ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں ٹیلے کا کنارہ ختم ہو گیا تھا اور دوسری طرف ناہموار گہرے اور وسیع شگاف تھے وہ اس طرف اترنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی نظر ادھر ادھر تھی! پیچھے کی طرف نہ دیکھ رہے تھے دفعۃً اس کے پاؤں کے نیچے سے ریت پھسلا۔

اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکا بے اختیارانہ طریقہ پر پھسلتا چلا گیا حتی کہ اس کے پاؤں کسی انسان کی کھوپڑی پر رکے یہاں وہ سنبھلا اور بیٹھا سہارا لیکر رکا۔ فوراً ہی کسی نے اس کے پاؤں کو ہاتھوں سے جھٹکا دیا اور وہ پھر پھسلنے لگا اور اب وہ سطح زمین پر آکر رکا۔ یہاں اس نے سنا کہ کوئی شخص نہایت غصہ کی حالت میں کہہ رہا ہے۔

نامعقول پاجی پھسل کر میرے ہی سر پر گر پڑا۔ مرنے والے نے یہ خیال نہ کیا کہ میری گردن میں جھٹکا آجائے گا۔ توڑ دوں سر بدبخت انہی کا! اس عرصہ میں حارثہ اچھی طرح سے سنبھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے کہا۔

یا اخی! معاف کرنا میں نادانستگی سے پھسل پڑا! کسی نے طیش آلود لہجہ میں کہا۔ معاف کرنا کا بچہ اگر تجھے سنبھلنا نہ آتا تھا تو آسمان پر چڑھا ہی کیوں تھا پاجی! تیرے پاؤں اس زور سے میرے سر میں آکر لگے کہ درد ہونے لگا ہے۔ ٹھہر میں تیرا خاتمہ کرکے تجھے نادانستگی سے پھسلنے کی سزا دیتا ہوں۔

حارثہ نے کہا مجھے یقین ہے کہ آپ کے چوٹ نہیں آئی ہوگی۔

اس شخص نے جل کر کہا۔ بھلا چوٹ کیوں آنے لگی آرام ہو پہنچا ہے۔ آرام رسیدہ تو آسمان کے اوپر سے گرا اور تاک لگا کر میرے سر کے اوپر گرا اور پھر طرفہ یہ کہ کہتا ہے کہ چوٹ نہیں آئی ہوگی۔ اگر میں تیرے اوپر اتنی بلندی سے اچانک آکر گرتا تو بتا تیرے چوٹ آتا یا آرام ہو پہنچتا۔

یہ کہتے ہی اس نے بڑھ کر حارثہ کا گریبان پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچا جس سے حارثہ کسی قدر جھک گیا۔ حارثہ نے کہا۔ دراصل مجھ سے بڑی غلطی ہوئی مگر غلطی بھی کچھ نہیں ہوئی پاؤں کے نیچے سے ریت پھسل گیا اور میں لڑھک کر تمہارے اوپر آگرا۔

اس شخص نے آگ بگولہ ہو کر کہا۔ مگر کمبخت یہ تجھے کس نے کہا تھا کہ تاک لگا کر میرے ہی سر کے اوپر گرنا؟ حارثہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا اور یہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ عین ٹیلہ کے نیچے کھڑے ہونا۔ آدمی کو کبھی ایسی جگہ کھڑا نہ ہونا چاہیئے۔

یہ سن کر اس آدمی کو بڑا طیش آیا۔ اس نے کہا ایک تو قصور کیا اور اوپر سے نصیحت کرتا ہے۔ سن او پاجی، میں خوب سمجھتا ہوں کہ میرا تمسخر کر رہا ہے لے سنبھل تیری اجل آپہنچی۔ یہ کہتے ہی اس نے حارثہ کا گریبان چھوڑ دیا اور تلوار بلند کی جونہی حارثہ

جمعہ کار ہا تو اس کے چہرے پہ چاندنی نہ پڑی تھی۔ اب جوں ہی اس کی صورت دیکھی تو
جھجک کے پیچھے ہٹا اور اس نے کہا حارثہ تم ہو!"

حارثہ نے بھی اسے پہچان لیا۔ اس نے کہا عجل! تم آدھی رات کے وقت
یہاں کیا کر رہے ہو؟۔

عجل نے کہا۔ کچھ نہیں حارثہ تم جانتے ہو کہ میں عاشق مزاج ہوں اور عشق میری گھٹی
پڑا ہوا ہے جس کا فراد کو دیکھتا ہوں اس پر فریفتہ ہو جاتا ہوں لیکن آہ ...... لیکن
ایک پری پیکر نے مجھے بالکل دیوانہ بنا دیا ہے اس کی محبت نے میری راتوں کی نیند
دنوں کا آرام کھو دیا ہے ہر وقت ..... ہاں ہر وقت اسی ستم روزگار کا خیال رہتا
ہے اف حارثہ! میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں میری محبت نے مجھے کہیں کا نہ
دیا... لیکن نہیں یہ میری حماقت ہے کہ میں محبت کی برائی کر رہا ہوں دراصل محبت
میری روشن اور تابناک زندگی کا پہلو میرے سامنے کر دیا ہے میرا مستقبل روشن ہے...

عجل از خود رفتہ ہو گیا تھا وہ اپنا سارا حال سنانے کی فکر میں تھا حارثہ کو الجھن
سی ہو رہی تھی۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا کیا مطلب ہے آپ کا اس سے عجل نے
کہا میرا مقصد یہ ہے کہ میں ایک حور و جمال دوشیزہ پہ فدا ہو گیا ہوں اس تک
رسائی مشکل تھی!"

ہر چند اس عربدہ جو اور چاند کے ٹکڑے سے بات کرنے کی کوشش کی مگر
ناکام رہا...... آج ہاں ہاں آج میری قسمت کا ستارہ چمکا مقدر نے ساتھ دیا
اور میں اس کا فراد کو باندھ لایا حارثہ! وہ ایسی حسین اور خوبصورت ہے کہ تم اس
کے روئے تاباں کو دیکھ کر چاندنی کی طرف کبھی نہ دیکھو۔

حارثہ نے دریافت کیا کہ وہ کس قبیلہ سے ہے اس کا کیا نام ہے؟
عجل نے جواب دیا یہ معلوم نہیں کہ وہ کس قبیلہ سے ہے مگر بنی قحطان کی نگرانی میں
ہے اور اس کا نام جمیلہ ہے! حارثہ چونک پڑا اور اس نے زور دیتے ہوئے کہا
جمیلہ!

عجل نے کہا ہاں جمیلہ! دوست کیا تم اسے جانتے ہو ضرور جانتے ہو گے
اس کی حسن کی آج سارے عرب میں شہرت ہے۔

حارثہ نے دریافت کیا وہ کہاں ہے؟

عجل نے سامنے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہاں وہ بندھی پڑی ہے لیکن تم بہت باعصمت ہے۔ میری بات نہیں مانتی، ضد کر رہی ہے چلو ذرا تم اسے سمجھاؤ۔ حارثہ بے تابی کے ساتھ اس طرف چلا جس طرف عجل نے اشارہ کیا تھا عجل اس کے پیچھے ہو لیا۔ دونوں ایک تنگ غار میں پہونچے۔

یہاں پہونچکر حارثہ نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین لڑکی بندھی پڑی ہے اس نے جھک کر جلدی جلدی اس کے بند کھولے۔ لڑکی آزاد ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی حارثہ کی جب اس کے منور چہرے پر نظر پڑی تو اس کا حسن بلیغ دیکھ کر حیران رہ گیا!

کچھ ثانیہ کے بعد اس نے اپنی حیرت دور کر کے کہا۔ جمیلہ! میری بیٹی جمیلہ تم نے مجھے پہچانا! جمیلہ نے غور سے حارثہ کو دیکھا اس نے کہا ہاں پہچان لیا۔ آہ! تم وہ ہو جس نے مجھے پرورش کیا ہے۔

یہ کہتے ہی وہ حارثہ کے آغوش میں آ پڑی۔ حارثہ نے اسے سنبھالا اور عجل حیرت و خوف بھری نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

تیسرا باب ۳

عیسائیوں کی یورش

یہ امر مسلمہ ہے کہ آں حضورؐ یا مسلمانوں نے کبھی جنگ و پیکار کی خواہش نہ کی بلکہ اس کے برعکس ہزاروں سختیاں سہیں۔ بے شمار مظالم برداشت کیے پھر بھی جنگ و فساد سے احتراز کرتے رہے چونکہ حضورؐ جنگ سے سخت متنفر تھے۔ فرماتے کہ اگر خدا عربوں کو عقل دے تو وہ کبھی نہ لڑیں لڑنے والوں یا لڑائی چاہنے والوں کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے اس لیے حضورؐ کے صحابہ کرام بھی جنگ کو اچھا نہ سمجھتے تھے حقیقت یہ اگر انسان واقعی انسانی صفات سے متصف ہے تو کبھی جنگ کی خواہش نہیں کر سکتا۔

جو قومیں مرض جوع القلب میں گرفتار رہی ہیں وہی جنگ کی متمنی ہوتی ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے کہ اپنے ہم جنسوں کو وحشی درندوں جانوروں کی طرح چیر پھاڑ کر ان کی املاک پر قبضہ کیا جائے۔ سلیم الطبع انسان بھی جنگ و پیکار کو پسند نہیں کرتے وہ دنیا بھر میں امن و امان دیکھنا چاہتے ہیں لیکن بد سرشت اور وحشی انسان جنگ کی طبیعت میں کیا دی وضعداری ولا تنزلات بھری ہوئی ہوتی ہے ہمیشہ لڑائی کی طرف راغب

ہوتے ہیں نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں۔ نہ دوسروں کو آرام سے بیٹھنے دیتے ہیں یہی حال عرب کے مشرکوں، بت پرستوں اور یہودیوں کا تھا۔

وہ اسلام اور مسلمان کو مٹانا چاہتے تھے۔ اس لئے بلا وجہ بلا کسی معقول سبب کے مسلمانوں سے جا الجھتے تھے۔ آں حضورؐ کے زمانہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں سب کی ابتدا کفار کی جانب سے ہوئی۔ اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی مدافعت کے طور پر لڑنا پڑا۔ جب بنو نضیر کا قلعہ فتح ہوگیا اور مسلمان مدینہ میں واپس آگئے تو خبر ملی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قبائل شرارت و فسادات پر آمادہ ہیں اور وہ عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں یہ دونوں قبیلہ غطفان کی شاخیں تھیں جو علاقہ نجد میں آباد تھے چونکہ نجدیوں کے قبیلہ بنو سلیم نے ستر بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا تھا اس لئے تمام مسلمانوں کو بڑا رنج تھا۔

اب جبکہ یہ خبر عام طور پر سنی گئی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو آنحضورؐ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کردیں اور بہت جلد صرف چار سو یا سات سو کا لشکر لے کر نجد کی طرف تشریف لے گئے۔

چونکہ اب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی اس لئے آنحضورؐ نے عثمان ابن عفان کو مدینہ کی حکومت تفویض کردی تاکہ آں حضورؐ کی عدم موجودگی میں مدینہ کا انتظام و انصرام بدستور رہے۔ یہ مختصر لشکر اسلام نجد میں داخل ہو کر ایک پہاڑی کو طے کرنے لگا۔ نہ معلوم اس پہاڑی کے پتھر کس قسم کے تھے کہ ان پر چلنے کی وجہ سے مسلمانوں کے جوتے ٹوٹ گئے، مجاہدین اسلام ننگے پاؤں چلنے لگے مگر جب پاؤں زخمی ہونے لگے تو انہوں نے پاؤں پر کپڑے لپیٹ لیے آخر خدا خدا کرکے یہ پہاڑی ختم ہوئی اور مسلمان ایک نخلستان میں پہونچے اس نخلستان میں کچھ مشرک موجود تھے جو ادھر ادھر کچھ تلاش کرتے پھر رہے تھے وہ مسلمانوں کو دیکھ کر سخت خوفزدہ ہوئے اور انھوں نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمان ان کے بشروں سے ان کے ارادہ کو بھانپ گئے تھے وہ دوڑ کر ان کے پاس پہونچے اور انھیں گرفتار کرکے ان سے ان کا احوال پوچھنے لگے۔

ابھی ان مشرکوں نے کچھ بتایا نہ تھا کہ آں حضورؐ بھی اس جگہ پہونچ گئے حضور نے ان سے دریافت کیا۔ تم کون لوگ ہو؟ ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہم قبیلہ بنو سلیم سے ہیں آں حضورؐ کے چہرے سے کسی قدر رنجش کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر پوچھا اسی قبیلہ بنو سلیم

سے جس کے فرزندوں نے ستر بے گناہ مسلمان شہید کر دیے ہیں؟ اس شخص نے سر جھکا کر جواب جی ہاں اسی قبیلہ سے لیکن حضورؐ! ہم بے گناہ ہیں ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اس بزدلانہ اور وحشیانہ قتل میں شریک نہ تھے۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ یہ اس قبیلہ کے لوگ ہیں جس نے بے گناہ ستر مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا۔ تو سب جوش و غضب سے بھر گئے اور تمام غضبناک نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

بنو سلیم کے فرزندوں نے مسلمانوں کی غیظ بھری نظریں دیکھیں۔ وہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے۔ آں حضورؐ نے دریافت کیا: تم یہاں کیا کر رہے تھے۔ ایک شخص نے لرزاں آواز میں جواب دیا۔ حضور یہاں بنو محارب اور بنو ثعلبہ کا لشکر موجود تھا جو اسلامی لشکر کے آنے کی خبر پا کر فرار ہو گیا۔ ہم یہاں اس لیے آئے تھے کہ شاید وہ لوگ کچھ چیزیں چھوڑ گئے ہوں انہیں پا سکیں لیکن...... آہ... حضورؐ نے پوچھا لیکن کیا؟

اس شخص نے کہا لیکن نہ جانتے تھے کہ موت ہمیں نخلستان میں لیے جا رہی ہے اے مسلمانوں کے ہادی۔ اے اسلام کے ہیرو۔ اے مدینہ کے بادشاہ ہم سب بے قصور ہیں ہمیں معاف کر دو۔ یہ کہتے ہی وہ شخص رونے لگا اور اس کے ساتھی بھی رونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آ کر کہا۔ بدبخت بزدلو اب موت کو قریب دیکھ کر روتے ہو لیکن جب تمہاری قوم مسلمانوں کو قتل کر رہی تھی اس وقت انجام کار سے خبردار نہ تھی۔

ایک شخص نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا آہ! ہم خبردار نہ تھے فوری جوش نے ہمیں اندھا کر دیا تھا۔ عامر۔ ہاں بدبخت اور بدقماش عامر نے ہمارے قبیلہ کو برانگیختہ کر دیا اور ہم نے ناسمجھی سے ستر بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا مگر حضورؐ ہمارے قبیلہ میں پھوڑے والی[1] بیماری پھوٹ پڑی اور ہر وہ شخص مر گیا جو مسلمانوں کے قتل میں شریک تھا۔ منحوس عامر بھی اسی موذی مرض کا شکار ہو گیا۔

اس خدا نے جس کی تم پرستش کرتے ہو مسلمانوں کا انتقام لے لیا تم ہم پر رحم کرو۔ آہ! ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ....

---

[1] عربوں نے طاعون کا نام پھوڑے والی بیماری رکھا تھا اس مرض میں پہلے بخار آتا ہے اور پھر گلٹی نکلتی ہے (صادق صدیقی سردھنوی)

...... یہاں ہو تک اس شخص کی آواز گلوگیر ہو گئی اور وہ زار و قطار رونے لگا۔ حضرت صدیقؓ نے طیش میں آکر کہا بدبختو! اب روتے ہو موت قریب آگئی ہے۔

آں حضورؐ نے فرمایا! انہیں صدیق انہیں کچھ نہ کہو ان کے قتل کرنے سے کیا فائدہ ہے ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا! حضورؐ اس قدر خدا ترسی! آں حضورؐ نے فرمایا! ہر شخص بہ جور ستم کا خواستگار ہو مہربانی کرو۔ حضورؐ ان دشمنوں پر جو عاجزی کریں یہ بھی ایمان کا ایک جزو ہے

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

حضرت علیؓ نے فرمایا! ہم حضورؐ کے فرمانبردار ہیں جو حکم ہوگا اس کی تعمیل کریں گے آں حضورؐ نے فرمایا انہیں آزاد کر دو! فوراً آلِ بنو سلیم کو چھوڑ دیا گیا وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ چونکہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ فرار ہو گئے ہیں اس لئے لشکر اسلام واپس لوٹ گیا۔ تاریخوں میں اس مہم کا نام غزوہ ذات الرقاع مرقوم ہے یہ واقعہ جمادی الاولیٰ سنہ ہجری میں واقع ہوا۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال ابوسفیان اُحد کے مقام پر دوبارہ سالِ مقام بدر پر لڑائی کی دعوت دے گیا تھا۔ چونکہ سال ختم ہو چکا تھا اس لئے مکہ سے خبریں آنے لگیں کہ قریشِ مکہ جنگ کی عظیم الشان تیاریاں کر رہے ہیں لہٰذا حضورؐ نے بھی تیاریاں شروع کر دیں چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ مکہ کے بہترین بہادر جنگ جو لوگ ابوسفیان کی سرکردگی میں بدر کی طرف چل پڑے ہیں ساتھ ہی یہ بھی خبر گرم ہوئی کہ اس مرتبہ کفارِ مکہ بڑے خشم و خدم۔ ساز و سامان اور جمعیت سے آئے ہیں اور ان کا ارادہ فیصلہ کن جنگ کرنے کا ہے یا تو اس جنگ میں اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا یا مشرکینِ مکہ کا! ان خبروں کو کفارِ مدینہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق مسلمانوں کو ڈرا رہا تھا۔ یہودی بھی بغلیں بجا رہے تھے۔

مکہ سے ایک شخص نعیم بن مسعود آیا تھا وہ مدینہ کا رہنے والا تھا۔ اسے عبداللہ بن ابی نے مکہ بھیجا تاکہ وہ ابوسفیان کو جنگ کیلئے آمادہ کرے۔ اس نے بیان کیا کہ سارا مکہ اور نواحِ مکہ کے تمام قبائل متفق و متحد ہو کر امڈ آئے ہیں ایسا کثیر لشکر اور اس قدر ساز و سامان

سے آراستہ عرب کی زمین پر کبھی نہیں آیا جیسا بدر کی طرف مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ مسلمان ان خبروں کو سن سن کر متردد ہوتے۔ چنانچہ مسلمان کچھ فکرمند ہونے لگے۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کا تفکر و توحش دیکھ کر بگڑ گئے۔ وہ آں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر علیک سلیک کے بعد بیٹھ گئے اور کچھ وقفہ کے بعد بولے! کیا آپ نے وہ تمام سن لئے ہیں جو مدینہ کے کوچہ کوچہ میں مشہور ہو رہے ہیں۔

حضورؐ نے دریافت کیا کیسے واقعات؟

حضرت عمرؓ نے کہا۔ کفار مکہ کی حملہ آوری کے!"

آں حضورؐ نے فرمایا سنتے ہیں مگر تمہاری اس سے کیا منشاء ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں دریافت کرتا ہوں کہ حضورؐ خدا کے رسول نہیں ہیں؟

آں حضورؐ نے فرمایا ہاں میں خدا کا رسول ہوں!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر مسلمان متفکر و متوحش کیوں ہو رہے ہیں کیا گذشتہ جنگوں میں خدا نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی ہے کیا اب خدا ہماری مدد نہ کرے گا۔

آں حضورؐ نے ارشاد فرمایا! عمرؓ طبائع مختلف ہوتی ہیں کمزور طبیعتوں کے آدمی وحشتناک خبروں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن قوی دل والے کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا! کیا حضورؐ نے جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے!

— آں حضور صلعم نے فرمایا عمرؓ اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے گا۔ میں جب بھی تنہا حسب وعدہ بدر کے مقام پر پہنچ جاؤں گا۔ وہ مسلمان ہی نہیں جو کفار سے ڈر یا دب جائے اس لئے تو سمجھے ہیں کہ ہم کو خدا پر بھروسہ نہیں ہے جب ہم خدا پر بھروسہ نہیں کرتے تو خدا پرست کہاں رہے خدا پرست نہ رہتے ہوئے مسلمان کیسے کہلا سکتے ہیں!

حضرت عمرؓ اپنا اطمینان کر کے چلے آئے انہوں نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ مسلمانو! جنگ کی تیاری کرو۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے ایک فرد بھی نہ جائے گا تو حضورؐ تنہا کفار مکہ کے مقابلہ میں بدر کے مقام پر جائیں گے۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ حضورؐ جنگ کیلئے تشریف لے جاتے اور آپ کے صحابہؓ پیچھے رہ جاتے لہذا! سب نے اس اعلان کو سنتے ہی تیاریاں شروع کر دیں جب حضورؐ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا ڈیڑھ ہزار مجاہدین اسلامی علم کے نیچے جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کا اس قدر لشکر کبھی پہلے کسی جنگ پر نہیں گیا تھا۔ مدینہ کے کفار اور یہودی اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ عبداللہ بن ابی منافق اس جنگ میں شریک نہ ہوا بلکہ اس نے صاف کہہ دیا کہ بدر میں مرنے کے لئے کون جائے۔

بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے کلی استیصال کیلئے در پردہ جدوجہد کر رہا تھا مشرکوں اور کفاروں کا ہمدرد تھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ابوسفیان اس مرتبہ بڑے جاہ و جلال سے آ رہا ہے وہ ابوسفیان کا حلیف تھا۔ سچ پوچھو تو اس نے مکہ والوں کو لڑائی کیلئے برانگیختہ کیا تھا اس لئے وہ دانستہ جنگ میں شریک نہ ہوا اسلامی لشکر نہایت شان و دبدبہ سے کوچ و قیام کرتا ہوا بدر کے مقام پر پہنچا۔ اس عظیم الشان لشکر کی تمام عرب میں دھوم مچ گئی۔

جس طرف سے یہ لشکر گذرا قبائل نے خوف و ہراس کی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس لشکر کی جمعیت اور سامان کی خبریں ابوسفیان اور اس کے لشکر والوں کو بھی پہونچ گئیں وہ دیکھ چکے تھے کہ گذشتہ لڑائیوں میں مسلمان تہائی اور چوتھائی ہوتے ہوئے بھی اس دلیری اور سرفروشی سے لڑے تھے کہ کفار سے بنائے کچھ نہ بنا تھا مسلمان فتحیاب ہوئے تھے اور انہیں یعنی کافروں کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا۔ اس لئے کافروں کے چھکے چھوٹ گئے دل ٹوٹ گئے ہمتیں شکستہ ہو گئیں اور وہ مقام عسفان تک آ کر نہایت خوف و ہراس سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ جب یہ بھگوڑا لشکر مکہ میں داخل ہوا تو عورتوں نے طعنہ دیا کہ یہ صرف ستو پینے گئے تھے لڑنے کیلئے نہیں گئے تھے ورنہ مر جاتے لیکن مسلمانوں سے ڈر کر بغیر لڑے بھڑے ہرگز واپس نہ آتے۔

مسلمان ایک ہفتہ تک کفار مکہ کا انتظار کرتے رہے۔ آٹھویں روز ایک شخص معبد خزاعی نے آ کر اطلاع دی کہ مشرکوں کا لشکر عسفان کے مقام تک واپس لوٹ گیا۔ مجبوراً لشکر اسلام بھی لوٹ آیا اس غزوہ کا نام بدر صغریٰ ہے یہ آخر ماہ رجب سنہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

بدر سے واپس آ کر مسلمان تبلیغ و تدریس میں مصروف ہو گئے امسال بارش کثرت سے ہوئی۔ زراعت پیشہ لوگ زراعت کے کام میں لگ گئے یہاں تک کہ سنہ ۴ھ ختم ہو کر سنہ ۵ھ شروع ہوا

ماہ ربیع الاول سنہ ۵ھ میں آنحضورؐ کو اطلاع ملی کہ سرحد شام کے مقام دومۃ الجندل کا عیسائی بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اب تک جو لوگ

مسلمانوں کے خلاف تھے وہ عرب کے مشرک اور مدینہ کے یہودی تھے۔ لیکن اب ایک تیسرا دشمن اور پیدا ہوگیا تھا۔

حالانکہ نہ مسلمانوں نے عیسائیوں کو ستایا تھا نہ کسی عیسائی سلطنت پر یورش کی تھی۔ اور نہ عیسائیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ تھا۔

آں حضورؐ غور کرنے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے دس منزل کے فاصلے پر ملک شام کی سرحد پر واقع تھا۔ وہاں سے دمشق صرف پانچ منزل رہ جاتا تھا۔

اتنے دور دراز فاصلے پر لشکر کشی کرنا مناسب نہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ بھی اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرحد شام کی طرف جائیں اور عربستان کے مشرک یا نواح مدینہ کے یہودی مدینہ منورہ پر قبضہ کرلیں۔

ابھی آں حضورؐ اسی شش و پنج میں تھے کہ خبریں موصول ہوئیں۔ یعنی دومۃ الجندل کا مسیحی بادشاہ رہزنی اور ڈکیتی کرنے لگا ہے عربوں کا جو قافلہ اس کی قلمرو میں ہوکر گذرتا ہے وہ اسے لوٹ لیتا ہے۔

چونکہ یہ نیا دشمن زیادہ خطرناک ہوسکتا تھا اور اس کی چیرہ دستی و رہزنی سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا اس لئے آں حضورؐ نے لشکر کی فراہمی شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایک ہزار مجاہدین فی سبیل اللہ کا لشکر فراہم ہوگیا۔ حضورؐ نے سباغ بن عرطفہ غفاری کو مدینہ کا گورنر بنا کر اور خود فراہم شدہ لشکر لے کر دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوگئے

قبیلہ بنی عذرہ کا ایک شخص بطور رہبر ہمراہ لیا۔ رہبر نہایت ہوشیار اور شام کے تمام راستوں اور مقامات وغیرہ سے خوب واقف تھا۔ لشکر اسلام رات کو سفر کرتا اور دن کو قیام کرتا۔ چونکہ آں حضورؐ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع دشمن کو نہ ہو۔ اس لئے تمام احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جا رہی تھیں۔

ایک دن عذرہ رہبر نے آں حضورؐ سے کہا یا سید دومۃ الجندل یہاں سے ایک منزل رہ گیا ہے لیکن دشمنوں کی چراگاہ اس جگہ سے بالکل قریب ہے اگر رائے عالی ہو تو چراگاہ پر حملہ کرکے ان کے مویشیوں پر قبضہ کرلیا جائے۔

آں حضورؐ نے فرمایا۔ مناسب ہے اس سے دشمنوں پر ہمارا رعب بیٹھ جائیگا رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر لشکر چلا۔ ابھی تین میل ہی چلا تھا کہ ایک سبزہ زار

میں جا پہونچا۔ یہاں چھوٹے اور بڑے درخت کثرت سے کھڑے تھے۔

چاندنی رات تھی۔ چاندنی درختوں کی شاخوں اور پتوں سے چھن چھن کر سبزہ زار پر پڑ رہی تھی۔ مویشی ادھر ادھر بیٹھے تھے۔ کچھ چر رہے تھے۔ جگالی کر رہے تھے۔ مویشیوں کے محافظ پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ یہی عیسائیوں کی چراگاہ تھی۔

مسلمانوں نے مویشیوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مویشی گھبرا کر ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ تو محافظوں کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ اٹھتے ہی مسلمان نظر آئے کانپ گئے اور گھبرا کر بھاگنے لگے۔

مسلمانوں نے ان کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ تمام محافظ قتل کر دیے گئے۔ صرف ایک یا دو شخص ہی بھاگ کر اپنی جان بچا سکے۔ چونکہ رات اب نصف سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ دومۃ الجندل بہت قریب آ گیا ہے اس لیے آں حضورؐ نے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا۔

مجاہدین اسلام کمریں کھول کھول کر کے سبز سبز گھاس پر پڑ گئے کچھ لوگ سامان اور مویشیوں کی نگرانی پر مقرر کر دیے گئے اور وہ نیزے ہاتھوں میں لے کر پہرہ دینے لگے۔ صبح طلوع آفتاب ہونے سے قبل آں حضورؐ اٹھے تمام مسلمان بیدار ہو گئے سب نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر کمر کستے ہوئے اور چل دیے۔

دوپہر کے وقت دومۃ الجندل میں پہنچ گئے مسلمانوں کا خیال تھا نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ عیسائی شہر یا قلعہ سے باہر استقبال یا مقابلہ کے لیے تیار ملیں گے لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ انہوں نے کسی ایک عیسائی کو بھی شہر سے باہر نہ دیکھا۔

دومۃ الجندل ایک شہر تھا۔ نہایت وسیع تھا اس کا بادشاہ یا والی اکیدر بن عبد الملک تھا۔ مسلمان بے باکانہ شہر میں داخل ہوئے۔ تمام شہر خالی تھا۔ ایک متنفس بھی کہیں نظر نہ آتا تھا۔

ہر طرف خاموشی طاری تھی راستے۔ سڑکیں۔ دکانیں اور مکانات وغیرہ سب خالی پڑے تھے کہیں کہیں کتے گھومتے نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ گھر چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔

جبکہ مسلمان مکانوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے ایک مکان کی چھت سے ایک عیسائی کو جھانکتے ہوئے دیکھا فوراً ایک شخص مکان کے اندر گھس گیا اور تھوڑی دیر میں ایک عیسائی کو ہمراہ لایا۔ جو بیم و رجا کی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔

یہ شخص آں حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آں حضورؐ نے اس سے دریافت کیا تمہارا بادشاہ اکیدر بن عبدالملک کہاں ہے۔

مسیحی نے جواب دیا حضور وہ دمشق کی طرف بھاگ گیا ہے!"

آں حضور صلعم نے پوچھا کیا اسے ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی؟

عیسائی نے کہا۔ ہاں حضور اس کے جاسوس نے آپ کے آنے کی خبر کئی دن پیشتر سے ہی دے دی تھی۔ اس نے شہر والوں کو شہر خالی کر کے چلے جانے کا حکم دے دیا تھا۔

چنانچہ بستی تمام شہر والے اپنا اپنا سامان لے کر چلے گئے تھے صرف فوج باقی رہ گئی تھی۔ رات چراگاہ سے دو آدمی آئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے بادشاہ کے آنے کی اطلاع کی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اسی وقت فوج لے کر بھاگ گیا آں حضور صلعم نے اس مسیحی سے دریافت کیا تم کیوں نہیں بھاگے؟

عیسائی نے کہا اس لیے کہ مجھے موقعہ نہ مل سکا!

آں حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا تم کو آزاد کیا جاتا ہے جہاں جی چاہے جاؤ۔

عیسائی نے آں حضورؐ کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا مسلمان گھروں کے اندر گھس گئے۔

گھروں میں مٹی کے ٹوٹے پھوٹے برتن یا وہ سامان تھا جو مسیحی اپنے ساتھ نہ لے جا سکے تھے۔ کچھ غلہ بھی تھا۔ مسلمانوں نے تمام غلہ اور وہ سامان جو قابل استعمال تھا اپنے قبضے میں کر لیا آں حضورؐ نے شہر سے باہر مسلمانوں کو قیام کرنے کا حکم دیا مسلمان ایک مرغزار میں خیمہ زن ہو گئے۔ اب آں حضورؐ نے چند چھوٹے دستے ادھر ادھر روانہ فرمائے عیسائی مسلمانوں سے کچھ ایسے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ وہ اب دیہات و قصبات وغیرہ چھوڑ چھوڑ کر دمشق کی طرف بھاگ گئے تھے۔

کسی ایک جگہ جنگ کوئی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آیا اس وجہ سے سرحد شام پر مسلمانوں کا رعب و داب بیٹھ گیا۔

چند روز دومۃ الجندل میں قیام کر کے حضور اکرمؐ واپس لوٹے ایک روز جبکہ ایک سبزہ زار میں مسلمان قیام پذیر تھے ایک شخص عیینہ بن حصین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا اس نے نہایت ادب سے آں حضورؐ کو سلام کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ آں حضورؐ نے اس سے دریافت کیا عربی برادر تمہارا نام کیا ہے! اس نے جواب دیا میرا نام عیینہ ہے! میرے باپ کا نام حصین ہے اور میں اپنے قبیلہ کا سردار ہوں!

آں حضورؐ نے دریافت کیا تم کس لیے آئے ہو عیینہ!

عیینہ نے عرض کیا۔ حضورؐ میرے پاس مویشی بہت زیادہ ہیں اونٹوں اور بکریوں نیز گھوڑوں کی اس قدر بہتات ہے کہ میں اس نواح میں مویشیوں کا بادشاہ کہلاتا ہوں ہر سال یہاں کثرت سے بارش ہوتی تھی جس سے مویشیوں کے لئے چارہ افراط سے ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن امسال بارش نہیں ہوئی چارہ کا قحط پڑ گیا ہے گذشتہ سال چارہ کا جس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا تھا سب ختم ہو چکا اب میں سخت پریشان ہوں

آں حضورؐ نے پوچھا! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

عیینہ نے کہا! میں نے سنا ہے کہ مدینہ میں خوب بارش ہوئی ہے وہاں چارہ کی بہتات ہے چراگاہیں سرسبز و شاداب ہو گئی ہیں۔ میری آرزو ہے کہ حضورؐ میرے مویشیوں کو مدینہ کی چراگاہوں میں چرنے کی اجازت فرما دیں میں اس کے معاوضہ میں معقول رقم حضورؐ کی نذر کروں گا۔ حضور اکرمؐ نے مسکرا کر فرمایا! عیینہ! تم کو اجازت ہے کہ جس قدر مویشی چاہو مدینہ منورہ کی چراگاہوں میں بھیجو کوئی تم کو روک ٹوک نہ کرے گا اور نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔

عیینہ نے آنحضورؐ کے چہرہ پر جمال کو مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا! حضورؐ کی اس بے پایاں عنایت کا صد ہزار شکریہ!!

عیینہ اٹھ کر چلا گیا۔ آں حضورؐ نے بھی لشکر کو روانگی کا حکم دیا مجاہدین نے تمام سامان اور خیمے اونٹوں پر لادے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس مہم کا نام غزوۂ دومۃ الجندل ہے!

چوتھا باب

خونریز جنگ

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان کبھی کسی قوم یا کسی ملک پر بلاوجہ حملہ آور نہیں ہوئے۔ ہر مرتبہ جنگ کیلئے انہیں مجبور کیا گیا۔ ہر قوم نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کی۔ مسلمانوں کو تنگ کرنے اور پرستاران توحید کو راہ مستقیم سے ہٹانے کیلئے انتہائی کوشش کی لیکن خداپرست مسلمان کسی طرح بھی خداپرستی سے باز نہ آئے۔

جب آں حضورؐ سرحد شام سے واپس لوٹے تو مشرک عربوں اور مسلمانوں سے خدائی عناد رکھنے والے یہودیوں کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ تمام ملک شام میں ٹڈی دل عیسائی بکھرے پڑے ہیں۔ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں بتاتے اس وجہ سے عیسائی ان سے نفرت کرتے اور انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہ مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیں گے اور ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے اگر کوئی واپس بھی آئے گا تو مسلمانوں کی تباہی کی خونچکاں داستان سنانے کے لئے آئیگا مگر جب انہوں نے سنا کہ دو متحدہ قبیلوں کے عیسائی بلامقابلہ کئے فرار ہوگئے تو انہیں ان کی بزدلی پر بڑا غصہ آیا۔ اب انہوں نے پھر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کردیا

ہم بار بار اور واضح طور پر لکھ آئے ہیں کہ عرب جتنا ان کے وسیع ملک میں یا تو عرب آباد تھے یا یہودی۔ اگرچہ یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں آں حضورؐ کے نبی مبعوث ہونے کی پیشین گوئی درج تھی لیکن وہ سمجھتے تھے کہ نبی آخرالزماں انہیں کی قوم میں پیدا ہوں گے۔

چونکہ حضور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے اس لئے یہودیوں کو سخت ناگوار گذرا اور انہوں نے آنحضورؐ کی نبوت سے انکار ہی نہ کیا بلکہ آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کی ایذا رسانی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے لگے۔

عرب بت پرست مشرک تھے وہ خدا کے نام سے بھی واقف نہ تھے بتوں ہی کو سب کچھ مانتے تھے اور جانتے تھے لہٰذا وہ بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ یہودیوں سے زیادہ وہ حضور اکرمؐ کی دشمنی پر اتر آئے۔ ان دونوں قوموں نے مل کر

مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا لیکن قرون اولیٰ کے مسلمان لائق صد ہزار تحسین ہیں۔ انہوں نے نہ کسی ابتلا کا خیال کیا۔ نہ کسی مصیبت سے گھبرائے ہر صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ نہ قوم کی شکایت نہ دشمنوں کا گلہ۔ نہ خدا سے شکوہ کیا ہر آزمائش میں پورے اترے۔

یہودیوں اور عربوں نے برِاعظم عرب میں عربستان کے ذرہ ذرہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکسا رکھا تھا۔ تمام عربی قبائل کو برانگیختہ کر دیا گیا۔ اور یہودیوں نے عیسائیوں کو بھی جا ابھارا!

حالانکہ عیسائی اور یہودی آپس میں کبھی اتفاق سے نہ رہے تھے گویا ہمیشہ ان بن رہتی تھی مگر مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے دونوں قومیں شیر و شکر ہو گئیں۔ یہودیوں کا مشہور قبیلہ بنو نضیر یثرب سے جلا وطن ہو کر شام اور خیبر کی طرف چلا گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل کوششوں اور ریشہ دوانیوں کا جال بچھا دیا تھا۔

تمام یہودی اور سارے عرب قبائل کو مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ کر دیا تھا۔ ایک زبردست وفد جس میں حی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، سلام بن کنانہ جیسے یہودی سردار شامل تھے مکہ روانہ ہوا تاکہ قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دے

تب مسلمان دومۃ الجندل سے واپس آئے تھے۔ نت نئی افواہیں سن رہے تھے کبھی مشرکین مکہ کے حملہ آور ہونے کی خبر سنتے کبھی عیسائیوں کی یورش کی اور کبھی یہودیوں کے بڑھنے کی خبریں آتیں اور کبھی یمن و نجد کے قبائل کے حملہ کی۔

مسلمان ایسے مستقل مزاج تھے کہ وہ ان مبہم خبروں کو سننے سے ذرہ بھر ہراساں یا پریشان خاطر نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت اطمینان سے تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔

مدینہ اور نواح مدینہ کے غیر مسلموں کو مسلمان بنا رہے تھے اسلام کو پھیلتے اور مسلمانوں کو بڑھتے دیکھ کر مشرکوں اور کافروں کے سینوں پر سانپ سے لوٹ رہے تھے۔ چونکہ امن و امان کے زمانہ میں مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے کفار کوشش کرتے تھے کہ مسلمان امن و اطمینان سے نہ رہیں۔ ہمیشہ اور ہر وقت جنگ و پیکار میں الجھے رہیں۔

چنانچہ انہوں نے بنو المصطلق کے یہودیوں کو ابھار دیا۔ بنو المصطلق کا بادشاہ حارث بن ضرار ایک تجربہ کار، چالاک اور خون خوار شخص تھا اس نے اپنے قبیلہ کو منظم

کے عربی قبائل کو اشتراک عمل کی دعوت دی۔

متعدد قبائل اس کے شریک کار ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے زبردست جمیعت فراہم کر لی۔ آں حضورؐ کو اس کے ارادہ کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت بریدہؓ بن خصیب کو تحقیق حال کیلئے روانہ کیا۔

انہوں نے واپس آکر بیان کیا کہ حارث بن ضرار نے زبردست جمیعت فراہم کر لی ہے ہزاروں یہودی اور مشرک عرب اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں اور وہ عنقریب مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

آں حضورؐ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیدیا جب مسلمان تیار ہو گئے تو آپ نے زیدؓ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور خود مجاہدین اسلام کو لے کر حارث کی سرکوبی کیلئے روانہ ہو گئے۔ اس اسلامی لشکر میں تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ اس مرتبہ آنحضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے جدا جدا علم بنا دئے تھے۔ انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں اور مہاجرین کے علمبردار حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت فاروقؓ کو مقدمۃ الجیش مقرر کیا گیا تھا۔ اس مہم پر حضور اکرم اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین کو بھی ہمراہ لے گئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو ہر جنگ میں کامیابی ہوتی تھی اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہو تا رہا تھا۔

کیونکہ آں حضورؐ نے یہی آئین مقرر فرما دیا تھا کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوتے تھے وہی مال غنیمت میں حصہ پا سکتے تھے اس لئے اس مرتبہ مال غنیمت کی طمع میں عبداللہ بن ابی منافق بھی مع اپنے منافقین کی جماعت کے شریک ہو گیا تھا۔

اگرچہ مسلمانوں کو اس کی اور اس کے رفقاء کی شرکت ناگوار گذری۔ خود اس کے بیٹے عبداللہ کو بھی ناگوار گذری۔ مگر وہ مسلمان کہلاتے تھے اس لئے ان کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے اور وہ جہاد کی شرکت سے باز نہیں رکھے جا سکتے تھے۔

۱۔ جس طرح مصر کا قاعدہ تھا کہ دادا کے نام پر پوتے کا نام رکھا جاتا تھا اسی طرح سے عرب میں بھی باپ کے نام پر بیٹے کا نام رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ منافق نے بھی اپنے بیٹے کا نام اپنے نام پر ہی عبداللہ رکھا۔

(صادق صدیقی سردھنوی)

مسلمان دیکھ چکے تھے کہ جنگ احد میں بھی عبداللہ بن ابی منافق مع اپنی جماعت کے روانہ ہوا تھا مگر راستہ ہی سے لوٹ آیا تھا اس لئے انہیں خیال ہوا تھا کہ وہ شاید اب لوٹ آئے یا کوئی اور شرارت کرے مگر وہ آں حضورؐ کی وجہ سے مجبور و معذور تھے۔

مسلمانوں کا لشکر جب اور جس طرف گذرتا تھا۔ غیر مسلموں پر خوف طاری ہو جاتا۔ چنانچہ اس لشکر کی آمد سن کر بادیہ نشین عرب ڈیرے خیمے لاد کر چلے گئے تھے۔ تمام نخلستان خالی پڑے رہ گئے تھے۔

قبیلہ بنو المصطلق مدینہ سے نو منزل فاصلہ پر آباد تھے لشکر اسلام منزل بمنزل کوچ کر رہا تھا۔ ایک روز سحر کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو مقدمۃ الجیش کے سردار تھے ایک عرب کو دیکھا کہ وہ کبھی ٹیلوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ کبھی کسی ٹیلہ کی آڑ لیکر جھانکنے لگتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک بڑے ریت کے ٹیلے کی آڑ ہوکر اس طرف بڑھے مقدمۃ الجیش کا دستہ برابر کوچ کر رہا تھا۔

حضرت عمرؓ بڑھتے بڑھتے اس ٹیلے کے پاس پہونچ گئے جس کے پیچھے عرب چھپا ہوا تھا انہوں نے دفعتاً بڑھ کر عرب کی گردن پکڑلی۔ عرب اس اچانک افتاد سے سخت بدحواس اور سراسیمہ ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ اور ٹیلے کے نیچے چھپ کر کیا دیکھ رہا ہے۔؟ عرب نے کہا! میں ایک مسافر ہوں لشکر سے ڈر کر اس جگہ آچھپا تھا۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا ڈرنے کی وجہ؟

عرب نے کہا! شاید عرب مجھے نقصان پہونچا دیں!

حضرت عمرؓ! کیا مسلمانوں نے کبھی بلا وجہ کسی کو نقصان پہونچایا ہے؟

عرب۔ نہیں!

حضرت عمرؓ۔ پھر تو کیوں خوف زدہ ہوا!

عرب۔ یہ میری غلطی تھی!

حضرت عمرؓ نے غور سے عرب کو دیکھ کر کہا غلطی نہیں چالاکی کی تھی کیا تم قبیلہ بنو المصطلق سے نہیں ہو؟

عرب حضرت عمرؓ کی معنی خیز نظریں دیکھ کر مرعوب ہو گیا اس نے کہا ہاں! میں اسی عقیدہ سے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے گھورتے ہوئے کہا اور حارث کے جاسوس؟

عرب نے بے ساختہ پن سے کہا جی ہاں... لیکن میں اپنی خوشی سے جاسوسی کرنے نہیں آیا بلکہ مجھے زبردستی بھیجا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کی گردن چھوڑ کر کہا اچھا تم رسول اللہؐ کے پاس چلو!

عرب کے لئے بجز سر اطاعت خم کرنے کے چارہ ہی کیا تھا وہ ساتھ ہو لیا حضرت عمرؓ اسے ہمراہ لے کر آنحضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور تمام گفتگو گوش گذار کر کے کہا۔

"حضورؐ یہ جاسوس ہے اور جاسوس کی سزا آئین عرب میں قتل ہے لہٰذا اس کے قتل کرنے کا حکم دیجئے"

"آں حضورؐ نے کہا! بے شک عرب کا قانون جاسوسوں کے لئے سزائے موت تجویز کرتا ہے لیکن اگر یہ مسلمان ہو جائے... ہاں اگر یہ اسلام قبول کرے تو رہائی پا سکتا ہے؟

حضرت عمرؓ نے جاسوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہو حارث کے جاسوس کیا تم اسلام قبول کرنے پر تیار رہتے!

جاسوس نے کہا نہیں میں کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا!

فوراً حضرت عمرؓ نے ایک مسلمان کو اشارہ کیا اس نے تلوار کھینچی اور جاسوس کا سر اڑا دیا گیا!

ممکن ہے بعض فوجی قانون سے ناواقف لوگ کہیں کہ یہ ظلم تھا۔ لیکن واقعات کے جاننے والے جانتے ہوں گے کہ ہر زمانہ میں ہر ملک کے جاسوسوں کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی یہی قانون رائج ہے جاسوس کو قتل کر کے حضرت عمرؓ اپنے دستہ میں آ گئے۔

تقریباً ایک ہفتہ سفر کرنے پر لشکر اسلام چشمہ مریسیع کے کنارے پر آکر خیمہ زن ہوا اسی روز شام کے وقت حارث بھی اپنا عظیم الشان لشکر لے کر ندی کے دوسرے کنارے پر اترا۔ رات کے وقت دونوں لشکر دونوں کناروں پر خاموشی سے ٹھہرے رہے

جو مخالفین کو اندیشہ تھا کہ کوئی فریق دریا کو عبور کر کے ان کو شبخون نہ مارے۔ اس لئے
مثنی حمین نے زبردست پہرہ مقرر کر دیا تھا اور پہرے والے ساری رات جاگتے اور
بیدار باشی کی صدائیں لگاتے رہے!"

صبح جب کائنات بیدار ہوئی اور صبح کی آمد کی خوشی سے ریگزار کا ذرہ ذرہ
شگفتہ ہو گیا۔ مشرق کی طرف سے دلفریب روشنی کی چادر بڑھ کر ظلمت کو دور کرتی ہوئی
عربستان پر چھانے لگی تو مسلمان بیدار ہوئے اور ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے
لگے۔ حارث اور اس کا لشکر بھی بیدار ہو کر ضروریات سے فارغ ہونے لگا جب
مسلمان نماز پڑھ چکے تو آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا!

"عمرؓ تم دریا کو پار کر کے حارث کے پاس جاؤ۔ اور اسے اور اس کی قوم کو اس کے لشکر
کو اسلام کی دعوت دو لیکن نرم لہجہ میں یاد رکھو نصیحت اگر درشت اور تیز لہجہ میں
کیجائے تو کبھی اثر نہیں کرتی۔ نرم لہجہ۔ شیریں بیانی انسان کے دل میں گھر کرتے
چلے جاتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ سر تسلیم خم کر کے چلے اگرچہ وہ جانتے تھے کہ دریا کے پار دشمنوں کا
اژدہام ہے ان دشمنوں کا جو ان کے دشمن اور ان کے مذہب کے دشمن ہیں۔

دشمنوں کے نرغے میں تنہا جانا بڑے دل گردہ کا کام تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کی وہ
تھی جو سوائے خدا کے کسی کا خوف دل میں نہ آنے دیتے تھے وہ بغیر کسی جھجک کے دریا کے
کنارے پر پہنچے اور اسے عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ آپ کو دیکھ کر
حارث نے چند سربرآوردہ لوگوں کے آپ کے قریب آیا پوچھا! عمرؓ کس لئے آئے ہو؟

حضرت عمرؓ نے کہا! میں ایک بات کہنے آیا ہوں۔ سنو! غور سے سنو! ٹھنڈے دل
سے سنو! تم خوب جانتے ہو! میں میرا خاندان۔ میرا قبیلہ۔ میری قوم۔ لات و عزیٰ اور
ہبل اور دوسرے بتوں کو پوجتے تھے۔

خدا نے۔ اس خدا نے جو کائنات کا خالق ہے مخلوق کا رازق ہے لوگوں کے دلوں
کی باتیں جانتا ہے ازل سے ہے ابد تک رہیگا نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اسے آرام کرنے
کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو قادر مطلق ہے جسکے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی فنا و بقا ہے۔
اپنی مخلوق کی ہدایت کیلئے ایک رسول بھیجا۔ اس حبیب نے اس رسولؐ نے اس کی
خدا کی توحید کا اعلان کیا۔ سعید ہستیاں ایک ایک دو دو ہو کر اسلام کی طرف جھکنے لگیں۔

میں بھی مسلمان ہو گیا:

حارث! آج میں نہیں۔ تمہاری قوم کو، تمہارے لشکر کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں آؤ توحید کے سائے میں آجاؤ۔ اسلام کی پناہ لو اور تمام مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ۔

حارث نے کہا! عمرؓ تم جانتے ہو۔ ہم یہودی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں۔ ہماری کتابوں میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیشنگوئیاں تحریر ہیں، مگر وہ نبی یہ نہیں ہیں جن کے تم پیرو ہو!

وہ ہماری قوم میں ہوں گے۔ میں انہیں یعنی تمہارے نبی کو شاعر و کاہن تو کہہ سکتا ہوں مگر نبی نہیں مان سکتا اور جب میں انہیں نبی نہیں مانتا تو اسلام کیسے قبول کر سکتا ہوں"

اب تم۔ تمہاری قوم تمہارا نبی، میرے مقابلہ میں آگئے ہو سمجھ لو کہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں جانے دونگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ حارث! ہم خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں۔ کہ تم بھی امن دامان سے رہو اور ہمیں بھی چین سے رہنے دو۔ فضول جنگ سے کیا فائدہ ہے۔ ہم خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہیں اور اس تعلیم کو قبول کر لو۔

حارث نے ترش روئی سے کہا۔ ناممکن ہے کہ ہم تمہاری تعلیم کو قبول کر لیں۔ ہم تم سے لڑیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ایک مسلمان بھی باقی و زندہ رہیگا!

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا ستارہ عروج زوال کے ابر میں آگیا ہے اچھا تم لڑو اور اس وقت تک لڑو۔ جبتک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ خدا حق کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ واپس لوٹ آئے اور آنحضور صلعم کی خدمت میں باریاب ہو کر تمام گفتگو عرض کر دی۔ حضور اکرم نے لشکر کے عبور کرنے کا حکم دیا۔

شیرانِ اسلام دریا میں کودپڑے ایک مختصر دستہ تیر اندازوں کا دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا گیا تاکہ اگر دشمنوں کی فوج مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کرے تو ان پر تیروں کی بارش کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیں۔

حارث نے مسلمانوں کو دریا میں کودتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اپنے لشکر کو کنارے سے دور ہٹا کر صف بستہ کر دیا۔ مسلمان بھی دوسرے کنارے پر پہنچ کر اپنی صفوں کو مرتب

کرنے لگے۔

تیر اندازوں کا دستہ بھی آکر صف بستہ ہو گیا۔ سب سے آگے حضرت عمرؓ کا دستہ صف بستہ ہوا۔ ان کے عقب میں میمنہ پر حضرت صدیق اکبرؓ، اور میسرہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ اپنے اپنے دستوں میں کھڑے ہو گئے۔

قلب میں آنحضور صلعم متمکن ہوئے آپ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ اور چند دوسرے صحابہ تھے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت عمرؓ سے کہلا بھیجا کہ جب تک دشمنوں کی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہو اس وقت تک اپنی طرف سے آغاز نہ کریں۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے مسلح کھڑے تھے۔

حارث قلب لشکر میں تھا۔ اس کے قریب ایک خوبصورت نازنین روئے انور پر جا بیدار نقاب ڈالے کھڑی تھی۔ یہ اسی کی پری زادی بیٹی جویریہ تھی۔

جویریہ جس قدر حسین تھی، اسی قدر شیر دل اور جنگجو بھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے ارادہ سے آئی تھی۔

حارث نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا۔ ان کا ٹڈی دل لشکر سیلاب کی طرح بڑھا۔ مسلمان بھی آہستہ آہستہ بڑھے کچھ ہی عرصہ میں دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا تھا۔ انہیں نے نیزے نکالے اور ایک نے دوسرے پر حملہ کیا۔

نیزوں کی انیاں دھوپ میں جگمگاتی ہوئی بڑھیں۔ انسانوں کے گوشت اور پوست میں پیوست ہوئیں۔ ہر شخص جوش و غضب سے بھر گیا۔ اپنی قوت سے زیادہ نبرد آزمائی میں سرگرم نظر آنے لگا۔

ہوتے ہوتے یہ جوش اس قدر بڑھا کہ نیزے پھینک کر تلواریں بجلی کی طرح کوندتی ہوئی بڑھیں۔ انھیں دوانوں کے سروں پر بلند ہوئیں فوراً سیاہ سیاہ ڈھالیں فضا میں اونچی ہوئیں۔ اور تلواریں ڈھالوں کے اوپر پڑیں۔ جنگ شروع ہو گئی نہایت خونریز۔ ہر شخص اپنے مقابل سے لڑنے میں مصروف ہو گیا برق وش تلواریں سرو تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ دھڑ انسانی کٹ کٹ کر گرنے لگے ریتیلے میدان میں خون پانی کی طرح بہنے لگا۔

حارث کے لشکر نے حضرت عمرؓ کے دستہ پر حملہ کر دیا جس جوش و خروش اور جس شدت سے حملہ کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کا دستہ منہزم و پسپا ہو جائے گا دشمنوں کے سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

اگر جیداری کرکے لڑتا بھی تو بہت جلد مقتول و مجروح ہو کر خاک و خون میں آغشتہ نظر آئے گا مگر مسلمانوں کے اس دستہ نے دشمنوں کے سیلاب کو نہ صرف روک دیا بلکہ اس جوش و خروش سے مقابلہ کیا کہ دشمن حیران رہ گئے۔

ہر مجاہد لوہے کا پتلہ بن گیا جو نہ مرنا جانتا تھا نہ پیچھے ہٹنا بلکہ آگے بڑھنا اور بڑھکر حملہ کرنا جانتا تھا۔ جو شخص بھی اس مجاہد کے سامنے آ گیا بغیر قتل کئے ہوئے نہ جانے دیا۔

مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے کمال جیداری اور نہایت بیباکی سے لڑ رہے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پھرتی اور تیزی سے پینترے بدل بدل کر لڑ رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

وہ جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے جس کے اچھل کر تلوار مارتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے انہوں نے تھوڑے عرصہ میں دس بارہ کافروں کو موت کی آغوش میں پہنچا کر دائمی نیند سلا دیا۔

کفار پر انکا رعب طاری ہو گیا۔ وہ ان سے بچنے اور ان کے سامنے سے کترانے لگے۔ چونکہ اس وقت طرفین جوش و غضب سے بھرے ہوئے ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے اس لئے کوئی ترتیب اور کوئی ضابطہ وغیرہ باقی نہ رہا تھا۔ مسلمان کافروں میں اور کافر مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ اور ہر شخص کمال جانبازی سے لڑ رہا تھا۔

حارث اور اس کی بیٹی جویریہ گھوڑوں پر سوار ادھر ادھر دوڑ دوڑ کر اپنے ساتھیوں کو تقریروں سے برانگیختہ کر کے جوش دلا دلا کر لڑائی پر ابھار رہے تھے۔

کفار بڑے جوش خروش سے لڑ رہے تھے۔ غیظ و غضب میں آ آکر پوری قوت سے تلواریں مار رہے تھے۔ لیکن ان کی تلواریں کارگر نہ ہوتی تھیں یا تو مسلمان انہیں ڈھالوں پر روک لیتے تھے۔ یا تلوار کے اشارہ سے ان کے حملے رد کر دیتے تھے۔

آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سفید گرم تیز دھوپ میدان جنگ میں پڑ رہی تھی۔ لڑنے والوں کے بدن پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے۔ پیشانیوں سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ گرمی جسموں میں اضمحلال پیدا کئے دیتی تھی لیکن تلوار اور نیزوں سے کھیلنے والے گرمی اور تیز دھوپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑے جوش اور تمام قوت سے

تمام قوت سے لڑ رہے تھے۔

حارث کا تمام لشکر مسلمانوں پر حملہ آور تھا اور مسلمانوں کا صرف مقدمۃ الجیش ان سے لڑ رہا تھا۔ ابھی تک سارے اسلامی لشکر نے شرکت نہ کی تھی۔ دفعتاً آنحضور ﷺ نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ مارا۔ تمام اسلامی لشکر نے مع اس لشکر کے جو ابھی جنگ میں شریک نہ ہوا تھا اس نعرہ کی تکرار کی!"

اس نعرہ فلک شگاف کی صدا نے میدان جنگ کو ہلا دیا۔ فضا تھرا گئی۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ اور اس کے اثر سے زمین ہچکولے کھانے لگی ہو۔

حضرت عمرؓ نے جلدی سے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو انہیں اسلامی لشکر بڑھتا ہوا نظر آیا۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا مسلمانو! سارا اسلامی لشکر حملہ کرنے کیلئے بڑھ رہا ہے یہ بڑی غیرت کی بات ہے ہم دشمن کو منہزم و پسپا نہیں کر چکے اس سے ہم پر بزدلی کا اطلاق ہوتا ہے۔

قسم ہے خدائے قدوس کی کہ میں اس سبک سری کو کسی طرح سے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ بڑھو! اور مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ان کافروں کو قتل کر ڈالو یا پسپا کر کے بھگا دو۔ بڑھو اور خوب ہمت سے بڑھو!۔

حضرت عمرؓ کی اس تقریر نے ان کے دستہ کو لوگوں میں جوش کی روح پھونک دی۔ انھوں نے جوش سے بھر کر حملہ کیا اور اس غضب کا حملہ کیا کہ باوجود کفار کی مدافعت کے انہیں مارتے کاٹتے حارث اور اس کی بیٹی جویریہ کی طرف بڑھنے لگے۔

نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی تلواریں نہایت پھرتی سے بلند ہو ہو کر انسانوں کے خون میں تیرنے لگیں۔ ہاتھ، پیر، سر، اور دھڑ، کٹ کٹ کر گرنے لگے اور خون کے دریا بہنے لگے۔

حضرت عمرؓ غیظ و غضب میں بھر کر کافروں کو مارتے کاٹتے کفار کے علم بردار کی طرف بڑھے ایک شخص صفوان نامی حارث کا علمبردار تھا۔ نہایت بہادر آزمودہ کار اور جنگجو تھا۔ اس نے حلف اٹھایا تھا کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک علم کی حفاظت کریگا

ہر قوم کو اپنا علم عزیز ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں زندگی سے زیادہ علم کی حفاظت

کی جاتی ہے کفار بھی علمبردار کو گھیرے علم کی حفاظت کر رہے تھے۔

جو مسلمان اس طرف بڑھتا تھا یا تو اسے شہید کر دیتے تھے یا اس قدر مجروح کر دیتے تھے کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ کئی مسلمان علمبردار کی طرف بڑھ چکے تھے لیکن زخمی ہو ہو کر واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ بڑی دلیری سے نیز بڑے جوش و غضب سے بڑھے تھے۔ انہیں ہر ہر قدم پر کفار نے روکا لیکن انہوں نے ہر اس شخص کو مار ڈالا جو سدراہ ہوا وہ مارتے کاٹتے صفوان علمبردار کے قریب جا پہونچے۔

کفار نے دیکھا وہ سب ترتیب کر ان کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے ان پر حملہ آور ہوئے۔ متعدد تلواریں ان کے سر پر بلند ہوئیں! کیسا ہی بہادر کیسا ہی بے خوف اور کیسا ہی جانباز شخص کیوں نہ ہوتا لیکن ایسے خوفناک منظر کو دیکھ کر جھجک جاتا۔ مگر نہ جھجھکے تو حضرت عمرؓ۔

انہوں نے نہایت پھرتی اور چابک دستی سے چاروں طرف تلوار چلا چلا کر کفار کو الگ ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ کفار مجروح ہو ہو کر ہٹے۔ حضرت عمرؓ صفوان کی طرف بڑھے۔ صفوان نے بھی تلوار نکالی لی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حملہ کیا اسی وقت اس نے بھی حملہ کیا۔ مگر اس کی تلوار حضرت عمرؓ کی ڈھال پڑی اور حضرت عمرؓ کی تلوار اس کے سر پر پڑی۔

اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور کشتہ ہو کر گرا اس کے گرتے ہی علم زمین پر آرہا۔ کفار اپنا علم سرنگوں دیکھ کر خائف و ترساں ہو گئے حارث اور جویریہ کے دل ڈوب گئے۔ اسی وقت مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ان تازہ دم مسلمانوں نے جو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت سعدؓ کی معیت میں بڑھ رہے تھے۔

کفار پہلے ہی سے ہراساں ہو رہے تھے۔ اس تازہ دم حملہ نے انہیں اور بھی خوفزدہ کر دیا۔ لہذا وہ پیچھے ہٹے۔ اور مسلمانوں نے بڑھ کر دبایا۔ ان کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا۔

سینکڑوں کافر جنم زدوں میں واصل جہنم کر دیئے گئے۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، حارث نے اپنے کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو خود بھی بھاگ پڑا اس کی بیٹی جویریہ بھی بے تحاشا بھاگی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انہوں نے

سینکڑوں بھاگ بھاگ کر جان بچانے والے کافروں کو قتل کر کے دور تک میدان جنگ میں لاشیں بچھا دیں۔

جن کافروں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے اور امان چاہی انہیں گرفتار کیا جانے لگا۔ اتفاق سے جویریہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ منہ کے بل زمین پر آرہی۔ چند مسلمان اس کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں میدان جنگ کافروں سے پاک ہو گیا۔ یا تو کفار مارے گئے یا گرفتار کر لئے گئے!۔

اب مسلمانوں نے کفار کے خیموں پر تاخت کی۔ اور انھیں لوٹنے لگے۔ تاریخوں میں اس جنگ کا نام غزوۂ المصطلق ہے اور غزوۂ مریسیع ہے یہ جنگ ۵ھ میں واقع ہوئی۔

پانچواں باب (۵)

منافقین کی ریشہ دوانیاں

جب مسلمان بنو المصطلق کے خیموں کو لوٹ چکے تو انہوں نے دریا کے پار آکر اسی جگہ قیام کیا جہاں گذشتہ روز قیام کیا تھا۔ قیدی اور مال غنیمت اسی وقت مجاہدوں میں تقسیم کر دئے گئے حارث کی بیٹی جویریہؓ کو ثابت بن قیس نے لے لیا تھا۔ لہذا وہ انہیں حصہ میں دیدی گئی۔ یہ بات عبداللہ منافق کو ناگوار گذری وہ یہ چاہتا تھا کہ جویریہ اسے دی جائے تاکہ وہ بیش قیمت معاوضہ پر اس کے والد کے حوالے کر سکے لیکن جب جویریہ اسے نہ ملی تو خبث باطنی پر اتر آیا اور اس نے تقسیم غنائم پر نہایت سختی سے اعتراض اور نکتہ چینی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو اس کی زبان درازی اور یہ بے ہودہ حرکت سخت ناگوار گذری مگر وہ اب بھی اس لحاظ سے خاموش رہے کہ حضورؐ نے اسے اور اس کے منافق ساتھیوں کے خلاف

لہ غزوۂ مریسیع کے چند روز بعد جویریہ کا باپ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور اس نے اپنی بیٹی کا زر فدیہ دیکر آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی آنحضورؐ نے ثابت بن قیس کو جویریہ کا زرِ فدیہ دیکر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد باپ کے ساتھ جانے کی بھی اجازت دیدی مگر جویریہ نے اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور حضورؐ کی خدمت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ آپ نے اس سے نکاح کر لیا اور امہات المومنین میں داخل ہو گئیں۔ صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

کوئی حکم نہ دیا تھا۔

رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر عبداللہ نے اپنے خیمے میں ایک مجلس مشاورت منعقد کی اس مجلس میں اس نے اپنے ساتھیوں میں چند معزز لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں جس قبیلہ پر حملہ کرتے ہیں۔ اسے زیر کر لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اس طرح سے وہ تمام ملک عرب پر قابض و متصرف ہو جائیں گے اور ہم ذلیل و حقیر ہو کر رہ جائیں گے کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جس سے مسلمان بڑھتی ہوئی ترقی سے رک جائیں۔

ایک گرگ باراں دیدہ نے کہا۔ صرف ایک تدبیر ہے کہ کسی طرح سے مسلمانوں میں نفاق ڈالو۔ اور پھر نہ صرف ان کی ترقی ہی رک جائے گی۔ بلکہ اسکا شیرازہ منتشر ہو کر وہ اس قدر کمزور ہو جائیں گے کہ جو قبیلہ چاہے گا انہیں زیر کر لے گا!"

عبداللہ منافق نے کہا۔ بخدا تم نے تدبیر بتائی ہے وہ تدبیر ہے کہ جو کبھی پٹ نہیں پڑتی۔ اور جس نے بڑی بڑی قوموں کا تختہ الٹ دیا ہے لیکن کس طرح سے نفاق ڈالا جائے

اسی بڈھے کھوسٹ نے کہا یہ بھی بات میں بتاتا ہوں۔ ہم میں سے چند آدمی انصار کے پاس جائیں اور ان کی بہادری کی تعریف کر کے کہیں کہ یہ فتح صرف تمہارے ہی قدم سے ہوئی لیکن مہاجرین کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہوئی ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اسی طرح سے چند لوگ مہاجرین کے پاس جائیں۔ اور ان سے کہیں کہ محض آپ ہی کی وجہ سے یہ فتح یہ ہوئی انصار کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کی وجہ سے ہوئی؟ یقین ہے کہ اس تدبیر سے انصار اور مہاجرین میں نفاق پیدا ہو جائے گا۔

عبداللہ نے خوش ہو کر کہا نہایت معقول تدبیر ہے مگر اس میں ایک اضافہ اور کیا جائے

لوگوں نے پوچھا! وہ کیا ہے؟

عبداللہ منافق نے کہا تم جانتے ہو حضرت محمدؐ کو اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے بے حد محبت ہے۔ حضرت عائشہ پر کوئی اتہام باندھو اس سے مسلمانوں کے رسول کے دل کو صدمہ پہنچے گا اور وہ اس صدمہ کی وجہ سے مہاجرین اور انصار میں اتفاق پیدا نہ کرا سکیں گے۔

ایک شخص نے کہا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے حضرت عائشہ رضہ نہایت نیک اور بھولی ہیں وہ اکثر مسلمانوں سے باتیں کر لیا کرتی ہیں کسی موقعہ پر ان پہ بہتان لگا کر فتنہ پیدا کر دیا جائیگا

عبداللہ منافق نے کہا۔ اچھا! تم اب خاموشی سے منتشر ہو جاؤ اور ان کو مجوزہ تدابیر پر صبح سے عمل درآمد شروع کر دو۔

منافقین خاموشی سے چلے گئے۔ دوسرے دن صبح ہی سے انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے اور شیطانی چالبازیوں کا آغاز کر دیا۔ ان میں سے چند لوگ سادہ لوح انصار کے پاس پہنچے اور ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد ایک منافق بولا حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں انصار نے کمال بہادری دکھائی۔

سعد بن عبادہ کس بے جگری سے لڑے ہیں۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے خارجہؓ بن ثابتؓ۔ عتبانؓ۔ زبیر بن العوامؓ۔ ابو ایوبؓ یہ تمام انصاری بڑے جوش اور بہادری سے لڑے سچ پوچھو تو یہ فتح انصار ہی کے دم قدم سے ہوئی ہے۔

دوسرے منافق نے کہا تم کہے جاؤ۔ لیکن مہاجرین تو اس بات کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت عبیدہ بن الجراح۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے مہاجرین کی سرفروشی سے فتح نصیب ہوئی۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا۔ بھائی انصار ہوں یا مہاجر دونوں خوب لڑے دونوں ہی کی کد و کاوش سے فتح نصیب ہوئی ہے۔

پہلے منافق نے کہا ہم سب انصاریوں کا یہی خیال ہے۔ مگر اکثر مہاجرین کو اپنی ذات اور اپنے طبقہ پر بڑا غرور ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر انصار نہ بھی ہوتے تو فتح یقیناً ہماری ہوتی۔"

چونکہ منافقین بھی مدینہ کے رہنے والے تھے اس لئے وہ بھی انصار کہلاتے تھے دوسرے منافق نے کہا۔ یہ ان کا بیجا ناز ہے آج وہ انصار ہی کی بدولت ترقی کر رہے ہیں۔ کیا وہ اس بات کو بھول گئے ہیں۔ کہ جب مدینہ میں آئے تھے تو ایک وقت کے کھانے کا سامان بھی ان کے پاس نہ تھا ہم نے ہر طرح سے ان کی اعانت کی۔ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر انہیں کھانے پینے کو دیا۔ آج وہ باتیں بناتے ہیں۔ خدا کی قسم ہماری ہی بدولت انہوں نے آرام پایا ہے ہماری وجہ سے انہیں فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ نیز ہمارے ہی دم قدم سے ان کا رعب داب قائم ہو رہا ہے۔

سادہ لوح انسان کے دلوں میں مہاجرین کی طرف سے کدورت پیدا ہو گئی۔ ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔ بے شک یہی بات ہے۔ مہاجرین کی طاقت نہ پہلے تھی نہ اب ہے

ہم ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے سب ہماری ہی وجہ سے ہے جس روز ہم نے ہاتھ کھینچ لیا مہاجرین کچھ بھی نہ کر سکیں گے
دوسرے منافق نے کہا۔ ٹھیک بات ہے میرے خیال میں کہ ہم انصار کو مہاجرین سے چند روز کیلئے عدم تعاون کر لینا چاہیئے تاکہ ان پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور ان کے دماغوں سے ان کی قوت و طاقت کا گھمنڈ نکل جائے۔

ایک انصاری نے کہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ منافق نفاق کی چنگاری ڈال کر علیحدہ ہو گئے۔ انصار میں اس بات کا چرچا ہوا ہر شخص مہاجرین سے کھنچنے لگا

ادھر منافقین کی دوسری جماعت نے مہاجرین کو بھی ابھارا۔ وہ بھی انصار سے کشیدہ ہو گئے۔ اس کشیدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاجرین اور انصار میں بے لطفی پیدا ہو گئی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ کہ ایک فریق دوسرے فریق کو بری نظروں سے دیکھنے لگا۔

منافق اپنا افسوں کارگر ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے انہوں نے کوشش کی کہ یہ نفاق کی چنگاری بجھنے نہ پائے بلکہ اندر ہی اندر پھیلتی رہے اور اس قدر پھیلے کہ اس کے شعلے بلند ہو کر اسلام کی قومیت کی تعمیر کو جلا کر خاکستر کر دیں اور مسلمان ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں جا پڑیں۔

نفاق ایسا تباہ کن اثر اپنے اندر رکھتا ہے کہ جس قوم یا جس ملک میں ڈیرے خیمے ڈالتا ہے اس قوم اور ملک کو تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ کوئی قوم ہو؟ وہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہو۔ اور کوئی ملک خواہ وہ کسی قدر چھوٹا کیوں نہ ہو کبھی برباد نہیں ہوتے جب تک ان میں نفاق کا گذر نہیں ہوتا!۔

تاریخیں بتاتی ہیں۔ کہ بڑے بڑے حکمران۔ فرمانروا اور طاقتور قومیں تیر و سبع ملک نفاق ہی کی لعنت میں گرفتار ہو چشم زدن میں فنا ہو گئے ہمیشہ ان ممالک و اقوام نے ترقی کی ہے جو اتفاق کی برکت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے ہیں۔ بدقسمتی سے سیرت منافقین نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں انصار اور مہاجرین میں نفاق کی چنگاری ڈال دی اور یہ اندر ہی اندر سلگنے لگی۔

اور انصاری ہر مہاجر سے کشیدہ خاطر ہو گیا۔ بڑے بڑے بزرگ اس رو میں بہہ گئے اور انہوں نے اصل حقیقت کا سراغ نہ لگایا۔ ایک روز اس جگہ قیام کر کے دوسرے روز لشکر اسلام نے کوچ کیا چونکہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے سے کھنچنے لگے تھے اس لئے ان میں اخوت اور محبت کی وہ جھلک نظر نہ آتی تھی جو اسلام کی شان اور مسلمانوں کا

طرۂ امتیاز ہے۔

دو تین منزل چل کر یہ ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ مہاجر اور انصار اس قدر کشیدہ ہو گئے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کلام نہ کرتے تھے۔ رات ہوتے ہی لشکر نے عشاء کی نماز پڑھی اور کھانا کھا کر سفر کرنے لگا۔

اتفاق سے حضرت عائشہؓ تقضائے حاجت کیلئے نخلستان سے باہر گئی ہوئی تھیں وہ ایک ٹیلہ کی آڑ میں بیٹھی لشکر کو کوچ کرتے دیکھ رہی تھیں۔ چونکہ پردہ کرنے کا حکم خدا کی طرف سے نازل ہو چکا تھا اس لئے خواتین اسلام مسلمانوں سے پردہ کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کے لئے ایک محمل تیار کیا گیا تھا اور وہ اس محمل میں سوار ہو کر سفر کیا کرتی تھیں انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ جب محمل اونٹ پر رکھا جائے گا تو ان کی عدم موجودگی ظاہر ہو جائیگی۔ اور ان کی سواری کے محافظ ان کے انتظار میں رک جائیں گے۔ اس لئے وہ اطمینان سے رفع حاجت کرتی رہیں جب فارغ ہو کر اٹھیں تو ان کا ہار جھاڑی سے الجھ کر ٹوٹ گیا اور موتی بکھر کر پھیل گئے۔

یہ ہار ان کی ہمشیرہ کا تھا چونکہ پرائی چیز تھی اس لئے بیٹھ کر موتی چننے لگیں چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ تمام ریگزار پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔

حضرت عائشہؓ چاندنی میں موتی چن رہی تھیں۔ اس میں ان کا زیادہ وقت صرف ہو گیا جب تمام موتی مل گئے تو وہ چلیں اور نخلستان میں تشریف لائیں یہاں آکر دیکھا تو تمام لشکر روانہ ہو چکا تھا۔

آپ کو بڑا فکر ہوا۔ آپ مدینہ کی طرف پاپیادہ روانہ ہوئیں اس خیال سے کہ شاید لشکر تک پہنچ جائیں۔ لیکن ایک میل چلتی رہیں۔ اس پر بھی لشکر کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ آپکو تردد ہوا۔

چونکہ آپ کثرت سے روزہ رکھتی تھیں اس لئے دبلی تھیں نقاہت اور کمزوری بھی بڑھی ہوئی تھی۔ آپ زیادہ چل نہ سکیں اور سرِراہ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئیں آپ کو اس بات کا بڑا رنج ہوا تھا کہ محمل برداروں نے محمل اونٹ پر رکھ دیا اور یہ نہ دیکھا کہ آپ اس میں سوار ہیں یا نہیں۔

بات یہ ہوئی چونکہ حضرت عائشہؓ نازک اندام اور ہلکی پھلکی تھیں اس لئے محمل بردار وں کو یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ اس کے اندر موجود ہیں یا نہیں، انہوں نے اٹھا کر محمل اونٹ پر کس دیا اور لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ تھوڑی دیر ٹیلہ پر بیٹھیں کیف آگیں چاندنی کا نظارہ کرتی اور ہوا کے خوشگوار جھونکوں سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔

وہ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتیں ریتلا میدان دور تک پھیلا ہوا اور اس پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ جب بیٹھے بیٹھے زیادہ دیر ہو گئی تو نیند نے غلبہ کیا آپ وہاں پر لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی نیند آگئی تمام رات نہایت آرام سے سوتی رہیں۔ جب آنکھ کھلی تو سنا کوئی کہہ رہا ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) یعنی جو کچھ ہے اللہ کے لئے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔ ہائے یہ ام المومنین کیسے مر گئیں۔ حضورؐ ان کی لاش چھوڑ گئے۔

چونکہ سوتے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے روئے منور سے دوپٹہ کا آنچل سرک گیا تھا۔ اس لئے چہرۂ تاباں نظر آ رہا تھا گیسوئے پیچاں بل کھا کر چاند سی پیشانی پر جھک

حضرت عائشہؓ اس آواز کو سنکر گھبرا گئیں جلدی سے اٹھیں اور منور چہرہ آنچل سے چھپا لیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا صفوان بن معطل اونٹ کی مہار پکڑے سامنے کھڑے ہیں۔ صفوان بن معطل کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ لشکر کی قیام گاہ سے صبح کے وقت چلتے تھے اور پڑاؤ کا خوب جائزہ لیتے تھے کہ آیا کسی کی کوئی چیز پڑی تو نہیں رہ گئی ہے اگر کسی کی کوئی چیز رہ جاتی تو وہ اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیا کرتے۔ آج بھی وہ صبح ہونے کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے ام المومنین کو اس وقت دیکھا تھا یا اسوقت سے جانتے تھے۔ جبکہ پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا اور ام المومنینؓ پردہ نہ کیا کرتی تھیں۔

انہوں نے حضرت عائشہؓ کو محو خواب دیکھ کر یہ خیال کیا تھا کہ شاید آپ کا وصال ہو گیا اس لئے انہوں نے آئیہ استرجاع پڑھی اور اس آئیہ شریفہ کو سن کر ہی... ام المومنین کی آنکھ کھلی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو اٹھ کر بیٹھتے دیکھ کر صفوان بن معطل کو بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا! الحمد للہ! فوراً انہوں نے اونٹ بٹھایا اور ام المومنین کو سوار ہونے کے لئے کہا۔ ام المومنین نے ان سے کوئی بات نہ کی۔ وہ اور بدن کو چرا لے

ہوئے اونٹ کی طرف چلیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت کم سخن اور شرمیلی تھیں کسی سے بات تک نہ کرتی تھیں لہذا آپ نے صفوان سے بھی کوئی بات نہ کی چپ چاپ اٹھ کر اونٹ کے پاس آئیں اور جوں توں کر کے سوار ہوئیں۔ صفوان مہار پکڑ کر اور پیادہ پا چل پڑے۔"

یہ دونوں سارا دن سفر کر کے اس جگہ پہنچے جہاں لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ عصر کا وقت تھا۔ اگرچہ دھوپ اس وقت تیز پڑ رہی تھی مگر اس کی تمازت میں بہت کچھ کمی ہو گئی تھی لشکر کے کنارے پر منافقین کے آدمی خیمہ زن تھے۔ عبداللہ منافق نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تنہا اونٹ پر آتے دیکھا۔ اس وقت اس کے پاس حسان بن ثابت شاعر اور مسطح بن اثاثہ بیٹھے تھے عبداللہ منافق نے ان دونوں سے کہا تم دیکھتے ہو کہ حضرت عائشہ جو ام المومنین کہلاتی ہیں۔ تنہا صفوان کے ہمراہ آ رہی ہیں۔

حسان نے کہا۔ ہاں دیکھا اور دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ مسطح نے کہا۔ تعجب کی کیا بات ہے۔ یقیناً حضرت عائشہ صدیقہؓ دیدہ و دانستہ پیچھے رہ گئیں اور اب صفوان کے ہمراہ آئی ہیں۔ عبداللہ منافق نے کہا۔ یہی میں بھی کہتا ہوں آخر لشکر سے پیچھے اور تنہا رہ جانے کے کیا معنی؟۔

حسان نے کہا۔ بڑا برا زمانہ آ گیا ہے نبی کی بیوی اور ایسی باتیں!۔

مسطح نے کہا۔ کوئی ام المومنین ہو یا نبی زادی۔ عورت آخر عورت ہے اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی۔

عبداللہ منافق نے کہا بڑے شرم و غیرت کی بات ہے اس بات کو تمام انصار اور مہاجرین میں مشتہر کر دیا جائے۔

مسطح نے کہا میں تو سب سے پہلے خدا کے رسول سے یہ ماجرا کہتا ہوں دیکھوں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

عبداللہ منافق بولا۔ ضرور کہو میں اور حسان لوگوں سے اس کا چرچا کریں جس بات کو میں چاہتا تھا وہ آج نصیب ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لئے اس سے اچھا موقع اور کون ہو سکتا ہے

اس قرار داد کے بعد یہ تینوں اٹھے اور شیطانی تبلیغ کرنے کے لئے لشکر میں گھس گئے عبداللہ منافق اور حسان شاعر نے لوگوں سے اس بات کا تذکرہ شروع کر دیا

چونکہ اونٹ ابھی تک جا رہا تھا۔ اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار نظر آ رہی تھیں اس لئے لوگوں نے عبرت سے دیکھا اور طرح طرح کے چرچے شروع کر دیئے۔

اور مسطح سیدھا آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچا اس وقت آنحضورؐ خیمہ کے اندر بیٹھے تھے۔ اور کوئی آپ کے پاس نہ تھا۔ مسطح نے جاتے ہی کہا۔

یا رسول اللہ خیمہ سے باہر نکل کر دیکھئے! ام المومنین حضرت عائشہؓ لشکر سے پیچھے رہ گئیں تھیں اور اب صفوان کے ساتھ آئیں ہیں۔

آنحضورؐ کو یہ خبر سنکر کچھ رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا مسطح! شاید عائشہؓ نہ ہوں اور تم کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

حسان نے کہا۔ خدا کی قسم حضرت عائشہؓ ہیں چل کر دیکھ لیجئے۔ تنہا پیچھے رہ جانے اور صفوان کے ساتھ آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے نبی کی بیوی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

آنحضورؐ بے اختیار اٹھے۔ خیمہ سے باہر آئے اس وقت صفوان اونٹ بٹھا رہا تھا حضرت عائشہ اونٹ پر سوار تھیں۔ حسان بھی پیچھے ہی خیمہ سے نکل آئے تھے اس نے کہا۔ حضور! دیکھا۔ یہ بات ام المومنینؓ کے شایان شان ہے؟۔ خدا کی قسم بری بات ہے تمام انصار و مہاجرین میں اس بات کا چرچا شروع ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر اور حسان کی باتیں سن کر آنحضور صلعم کے دل کو سخت اذیت پہنچی۔ آپ فکر مند ہو کر خیمہ کے اندر چلے گئے۔ حسان بھی پیچھے ہی ہو لیا اس نے کہا۔ حضور رنج نہ کیجئے۔ عورت پھر عورت ہے ایسی عورت سے قطع تعلق بہتر ہے آنحضور صلعم نے فرمایا۔

حسان! مجھے اس وقت خلوت کی ضرورت ہے؟۔

حسان چلا گیا۔ آنحضور صلعم غور و فکر میں مبتلا ہو گئے۔

چھٹا باب (۶)

عصمت مآبی کی خدائی شہادت

چونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دن کو نہایت تیز دھوپ اور سموم میں سفر کرتی رہی تھیں۔ اس لئے شام کے وقت انہیں بخار آ گیا اور ایسا سخت بخار ہوا کہ غافل ہو گئیں۔ رات کو جب لشکر نے کوچ کیا تو انہیں محمل میں لٹا کر سفر شروع کیا

عبد اللہ منافق اور اس کے شیطانی سیرت حاشیہ نشینیں حسان اور مسطح نے تمام لشکر میں کچھ ایسی تبلیغ کی کہ ہر شخص ام المومنین سے بدظن ہو گیا اور تو اور خود آنحضرت پر ان دشمنان نام و ننگ کا جادو چل گیا اور حضور اکرم بھی حضرت عائشہ ام المومنین سے کچھ کبیدہ خاطر ہو گئے۔

چونکہ مدینہ اب قریب ہی رہ گیا تھا۔ اس لئے دوسرے ہی دن یہ فاتح لشکر مدینہ میں داخل ہو گیا۔ مدینہ کے مسلمانوں نے اس لشکر کا نہایت پرجوش خیر مقدم کیا جس وقت لشکر اسلام مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا تھا۔ عبد اللہ کا بیٹا عبد اللہ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا اے منافقوں کے سردار! تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

عبد اللہ منافق کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے غضبناک ہو کر کہا ناخلف تو مجھے روکتا ہے کس وجہ سے؟

عبد اللہ نے کہا۔ اس وجہ سے کہ تم منافق ہو تمہارے دل میں کچھ اور ہے اور زبان پر کچھ اور! اور تم ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے۔ اور تم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہو۔ اپنی شاہی کے خواب دیکھتے ہو۔ تمہاری ذات سے کسی بڑے فتنہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

عبد اللہ منافق نے کہا۔ بدبخت! اگر تو میرا بیٹا نہ ہوتا تو اس شمشیر آبدار سے تیرا سر اڑا دیتا

عبد اللہ نے کہا! تم مجھے قتل کر ڈالو لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں

ذکر دو۔ تمہاری سازشوں سے رسول خدا کے دل کو اذیت پہنچے۔ تم نے انصار اور مہاجرین میں بے لطفی پیدا کر دی ہے میں تمکو اور تمہاری جماعت کو ہرگز مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ میرے گمراہ بیٹے تجھے معلوم ہے کہ تمام اہل مدینہ مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ میرے لئے تاج بنوایا جا چکا تھا۔ مجھے حکومت تفویض ہونے والی تھی۔ ان مسلمانوں کے آنے کی وجہ سے میری شاہی تعویق میں پڑ گئی ہے اگر میں شاہی حاصل کرنے کی کوشش نہ کروں تو دنیا مجھے پست ہمت انسان کہے گی۔

عبداللہ نے بگڑ کر کہا۔ مسلمانوں اور خدا کے رسول کو نقصان پہونچا کر حکومت حاصل کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

عبداللہ منافق نے کہا حصول جاہ و سلطنت کے لئے کوشش حماقت آمیز پر محمول نہیں سمجھی جاتی۔

اس عرصہ میں بہت سے مسلمان اس جگہ جمع ہو گئے۔ منافقین کا دستہ عبداللہ منافق کے ساتھ تھا۔ کسی طرح سے آنحضور کو بھی اس واقعہ سے اطلاع ہو گئی آپ فوراً وہاں تشریف لائے۔

آپ نے صورت حال سے باخبر ہونے کے بعد فرمایا۔ عبداللہ تم اپنے باپ اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے نہ روکو۔ یہ سب مسلمان ہیں۔

عبداللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ منافق ہیں۔ مسلمانوں کے لباس میں مشرک ہیں۔ جاہ پسند حریص ہیں ضمیر فروش غدار ہیں۔ انھیں اسلامی حقوق حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا لیکن عبداللہ۔ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں مسلمان کہلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے بہی خواہ نہ ہوں۔ تاہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے اس لئے انھیں کو۔ وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں ان کا راستہ نہ روکو۔

چند مسلمانوں نے کہا حضور یہ فریبی اور دغا باز ہیں۔ حریص اور خود غرض ہیں۔ مسلمانوں میں نفاق ڈالنا چاہتے ہیں۔ ایسے منافقوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانو! سنو۔ جو شخص مسلمان ہے اور اپنے آپ کو مسل
کہتا ہے۔ ہم اسے اپنی جمعیت سے الگ نہیں کر سکتے۔ تم راستہ سے الگ ہٹ جا
عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے نہ روکو۔ اب کسے
وچرا کی تاب ہو سکتی تھی۔ سب لوگ علیحدہ ہو گئے۔

آنحضور صلعم چلے اور آپ کے پیچھے عبد اللہ اور اس کے ساتھی مدینہ منورہ میں د
ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بخار ہو گیا تھا۔ وہ محمل میں آرام فرما رہی تھیں۔ مح
حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر جا کر رکا۔

حضرت عائشہؓ کو اتارا گیا۔ خیال یہ کیا گیا کہ راستہ کے کسل کی وجہ سے بخار
گیا ہے۔ دو چار روز میں تکان دور ہوتے ہی خود ہی بخار اتر جائے گا۔ لیکن ا
ہفتہ گزرنے پر بھی بخار میں کمی نہ ہوئی۔

اس سے قبل بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بخار آیا تھا۔ اور آنحضورؐ نے ہر زما
میں ان کی تیمارداری کی تھی۔ گھنٹوں آپ کے پاس بیٹھ کر تسلی آمیز باتیں کرتے ر
تھے۔ لیکن اس مرتبہ آنحضور صلعم کبھی دو گھڑی کے لئے بھی پاس نہ بیٹھے۔ عیادت
لئے تشریف لاتے تھے۔ گھر والوں کو سلام کہتے اور مکان کے صحن میں کھڑے ہو
دریافت فرماتے۔

اے صدیق کے گھر والو! اب تمہاری بیمار کیسی ہے۔ لوگ جو کیفیت ہوتی ب
کر دیتے۔ آپ واپس تشریف لے جاتے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کو کچھ خبر نہ تھی کہ ان پر کیا بہتان باندھا گیا ہے۔ و
حیران تھیں کہ آنحضورؐ کی بے التفاتی کیوں ہے۔ ایک تو وہ بیمار تھیں۔ دوسر
حضور اکرمؐ کی بے التفاتی کا رنج کر رہی تھیں۔

اس سے مرض بڑھتا گیا۔ عورت کو قدرۃً شوہر سے محبت ہوتی ہے۔ عصمت
خواتین شوہر کو سرتاج مانتی ہیں۔ ان کے چشم و ابرو کے اشارہ پر چلتی ہیں۔
ان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر غمگین ہو جاتی ہیں۔ کوشش کرتی ہیں کہ ملال کی و
دریافت کر کے بنائے ملال دور کر دی جائے۔ ایسی خواتین سے خدا اور خدا کے رسول
خوش ہوتے ہیں۔ اور وہ جنت کی حقدار ٹھہرائی جاتی ہیں۔
جو بیبیاں اپنے شوہروں کو دق اور پریشان کرتی ہیں۔ ان کا کہنا نہیں مانتیں۔

اور خدا کا حبیب دونوں ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایسی بیبیاں دوزخ میں داخل کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کو اپنی بیماری کی بالکل پرواہ تک نہ تھی۔ انھیں رنج تھا تو آنحضور صلعم کے بدلے مزاج کا۔ جب آنحضور صلعم مکان میں تشریف لاتے تو حضرت عائشہ کو امید ہوتی کہ شاید آنحضور صلعم ان کے پاس آئیں گے لیکن جب آپ صحن سے دریافت فرما کر چلے جاتے تو حضرت عائشہؓ کے کلیجے پر دھکا سا لگتا۔ دل بحرِ الم میں ڈوب جاتا اور بیماری ترقی کر جاتی۔ حضرت عائشہؓ سخت حیران تھیں کہ آنحضور کی بے التفاتی اور عدم توجہی کی کیا وجہ ہے۔ ایسی کیا غلطی سرزد ہو گئی ہے جس سے حضور عالم ناراض ہو گئے۔ ہزار غور کرتیں، بہت کچھ سوچتیں مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔

یہ بات ابتدا ہی سے تھی کہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرتیں۔ نیک عورتیں اپنے گھر کی بات باہر نہیں نکلنے دیتیں۔ گھر کی باتیں کسی غیر کے سامنے بیان کرتے ہوئے شرماتی ہیں۔ یہ ایمان کی نشانی ہے۔

وفا پرست اور شوہر کی فرمانبردار خواتین شوہر سے کبیدگی کے واقعات کسی سے نہیں کہتیں کیونکہ اس میں وہ اپنی، اپنے شوہر کی، سارے خاندان کی ہتک سمجھتی ہیں۔ بات بھی درحقیقت یہی ہے اس سے اپنے گھر اور اپنے شوہر کے تعلقات غیروں پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور انھیں بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔

شوہر کی کج رنجی بعض اوقات چند روزہ ہوتی ہے مثل مشہور ہے کہ میاں بیوی کی لڑائی ہی کیا۔ جب ختم ہو جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ کیوں دوسروں سے شوہر کی کشیدگی کے حالات بیان کئے۔

سچ پوچھو تو اس سے فائدہ کچھ نہیں ہے ایسی ہستیاں تو بہت کم ہیں جو دوسروں کے دکھ درد کو دور کرنے کی کوشش کریں اور ایسے لوگ بھی کم ہوتے ہیں جو کسی کا درد دل سن کر دل ہی دل میں رکھ سکیں۔ ہاں ایسی مخلوق زیادہ ہے جو مذاق اڑائے اور ایسی عورتوں کو سارے زمانہ میں بدنام کر دے۔ اس سے دنیا کی رسوائی کے علاوہ عاقبت کی بربادی بھی ہو جاتی ہے۔ خدا اس خاتون سے خوش نہیں ہوتا جو اپنے خاندان یا اپنے شوہر کی باتیں دوسروں پر ظاہر کرتی ہیں۔ [illegible] قیامت کے روز [illegible] خلقت کے سامنے بیان کیا جائے گا [illegible] رسوائی ہوگی [illegible] معاف نہ فرمایا تو سزا [illegible]

حضرت عائشہؓ نہایت سنجیدہ اور متین تھیں۔ صابر و شاکر بھی تھیں۔ آنحضورؐ کی عدم توجہی پر سنجیدگی سے غور کرتیں اور ضبط و تحمل کر کے خاموش رہ جاتیں۔

ایک روز رات کو وہ قضائے حاجت کے لئے[۱] مکان سے نکل کر میدان کی طرف چلیں۔ ام مسطح ان کے ساتھ تھیں۔ مدینہ سے نکل کر ایک میدان میں رفع حاجت کی۔ اور دونوں واپس لوٹیں۔ اتفاق سے ام مسطح کے پاؤں چادر میں الجھ گئے اور وہ گر پڑیں۔ اسی وقت ان کی زبان سے نکلا مسطح ہلاک ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا۔ اے ام مسطح! یہ بڑی بری بات ہے کہ تم اس شخص کو برا کہتی ہو جو بدر کی جنگ میں شریک تھے۔

ام مسطح نے کہا: اے نادان عائشہ! تجھے واقعات کا علم نہیں ہے۔ بھولی اور ناتجربہ کار خاتون! کیا تو نہیں دیکھ رہی ہے کہ آنحضور صلعم تجھ سے کبیدہ خاطر ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ ہاں دیکھ رہی ہوں۔ لیکن اس سے مسطح کا کیا تعلق؟ ام مسطح نے کہا غریب اور کم سن عائشہ! جب تو غزوہ بنی المصطلق سے واپس آتے ہوئے ایک شب کو پیچھے رہ گئی تھیں اور صفوان کے ساتھ آئی تھیں۔ اس کو مسطح اور اس کے رفقاء نے تجھ پر بہتان باندھا تھا۔ آنحضورؐ اور تمام مسلمان تجھ سے بدظن ہیں۔ یہ سنتے ہی عائشہ کے دل پر بجلی سی گری۔ وہ تھر تھر کانپنے لگیں۔ اور شرم و غیرت سے دل جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ دماغ میں شورش ہوئی اور انہوں نے دل سوز آواز سے کہا۔ آہ میرے خدا یہ رسوائی۔ الٰہ العالمین اگر میں قصوروار ہوں تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ام مسطح ان کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ انہوں نے کہا خدایا ایسی نیک اور بھولی خاتون کو ابھی موت کی آغوش

---

[۱] جس زمانہ کا حال ہم قلم بند کر رہے ہیں اس زمانہ میں بیت الخلاء گھروں میں نہ بنے تھے اگرچہ پردہ کا حکم آچکا تھا۔ لیکن معاشرت میں اس قدر ترقی نہ ہوئی تھی عورتیں گھروں سے نکل کر رات کے وقت قضائے حاجت کے لئے۔ جنگلوں اور میدانوں میں جایا کرتی تھیں۔

(صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

ہیں نہ جانے دیجیو۔

وہ ان کے پاس بیٹھ کر آنچل سے ہوا دینے لگیں۔ چاندنی رات تھی۔ اور چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی ہر چیز پر جلوہ ریز ہو رہی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا چہرہ منور چاندنی میں سفید سفید چمک رہا تھا۔

حضرت عائشہ بیمار تھیں، کمزور تھیں۔ اسی وقت اس جانکاہ خبر نے انہیں اور غم پہنچایا۔ وہ زیادہ غمزدہ ہو گئیں۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غم و الم کے ہجوم نے آپ کے جسم اطہر کا ایک ایک قطرہ خون چوس لیا۔

آپ بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ مگر رو رہی تھیں۔ سانس مشکل سے آ رہا تھا۔ چہرے کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ ام مسطح انہیں پر زار و نزار رو رہی تھیں۔ انہیں اندیشہ تھا بلکہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ شاید حضرت عائشہ اس جانکاہ خبر سے جانبر نہ ہو سکیں۔ بڑی دیر تک بیہوش رہنے کے بعد انہیں ذرا ہوش آیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور زبان کی بجائے منہ سے آہ نکلی۔ جب ذرا طبیعت ٹھکانے ہوئی تو اٹھ کر بیٹھیں۔ آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔

انہوں نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا، اے رسول اللہ صلعم کے قدیر خدا! تو خوب جانتا ہے میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ بلا قصور کے بدنام ہو گئی۔ بدنامی کی چادر اوڑھ لی ہوں۔ غیرت مند کے مرنے کا مقام ہے کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں۔ آہ! کیوں نہ مجھے موت نہیں دنیا جائے کون مجھے بے قصور ثابت کرے گا ــــــ کون میری پاک دامنی کی شہادت دے گا۔

اللہ میاں پیارے اللہ میاں! تم سب کچھ جانتے ہو۔ جانتے ہو میں بے قصور ہوں۔ کون میری بے گناہی ثابت کرے گا۔

حضرت عائشہ زار و نزار رو رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ام مسطح بھی رو رہی تھیں۔ تھوڑے وقفہ کے بعد ام مسطح نے کہا عائشہ رو مت مجھے یقین ہے۔ کہ خدا تمہاری بے گناہی ثابت کرے گا۔ حضرت عائشہ نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھے۔ اور ام مسطح کا سہارا لے کر اٹھیں اور آہستہ آہستہ چل کر مکان میں پہنچیں۔ مکان میں جاتے ہی بستر پر گر کر پھر بے ہوش ہو گئیں۔

جب انہیں ہوش آیا تو آفتاب جگمگا رہا تھا۔ سارے صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بیمار دار پاس بیٹھے تھے۔ ام مسطح بھی بیٹھیں تھیں۔ جب انہیں افسوس اور حسرت بھری

نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے آنکھیں کھولیں۔ اشارے پانی مانگا۔ فوراً پانی دیا گیا۔ آپ نے پانی پیا۔ پانی پینے سے کچھ طبیعت سنبھلی۔ اُس وقت آنحضور صلعم تشریف لائے۔ آج خلاف معمول حضور اکرم اس کمرے کے اندر آ گئے۔ جس میں ستم زدہ عائشہ پڑی ہوئی تھیں۔ آپنے دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر ام مسطح سے دریافت کیا ——— ام مسطح اب تمہاری بیماری کیسی ہے۔

حضرت عائشہ نے حضور اکرم کی آواز سنی بے قرار ہو کر حضور کی طرف کروٹ لی حسرت آمیز نگاہ حضور کے روئے مبارک پر ڈالی اور بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے

جب عصمت مآب خاتون کے دل پر چوٹ لگتی ہے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہا دیتی ہے۔ صنف نازک کے آنسوؤں کے قطرے اس کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

حضور اکرم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جلدی سے اس حجرہ یا کمرہ سے باہر نکل آئے۔ صحن طے کر کے مکان سے باہر نکلے۔ اور مسجد کی طرف چلے راستہ میں حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے ملے۔ آپ انہیں ساتھ لیکر مسجد میں پہنچے۔ اور گوشہ میں بیٹھ کر اسامہ سے دریافت کیا۔ اسامہ تم نے وہ تمام باتیں سنی ہیں۔ جو عائشہؓ کے متعلق مشہور ہیں۔ اور تمہارا ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ اسامہ نے جواب دیا۔

"میں ان باتوں کو بہتان سمجھتا ہوں۔ یہ ناممکن ہے حضرت عائشہ جیسی جلیل القدر ہستی سے سوائے خیر و خوبی کے اور کوئی بات سرزد ہو۔"

آنحضورؐ نے حضرت علیؓ سے استصواب فرمایا علیؓ تم کیا کہتے ہو حضرت علیؓ نے جواب دیا حضور اسامہ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے حضرت عائشہ صدیقہ حضرت صدیق اکبر کی بیٹی قحافہ کی پوتی اور خدا کے رسول کی بیوی ہیں۔ ان کے متعلق کسی گناہ کا خیال کرنا بھی گناہ ہے یہ سب اتہام ہیں۔ جو ان پر لگایا گیا ہے حضورؐ اس معاملہ کی وجہ سے بہت متشوش نظر آتے ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ ہاں میں بہت زیادہ فکرمند ہوں۔ نہیں جانتا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ حضور فکر و تردد نہ کریں حضرت عائشہ صدیقہ کے علاوہ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ جو حضور اکرم کی ہم نشینی کو فخر سمجھتی ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مگر عائشہ صدیقہ! ....

حضرت علی نے فرمایا۔ وہ بالکل بے گناہ معلوم ہوتی ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے ان کی خادمہ بریرہ سے دریافت فرمالیجئے۔

آنحضور صلعم خاموش ہو گئے۔ کئی روز بعد انھوں نے بریرہ کو طلب کیا۔ جب وہ آئیں تو حضور صلعم نے پوچھا۔ بریرہ عائشہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

بریرہ نے کہا حضور قیامت کے روز مجھے آپ کی شفاعت اور خدا کا دیدار نصیب نہ ہو۔ اگر میں ذرا بھی غلط کہوں یا جھوٹ بولوں حضرت عائشہ نہایت پاکدامن اور غیور ہیں۔ بدمعاش اوباشوں نے ان پر بہتان باندھا ہے مگر وہ اس اتہام سے پاک اور منزہ ہیں۔

آنحضور ؐ نے بریرہ کو رخصت کر دیا۔ اگرچہ ان متواتر شہادتوں سے آپکی تسلی ہو گئی تھی۔ لیکن آپ ایسی گواہی چاہتے ہیں۔ جو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کی ایسی شہادت دے سکے جس کی تردید نہ ہو سکے۔

کئی روز بعد آنحضور صلعم کے پاس ایک روز حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت علیؓ بیٹھے تھے۔ آپنے تینوں اصحاب سے دریافت کیا۔ تمہارا عائشہ صدیقہ کے متعلق کیا خیال ہے؟

تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ حضور حضرت عائشہ کی پاکدامنی میں کسی کافر ہی کو شبہ ہوگا۔ ان پر یہ طوفان اور بہتان باندھا گیا ہے۔ بالیقین یہ افترا کا فتنہ منافقوں اور بے دینوں نے پیدا کیا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ جیسی نیک خصلت اور بھولی خاتون سے کوئی ناشائستہ فعل سرزد ہو۔

آنحضور صلعم اب بھی خاموش ہو گئے۔ اور سخن بدل کر دوسری گفتگو شروع کر دی ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ آنحضور صلعم پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ آپکا رخ مبارک سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔ جسم اطہر پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ سب سمجھ گئے کہ حضور پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد حضور کی یہ کیفیت دور ہو گئیں۔ آپ اپنے ہم نشینوں کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے تھے مجھ پر وحی کا نزول ہو ہے خدائے کون و مکاں نے عائشہ کی معصومیت کی تصدیق کر دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بے صبری سے دریافت کیا۔

اس وقت کیا وحی نازل ہوئی ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ خدائے بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ الخ (سورہ نور) یعنی تمہاری جماعت میں سے چند لوگوں نے بہتان کا طوفان اٹھایا ہے۔ تم اسے اپنے لئے برا نہ خیال کرو۔ بلکہ وہ اچھا ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے وہ اسی کے لئے ہے۔ اور جو شخص بڑی بات پر قائم رہے اسے بڑا عذاب پہنچے گا۔ جس وقت مسلمان مردوں اور عورتوں نے اسے سنا اس کے متعلق اچھا خیال نہ کیا۔ اور کیوں نہ انھوں نے کہا کہ یہ بہتان ظاہر ہے (الزام لگانے والے) کیوں چار گواہ نہ لائے بس سمجھ لو یہ جھوٹے ہیں۔ اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا اور دنیا و آخرت میں اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو جو بہتان تم نے شروع کیا ہے اس سے سخت عذاب پہنچتا جس وقت تم اس بات کو اپنے منہ اور زبانوں سے کہہ رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور اس کے متعلق غلط گمان قائم کر لیا تھا۔ اور اسے آسان سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ نزدیک اللہ کے بڑا ہے۔ اور کیوں نہ کہا تم نے جس وقت سنا تھا اس بہتان کو کہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس پر یقین کریں۔ نیز کیوں نہ کہا کہ یہ بہت بڑا اتہام ہے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ایمان والے ایسا نہیں کرتے۔

یہ صاف اور صریح آیت سن کر تینوں بزرگ کمال خوش ہوئے اور تینوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس بہتان پر یقین نہیں کیا ہے۔ اور ہم خدا کے غضب سے بچ گئے۔"

آنحضور صلعم نے اسی وقت لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا جب تمام مسلمان مسجد نبوی میں آ گئے تو حضور اکرم منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت پر اثر تقریر فرمائی جب آپ نے حضرت عائشہ کے متعلق جو خدا کا کلام نازل ہوا تھا پڑھا۔ تو وہ سادہ لوح لوگ جو منافقوں کے کہنے میں آ کر حضرت عائشہ صدیقہ پر شبہ کرنے لگے تھے۔ بہت شرمندہ ہوئے وہ اسی وقت سربسجود ہو گئے۔ اور انھوں نے خداوند کریم سے اپنے گناہ کی معافی مانگی۔ اس جلسہ میں عبداللہ منافق اور اس کے قریب بیٹھا ہوا حسان بن ثابت اور مسطح بھی موجود تھے۔

وہ یہ آیتیں سن کر اور مسلمانوں کی پشیمانی دیکھ کر بہت گھبرائے۔ ان میں مسطح اور حسان

سے کہا۔

یہ تو برا ہوا تبلیغ کر کے جو پہاڑ ہم نے کھڑا کیا تھا۔ وہ ایک دم ریت کی دیوار کی طرح گر گیا۔

عبداللہ منافق نے آہستگی سے کہا فکر نہ کرو اس سے ہماری امیدوں کا قصر منہدم نہیں ہو سکتا ہوشیار معمار کی طرح ایوان تیار کرتے چلے جاؤ۔ کوئی عمارت تو ٹھہرے گی۔

اگر ڈیڑھ ماہ کے بعد آنحضور صلعم پر حضور اکرم کے خدا نے اصلی حقیقت منکشف کر دی تو کیا ہوا۔ اتنے عرصہ تک مسلمان متذبذب اور حضور اکرم متفکر اور پریشان تو رہے۔ اس عرصہ میں تبلیغ اسلام کا کام بھی نہیں ہو سکا۔ اور یہ کچھ کم کامیابی نہیں ہے۔۔۔ حضور اکرم ابھی تک منبر پر رونق افروز تھے۔ جب مسلمان مسجدوں سے فارغ ہوئے اور اظہار ندامت کے آنسو بہا چکے تو آنحضور صلعم نے فرمایا۔

اتہام اور بہتان بری چیزیں ہیں کسی بنی نوع انسان پر اتہام لگانا شیطانی فعل ہے۔ اس سے لوگوں کے دل مجروح ہوتے ہیں۔ دلوں کا مجروح کرنا خدا کے گھر کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

جو اذیت دل کو پہنچتی ہے اس سے روح کو صدمہ پہنچتا ہے۔ روح کے صدمہ سے تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔ بہتان لگانے والے سے خدا۔ خدا کے فرشتے رساکنان ملاء اعلیٰ سخت بیزار ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ بزرگ و برتر نے اتہام لگانے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعة شھداء فاجلدوھم ثمٰنین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادة ابدا اولٰئک ھم الفٰسقون۔

(سورہ نور) یعنی جو لوگ پاک دامنوں کو تہمت لگاتے ہیں۔ اور چار گواہ نہیں لائے ان کو اسّی کوڑے مارو۔ اور ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ وہ لوگ فاسق ہیں۔

جب آنحضور صلعم نے یہ آیت تلاوت کی تو بہتان لگانے والے سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اور سمجھ گئے جو مذاق انہوں نے شروع کیا تھا اس کی سزا اسّی درّے ہیں۔ یہ سزا سخت تھی۔ وہ کانپ گئے۔

حضرت عمرؓ نے غصہ کر کہا۔ یا رسول اللہ بدکار منافقوں اور فاسقوں نے ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگا کر ان کے دل کو حضور کے قلب کو اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو سخت اذیت پہنچائی ہے۔

خدائے عزوجل نے ایسے شیطان سیرت اوباشوں کے لیے اسی درے سزا تجویز فرمائی ہے۔ کیوں نہ اتہام لگانے والوں کو یہ سزا دی جائے۔

حضرت علی نے کہا۔ حضرت عائشہ پر جو اتہام لگایا گیا ہے اس سے صرف ام المومنین کی رسوائی ہی مدنظر نہیں تھی۔ بلکہ اس سے مسلمانوں میں ایک فتنہ عظیم پیدا کر کے نفاق ڈالنا اور مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنا بھی مقصود تھا۔ نا اتفاقی پیدا کرنے والے کی سزا کم سے کم قتل ہونی چاہیے۔ ایسے فاسقوں اور منافقوں نیز مشرک صفت مسلمانوں کو قتل کر ڈالنا چاہیے۔

حضرت عثمان نے فرمایا کہ بے شک ایسے شیطانوں کو قتل ہی کی سزا ملنا بہتر ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔

اگرچہ ایسے بدمعاش لوگوں کی ایسی ہی سزا ہونی چاہیے۔ لیکن انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس مرتبہ انہیں معاف کر دیا جائے۔ اور آئندہ کے لیے تنبیہ کر دی جائے۔

حسان اور مسطح نے یہ موقع غنیمت سمجھا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر عاجزی کے ساتھ کہا۔ حضور اکرم! ہم بے شک گنہگار ہیں۔ لیکن ہم سے یہ فعل لاعلمی کی حالت میں سرزد ہو گیا تھا۔

چونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ لشکر سے پیچھے رہ گئیں اور صفوان کے ہمراہ تنہا آئی تھیں۔ اس لیے شیطان نے بہکایا اور ہم بہک گئے! ہم نے ان پر بہتان لگایا۔ مگر خدائے قدوس نے بہتان کو بہتان ثابت کر دیا۔

اگرچہ ہم بھاری سزا کے ہی مستحق ہیں۔ لیکن حضور کمال رحم دل ہیں یقین کامل ہے۔ کہ حضور اپنی کریم النفسی سے اس مرتبہ ہمیں معاف کر دیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی معصومیت کی شہادت صاف و صریح طور پر خدا نے دے دی تھی۔ اس سے مسلمانوں کے شکوک مٹ گئے تھے۔ اب اتہام پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس کے بعد منافقوں کو بھی مجبور کیے کی گنجائش نہ رہی۔

حضرت عمر نے آنحضور صلعم سے مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ اے خدا کے برگزیدہ پیغمبر۔ خدا نے اپنے کلام میں بہتان لگانے والوں کے لیے جو سزا تجویز کی ہے۔ وہ بالضرور دی جانی چاہیے۔

شیطان کو کھلی چھٹی مل جائے۔ اگر اس وقت حضور نے عفو و کرم سے کام لیا تو آئندہ ایسے جرائم کا سدباب نہ ہو سکے گا۔

آنحضور صلعم نے کچھ سوچا۔ اور سوچنے کے کہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو عمر شریعت پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اچھا اتہام لگانے والوں کو اسی اسی درے لگاؤ۔

یہ حکم سنتے ہی حسان اور مسطح تھرا گئے۔ خوف و دہشت سے ان کے چہرے زردی مائل ہو کر بھیانک سے معلوم ہونے لگے۔

اتہام لگانے والے چار آدمی تھے۔ چاروں کو بھری مجلس میں سزا دی گئی۔ کوڑوں کی مار نے بدن کی کھال ادھیڑ دی۔ جس کام کو انھوں نے آسان و مذاق سمجھا تھا۔ وہ ان کی جان کے لئے عذاب بن گیا۔

جسمانی اذیت و عقوبت کے علاوہ ذلت و رسوائی کی روحانی تکلیف بھی برداشت کرنا پڑی۔ اس کے بعد جلسہ برخواست کر دیا گیا۔ اور آنحضور صلعم حضرت صدیق اکبر کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ مکان میں داخل ہو کر سیدھے حضرت عائشہ صدیقہ کے کمرے میں پہنچے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر غفلت طاری تھی۔ وہ تیز بخار میں مبتلا تھیں۔ اور نحیف و زار ہو چکی تھیں۔ کہ چادر اوڑھے پر بالکل یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے بستر پر چادر ڈال دی گئی ہے۔

ام مسطح اب بھی ان کے بالیں پر بیٹھی تھیں۔ حضور اکرم نے ام مسطح سے دریافت کیا۔ ابا عائشہ صدیقہ کا کیا حال ہے؟

ام مسطح نے آنسوؤں کے چند قطرے گراتے ہوئے کہا۔ کوئی دم کی مہمان ہے۔ آنحضور صلعم یہ سن کر گھبرا گئے۔ آپ نے دریافت کیا مرض کی شدت ہے یا کوئی اور شکایت ہے؟

ام مسطح نے جواب دیا مرض تو اتنا شدید نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی روحانی تکلیف ہے۔

آنحضور: کیا کھاتی پیتی ہیں۔

ام مسطح کئی روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ صرف پانی کے چند قطروں پر زندگی گزار رہی ہیں۔ آنحضور صلعم نے پوچھا! یہ بے ہوش کب سے ہیں؟

ام مسطح نے کہا رات سے

آنحضور صلعم بڑھے۔ جوں ہی حضور اکرم نے چادر کا پلہ پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ فوراً ہی حضرت عائشہ صدیقہ کو ہوش آ گیا۔ انہوں نے خود ہی پلہ اپنے چہرہ سے سرکا کر حسرت بھری نظروں سے آنحضور کو دیکھا اور خفیف آواز سے کہا۔

میرے حضور کیا میرا قصور معاف کر دیا۔

آنحضور صلعم پٹی پر بیٹھ گئے۔ اور آپ نے خندہ پیشانی سے قدرے متبسم ہو کر کہا آپ کو عطیہ مبارک ہو۔ تمہاری پاکدامنی کی شہادت خدا نے دی ہے۔ تم پر اتہام باندھا گیا تھا۔ اور اتہام باندھنے والوں کو سزا دی گئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ میری روحانی اذیت دور ہو گئی۔

آنحضور صلعم نے کہا عائشہ! میں نے تمہارے دل کو اذیت پہنچائی ہے میں نادم ہوں یہ میرا قصور ہے۔ کیا تم میرے اس نادانستگی کے قصور کو معاف کر دو گی؟

حضرت عائشہ صدیقہ کے سفید چہرے پر جوش شرم سے سرخی دوڑنے لگی۔ آپ نے فرمایا میرے سرتاج! آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ واقعات نے آپکو یقین کرنے پر مجبور کر دیا آنحضور صلعم بیشک یہ سچ ہے لیکن مجھے تصدیق کرنا چاہیے تھا میں تصدیق نہ کر سکا اور شک میں پڑ گیا۔ یہی میری غلطی ہے اور اسی غلطی کو قصور سمجھ کر معافی چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا میں نے معاف کر دیا میرے حضور۔

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی تیمار داری میں مصروف ہو گئے۔ مکان جو کلبہ احزان بنا ہوا تھا۔ دار المسرت بن گیا۔

ساتواں باب (۷)

کفار کی شوکت کا انتہائی مظاہرہ

قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جلا وطن ہو کر کچھ تو ملک شام میں چلے گئے تھے۔ اور کچھ خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ انہیں جلا وطنی کا بڑا رنج تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ قریش مکہ اور گرد و نواح کے تمام قبائل مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ اس تحریک پر اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے بڑے بڑے لوگ سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، سلام بن مشکم، کنانہ بن الربیع ہودہ بن قیس اور ابو عمار وغیرہ متفق و متحد ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ قریش مکہ کا اثر تمام عربی قبائل پر ہے۔ اگر ان کو جنگ پر تیار کر دیا گیا تو سارے قبائل متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر مسلمانوں سے آخری فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ یا اس جنگ میں مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائے گا۔ یا مشرکین عرب ہمیشہ کے لئے دب جائیں گے۔

یہ وہ جانتے تھے اور خوب جانتے تھے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ اگر سارے مشرکین لڑائی پر آمادہ ہو گئے تو مسلمانوں کو شکست یقینی ہے۔

مکہ میں پہنچ کر انہوں نے اکابرین قوم سے ملاقات شروع کی۔ انہیں جنگ کی ترغیب و تحریص دلائی۔ قریش مکہ لڑائی کے لئے گویا پہلے ہی سے آمادہ تھے فوراً تیار ہو گئے۔

انہوں نے چندہ کی فہرست کھول دی۔ والنٹیر (رضاکار) بھرتی کرنے لگے شعراء اور مقرر اطراف ملک میں بھیجے گئے۔ جنہوں نے اپنی جادو بیانی سے تمام ملک میں جوش و غضب کی آگ بھڑکا دی۔ ہر خاندان ہر قبیلہ۔ ہر بادیہ نشین اور شہری عرب لڑائی کے لئے تیار ہو گئے قرب و جوار سے لوگ مکہ میں آ آ کر جمع ہونے لگے۔

جب بڑی بھاری جمعیت فراہم ہو گئی۔ تو تمام قبائل کے سردار جمع ہو کر خانہ کعبہ میں پہنچے۔ اور سب نے اس بات پر حلف اٹھایا۔ کہ جب تک زندہ رہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے نیز میدان جنگ میں کٹ کٹ کر مر جائیں گے۔ یا فتحمند ہو کر آئیں گے مار دیں گے یا مر جائیں گے

اس حلف کے بعد لشکر کا جائزہ لیا گیا۔ دس ہزار مردان صف شکن کیل کانٹے سے درست ہو کر میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ایک سعید روز لشکر کے کوچ کے لئے مقرر کیا گیا۔ جب وہ دن آیا۔ تو مشرکین کا لشکر نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ خطیب اور مقرر ہر اطراف ملک میں بھیجے گئے تھے اس لئے شرکت کی غرض سے گروہ در گروہ آ رہے تھے۔ بنو سلیم، فزارہ، اشجع، بنو سعد اور بنو مرہ وغیرہ قبائل کے لوگ بھی آ آ کر لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح سے مقام مرالظہران تک پہنچتے پہنچتے چوبیس ہزار کا عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔

آنحضرت [illegible] نے ... مشورہ کی کہ اس لشکر کی مدافعت کا ... مسلمانوں کو [illegible]

کہ وہ مدینہ کے سامنے نہ پہنچ جائیں۔ مگر یہ بات غیر ممکن تھی۔ تمام ملک میں اس لشکر کی یورش کا چرچا ہوگیا۔ اور ہوتے ہوتے یہ خبر مدینہ میں بھی پہنچ گئی۔

منافقین، یہودی اور کفار مدینہ میں اس خبر کو سن کر کمال خوش ہوئے۔ اور انہوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائے گا۔ کیونکہ آج تک جس قدر لشکر کشیاں ہوئیں۔ ان میں اس قدر کفار شریک جنگ نہ ہوئے تھے جس قدر اس دفعہ کے ساتھ آرہے تھے گویا انسانوں کا سیلاب سمندر کی جھاگ سمیت موجوں کی طرح اٹھتا مدینہ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔

مسلمانوں کو جب اس لشکر کی آمد کا علم ہوا تو قدرتاً ان کے دل متاثر ہوئے۔ چونکہ انھیں کسی طرف سے کسی امداد وغیرہ کی امید نہ تھی اور ان کی ساری تعداد بھی کفار کے لشکر کے مقابلہ میں چوتھائی بھی نہ تھی۔ لہذا انکو بڑا فکر ہوا۔

آنحضور صلعم نے مدینہ میں اسلام کو بلا کر مجلس شوریٰ منعقد کی۔ آنحضور نے فرمایا مسلمانو! کفر اسلام کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ کفار مسلمانوں کی بیخ کنی کیلئے پختہ عزم کر کے آتے ہیں۔ اس مرتبہ تمام عرب نے اپنے منتخب اور بہادر جنگجو بیٹے مسلمانوں کو دنیا سے فنا کرنے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ کئے ہیں۔ تمام مشرک قبائل متفق و متحد ہو کر ٹڈی دل کی طرح امڈ آئے ہیں۔

یہ جنگ فیصلہ کن اور آخری معلوم ہوتی تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری تعداد کم ہے اور ہم دو شرح سے بھی کفار کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے خصوصاً کھلے میدان میں لڑ کر مسلمانوں کی [illegible] ہے۔

مدینہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جس میں پناہ لے سکیں۔ اور جنگ بھی ناگزیر ہے ایسی صورت میں آپ سوچ سمجھ کر مشورہ دو کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے با نظم منضبط طریق سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔

آنحضور نے فرمایا مسلمان آج تک جتنی لڑائیاں لڑے ہیں۔ ان میں تعداد کی کثرت اور ظاہری قوت کو کوئی دخل نہ تھا بلکہ خدا کے بھروسہ پر لڑتے رہے ہیں۔ اور خدا نے ہمیشہ ہر جنگ میں امداد فرمائی ہے۔ اب بھی خدا ہی پر بھروسہ رکھو گے تو فتح نصیب کر دیگا خدا مددگار ہوگا۔ اور اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ اس کا نام لیوا دنیا میں نہ رہیں تو دنیا کی کوئی قوت ہمیں نہیں بچا سکتی۔ لیکن اگر اس کی امداد شامل حال ہے۔

کفار تمام آنے والا اعظیم الشان لشکر ہمارا کچھ نہیں لگاڑ سکتا۔ ہمارا مرنا اور ہمارا جینا خدا اور صرف خدا کے لئے ہے۔ لہذا ہمیں بغیر کسی قسم کے خوف کے مردانہ وار مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

حضرت علی نے فرمایا۔ دنیا میں وہی قوم ترقی کر سکتی ہے جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا جانتی ہے۔ ہر قربانی کے لئے تیار رہتی ہے۔ دوسروں کا سہارا انہیں ڈھونڈتی اسلام ہمیں غیر اللہ کی اعانت سے روکتا ہے دشمن زیادہ ہوں تو ہوں ہمارا کام لڑنا اور خدا کا کام اپنے پرستاروں کی امداد کرنا ہے ہمیں کسی قسم کے خوف اور اندیشہ کے بغیر لڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ جب ہم حق پر ہیں۔ تو بالضرور خدا حق کی فتح کرے گا ہمیں قلعہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی حصار کی ضرورت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا۔ جس خدا نے ہمکو پیدا کیا ہے۔ ہماری نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اسی خدا نے ہمکو مآل اندیشی کا بھی حکم دیا ہے یہ کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ کہ ہم مٹھی بھر مسلمان ٹڈی دل کفار سے کھلے میدان میں جا کر لڑیں۔ انسانی عقل کا یہ اقتضا ہے کہ ہم دوراندیشی سے کام لیں اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اطمینان و استقلال کے ساتھ جنگ جاری رکھ سکیں۔ ہمیں صرف کفار کے لشکر ہی کا اندیشہ نہیں ہے سب سے زیادہ خوف ان مارآستین دشمنوں کا ہے۔ جو مدینہ میں موجود ہیں جو ہماری جماعت میں بعض ایسے لوگ ہیں۔ جو بظاہر مسلمان ہیں۔ مگر در پردہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی تدابیر کرتے رہتے ہیں ان منافقوں سے ہمیں بے پرواہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہودیوں کا زبردست قبیلہ بنی قریظہ دشمنوں سے ساز باز کر رہا ہے جسقدر یہ دونوں مارآستین خطرناک ہو سکتے ہیں اس قدر لشکر جو آمادہ پیکار ہے خطرناک نہیں ہو سکتا مناسب یہی ہے کہ کوئی ایسا حصار قائم کیا جائے جس کے اندر دشمن راہ نہ پا سکے —— حضرت سلمان فارسی نے کہا

آپ جانتے ہیں کہ میں فارس کا رہنے والا ہوں۔ فارس والے جب کسی سے جنگ کرتے ہیں تو لشکر کے گرد خندق کھود دیتے ہیں۔ اس سے کسی قدر حفاظت ہو جاتی ہے۔ اور اچانک حملوں کے اندیشے باقی نہیں رہتے۔ عرب میں خندق کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا حضرت عمر نے دریافت کیا خندق کیا چیز ہوتی ہے اور کیسے تیار کی جاتی ہے حضرت سلمان نے کہا خندق اس گڑھے کو کہتے ہیں جو لشکر کے چاروں طرف کئی گز چوڑا اور کئی گز گہرا کھودا جاتا ہے بغیر خندق کے عبور کئے دشمن حصار کے اندر نہیں آسکتا ——

خندق کو عبور کرنا آسان نہیں ہوتا۔

آنحضورؐ نے فرمایا "بہت مناسب ہے ہمیں ایک میدان میں خندق کھود کر حصار قائم کر لینا چاہئے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ تو معقول ہے۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ ہم مدینہ کے گرد خندق کھود ڈالیں۔ اس سے مدینہ محفوظ ہو جائے گا۔ اور ہم اپنے گھروں میں رہتے ہوئے مدافعت کر سکیں گے۔"

آنحضور صلعم نے فرمایا "نہایت مناسب ہے۔"

چنانچہ اس قرارداد پر اتفاق ہو گیا۔ حضور اکرمؐ نے منادی کرا دی۔ کہ مدینہ کے تمام باشندے خواہ وہ مسلمان ہوں یا مشرک و یہودی سب مل کر خندق کھودیں۔ مسلمان تو سب آمادہ ہو گئے لیکن مشرک اور یہودی نہ آئے۔ بلکہ کہلا بھیجا انہوں نے ہم مسلمانوں کی کوئی امداد نہیں کر سکتے۔ حالانکہ معاہدے کی رو سے ان پر فرض تھا کہ وہ خندق کھودنے اور دشمن سے لڑنے میں امداد کریں۔ کیونکہ عہدنامہ کی ایک شرط یہی تھی کہ جب کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو سب متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن مشرک اور یہودی یہ سمجھے کہ مسلمان کم اور کمزور ہیں۔ حملہ آور دشمن زیادہ اور طاقتور ہے۔ اس لئے فتح انہی کی ہوگی۔ بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ خودغرض اور مکار جب دب جاتے ہیں۔ تو گڑگڑا کر معافی چاہتے ہیں اور ہر بات جو ان سے کہی جائے مان لیتے ہیں۔ لیکن جب ذرا بھی انہیں اپنی کامیابی کی امید ہو جاتی ہے۔ تو عہدنامہ کو ردی کا ٹکڑا سمجھ کر اس سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

چونکہ مشرک مدینہ اور یہودی مکار خودغرض اور دغاباز تھے اس لئے بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمان ان کی بدعہدی سے ذرا نہ گھبرائے نہ پریشان ہوئے وہ خندق کھودنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مدینہ کے ایک طرف پہاڑی تھی۔ پہاڑی کے نیچے ہی گنجان مکانات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان مکانات کی دیواروں نے قدرتی طور پر فصیل قائم کر دی تھی مگر زیادہ حصہ کھلا ہوا تھا۔

اسی کھلے ہوئے حصہ پر آنحضورؐ نے تیر سے لکیر دائرہ کھینچا۔ ہزاروں گز لمبا دائرہ کھینچا

اس دائرہ کے دس دس گز کے ٹکڑے کئے گئے۔ اور ہر ٹکڑا ایک ایک مسلمان کے سپرد کر دیا گیا۔ خود آنحضورؐ کے حصہ میں بھی ایک ٹکڑا آیا۔

خندق کی کھدائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے اسی روز اسی وقت سے جب آنحضورؐ نے دائرہ کھینچا اور قطعات تقسیم کئے کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ اور دوسرے ہی شروع ہو گیا تھا۔ سردی کڑاکے کی پڑنے لگی تھی۔ چونکہ دشمن بہت قریب آ گیا تھا۔ اس لئے شب و روز کام کیا جانے لگا۔

آنحضورؐ کے لئے ایک خیمہ استادہ کر دیا گیا تھا۔ کبھی کبھی جب تھک جاتے تھے تو حضور خیمہ میں استراحت فرماتے تھے۔ خندق نہایت تیزی سے کھودی جا رہی تھی ہر شخص اپنا کام جلدی سے جلدی ختم کرنے کی فکر میں تھا۔ خندق پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری کھودی جا رہی تھی۔ جو مٹی نکلتی تھی اس کا خندق کے کنارے پر پشتہ باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح خندق کے کنارے پر ایک مٹی کی فصیل قائم ہو گئی تھی۔

مسلمانوں میں کوئی فرد ایسا باقی نہ رہا تھا جو خندق نہ کھود رہا ہو۔ خود آنحضورؐ بھی خندق کھودنے میں مصروف تھے۔

جبکہ یہ خندق کھودی جا رہی تھی تو سلمان فارسیؓ۔ اور حذیفہ لقمانؓ اور چند اور اصحاب کے سامنے کچھ ہی گہرائی کے بعد ایک بڑا پتھر نکل آیا۔ ہر چند چند آدمیوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر وہ نہ ٹوٹا۔

فوراً ہی اس واقعہ کی آنحضور صلعم کو اطلاع دی گئی۔ حضور بھی پتھر کو دیکھ کر کچھ فکر مند ہوئے۔ سلمان فارسیؓ نے کہا حضور اکرم خندق کو ٹیڑھا کر دیجئے اتنا ٹیڑھا کہ جس سے یہ پتھر بچ جائے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا نہیں خندق کو ٹیڑھا نہیں کیا جا سکتا۔ کدال مجھے دو۔ میں بھی اپنا زور آزمائی کر لوں۔

آنحضور صلعم خندق کے اندر اترے اور کدال لیکر پوری قوت سے پتھر پر ماری پہلی ہی ضرب سے پتھر میں شگاف پیدا ہو گیا اور ساتھ ہی ایک عجیب روشنی نکلی۔ آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور پھر تمام صحابہ نے تقلیداً اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ نے پھر دوسری ضرب لگائی۔ پتھر اور پھٹ گیا۔ پھر روشنی نکلی۔ اور آپ نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور پھر تمام صحابہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

اب آپ نے تیسری ضرب لگائی۔ تو پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور اس مرتبہ بھی روشنی
نکلی۔ آپ نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کے ساتھ تمام صحابہ نے پھر تکرار کی۔
جب پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ آنحضور صلعم خندق سے باہر نکلے۔ آپ کا چہرہ جوش
مسرت سے چمک رہا تھا صحابہ نے استفسار فرمایا۔ یارسول اللہ پتھر ٹوٹتے وقت یہ روشنی
کیسی نکل رہی تھی۔

آنحضور صلعم نے فرمایا پہلی ضرب میں حضرت جبریل آئے اور انہوں نے یمن کی
کنجیاں میرے سپرد کیں۔ دوسری ضرب میں ملک شام کنجیاں دیں۔ اور تیسری ضرب
میں ملک فارس کی کنجیاں میرے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ تینوں ممالک مسلمان
فتح کریں گے۔

مسلمانو! فتح مبارک ہو۔ ان زرخیز اور شاداب ممالک کی فتح جن پر عیسائی اور
آتش پرست فخر کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ ممالک کب فتح ہونگے۔ خدا مسلمانوں پر
اپنے لطف وکرم کی بارش کرے گا۔ مگر مجھے اس سے خوشی نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ جس قوم میں زر۔ زمین اور زن افراط سے آجاتی ہیں۔ وہ
قوم عیش وعشرت میں مشغول ہوکر خدا کو فراموش کردیتی ہے۔ آہ۔ اگر مسلمانوں نے بھی
ایسا ہی کیا۔ تو دوسری قوم کی طرح یہ بھی تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔

خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوگیا مسلمان دن ورات سرگرمی سے کھدائی کے
کام میں مشغول تھے۔ آخر خدا خدا کرکے خندق تیار ہوگئی۔ خندق تیار ہونے پر جب دیکھا
تو سلسلہ کوہ اور خندق کے درمیان بیضاوی شکل کا میدان بن گیا۔ یہ میدان اچھا
خاصہ قلعہ نظر آنے لگا۔

تمام مشرک اور یہودی اس خندق کو دیکھکر حیران وپریشان ہوگئے۔ آنحضور
کے ارشادات جو احادیث کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ تمام مدینہ میں مشہور ہو جاتے تھے
حضور اکرم نے جو فرمایا تھا۔ کہ ممالک یمن۔ شام اور فارس کی کنجیاں انکے حوالے کیگئی ہیں
اور ان ممالک کو مسلمان فتح کریں گے۔ تو مشرک اور یہودی ہنسے۔

انہوں نے کہا کس قدر فریب کارانہ باتیں ہیں۔ دیکھ حضرت محمد مسلمانوں
کو بیوقوف بنارہے ہیں۔ چوبیس ہزار دشمن جنگ کے لیئے آرہے ہیں۔ اور آپ یمن وشام
اور فارس کی فتح کے خواب دیکھ رہے ہیں یہ خوشخبری اسی لیئے سنائی جارہی ہے تاکہ مسلمان

بھی قبول کر رہے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کو اس مرتبہ فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا شکست ہوگی اور ذلت آفریں شکست جو تمام مسلمانوں کو فنا کر دیوے گی۔

حقیقت میں عجیب خطرات تھے۔ کہ ایسی حالت میں جبکہ ٹڈی دل دشمن چڑھے چلے آرہے تھے۔ تمام ملک عرب دشمنی پر تلا ہوا تھا۔ عرب کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ بظاہر تباہی و بربادی پیش نظر تھی۔ ممالک یمن، شام اور فارس کی خوشخبری سنائی جاری تھی۔ جو لوگ خدا پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور ان پر تمسخر اور استہزا نہ کریں تو اور کیا کریں۔ انھیں کیا خبر تھی۔ کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ جو اٹل ہے ضرور پورا ہوگا۔

چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ یہ پیشگوئیاں حرف بحرف پوری ہوئیں یمن فتح ہوا شام پر قبضہ ہوا۔ فارس پر تسلط ہوا۔ یہ ممالک تمام تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے۔ اور آج صدہا سال گزر جانے پر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔

کفار کے ٹڈی دل لشکر کے آنے کی خبریں روزانہ آتی رہتی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا رہتا تھا کہ لشکر کفار میں ہر ہر قدم پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تمام مشرک قبائل کفار مکہ کے شریک کار ہو گئے ہیں۔ ان متوحش خبروں کے سننے سے بھی مسلمانوں کو کوئی ہم و ہراس نہ تھا

ایک روز آنحضور صلعم کو معلوم ہوا کہ حیی بن اخطب بنو قریظہ کے قلعہ میں انہیں شریک جنگ ہونے کی ترغیب دینے کے لئے آیا ہے۔ اور کعب بن اسعد نے جو ان کا بڑا قوم میں ہے۔ شریک ہونے کا اقرار کر لیا ہے۔

آپ نے فوراً سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو کعب کے پاس روانہ کیا یہ دونوں بزرگ نصیحت و ہدایت کر کے شریک جنگ ہونے سے باز رکھنے کے لئے قلعہ بنی قریظہ میں گئے اور کعب سے ملے وہ بڑی بے رخی سے ان دونوں کے ساتھ پیش آیا سعد بن عبادہ نے کہا کعب کہاں کی شرافت ہے کہ تم اپنے پڑوسیوں کا ساتھ چھوڑ کر غیروں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔

کعب نے کہا سنو سعد! مسلمان ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ ہم کو ان سے عداوت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ہم نے مشرکوں اور یہودیوں کا مقابلہ کیا تو ان کی تعداد اس قدر بڑھ جائیگی کہ تمام عرب پر وہ آسانی سے تسلط کر سکیں گے حکومت کرنے کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی ترقی میں ہمارا تنزل مضمر ہے۔ پھر ہم کیسے ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔

سعد نے کہا مگر تم مسلمانوں سے عہد کر چکے ہو کہ ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤ گے جب کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے اپنا عہد بھی کیوں توڑتے ہو

کیا بد عہدی بھی شرافت میں داخل ہے۔

کعب نے کہا۔ عقلمند آدمی عہد نامہ کو کاغذ کا پرزہ سمجھتے ہیں جبتک طاقت پیدا نہیں ہوتی عہد نامہ کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جب طاقت بڑھ جاتی ہے تو عہد نامہ چاک کر ڈالتے ہیں

سعدؓ نے کہا۔ سوچو! تمہاری بد عہدی پر زمانہ تمکو کیا کہیگا۔

کعب نے کہا۔ زمانہ ہماری عقلمندی پر داد دیگا۔

سعدؓ نے ہر چند سمجھایا۔ مگر کعب نے کچھ نہ سمجھا اور علانیہ مسلمانوں سے بیزاری اور دشمنی کا اظہار کیا۔ مجبور ہو کر یہ دونوں بزرگ واپس لوٹ آئے اور آنحضور سے تمام واقعات بیان کر دیئے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ کچھ پرواہ نہ کرو۔ بنو قریظہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا مار رہے ہیں ہمارا فرض سمجھانا تھا۔ لہذا سمجھا دیا۔ کم سمجھ نقصان اٹھائیں گے۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ سامنے سے کفار کا لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ گھوڑے اونٹ پیدل اور سوار سیلاب کی طرح بڑی شان و شوکت سے بڑھے چلے آرہے تھے اکثر علم ہواؤں میں لہراتے آرہے تھے جس شان اور جس رفتار سے یہ لشکر آرہا تھا۔ اس سے واضح ہوتا تھا کہ وہ مسلمان کو بہالے جائیں گے۔ تمام مسلمان مکانات کی چھتوں پر چڑھ گئے اور لشکر کی آمد کا نظارہ کرنے لگے۔

آٹھواں باب (۸)

تائید ایزدی

کفار عرب کا لشکر نہایت شان اور دبدبہ سے آکر خندق کے سامنے رک گیا چونکہ عربوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس لئے وہ خندق کو دیکھ کر کمال حیران ہوئے اور دیر تک حیرت و استعجاب سے اسے دیکھتے رہے۔ اس لشکر میں متعدد سردار اور سپہ سالار تھے۔ ہر سردار اور ہر سپہ سالار کا علیحدہ علم تھا سپہ سالار اعظم ابو سفیان تھا۔

ابو سفیان نے گھوڑا دوڑا کر مدینہ کے چاروں طرف گشت لگایا اسے کسی طرف کوئی راستہ ایسا نظر نہ آیا جس سے لشکر مدینہ میں داخل ہو سکتا مجبور ہو کر اس نے محاصرہ کا حکم دیا۔ ٹڈی دل لشکر مدینہ کے چاروں طرف فروکش ہو گیا۔

کفار مکہ کا یہ حملہ کفر کی انتہائی طاقت و شوکت کا مظاہرہ تھا۔ گویا اسلام کے مقابلہ میں کفر کی سب سے بڑی کوشش تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اہل و عیال کو ایک مضبوط اور پختہ گڑھی کے اندر حفاظت کی غرض سے ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور خندق کے کناروں پر مکانوں کی چھتوں پر پہاڑی کے مورچہ پر مجاہدین کو متعین کر دیا۔ کئی روز تک کفار کشمکش و پیچ میں رہے کہ کیسے اور کس طرف سے حملہ کریں۔ خندق کا عبور کرنا دشوار تھا۔

مکانوں کی چھتوں پر چڑھنا مشکل تھا۔ پہاڑ کی طرف سے کوئی راستہ نہ تھا۔ ہر طرف سے راستہ محدود و مسدود اور دشوار گذار تھا۔ کئی روز کے غور و خوض کے بعد یہی طے ہوا کہ خندق کے سامنے کھڑے ہو کر تیر اندازی کی جائے۔

چنانچہ ایک روز جبکہ آفتاب عالم تاب اپنی پوری درخشندگی کے ساتھ جلوہ ریز ہوا تو لشکر کفار مسلح ہو کر خندق کے سامنے صف بستہ ہو گیا۔ مسلمان بھی انہیں آمادہ جنگ دیکھ کر تیر و ترکش لیکر خندق کے دوسرے کنارہ پر آکھڑے ہوئے۔ طرفین سے تیر اندازی شروع ہوئی اس شدت اور اس کثرت سے تیر چلائے گئے کہ بسا اوقات تیروں کے نیچے آفتاب چھپ چھپ گیا۔ لیکن یہ تیر اندازی بھی بے سود رہی۔ کیونکہ اس تیر افگنی سے نہ کسی فریق کو نقصان پہنچا نہ فائدہ!

تمام دن بے کار تیروں کی بارش ہوتی رہی آفتاب غروب ہونے پر فریقین واپس لوٹ گئے۔ سردی شروع ہو گئی تھی کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ کفار کے لشکر میں کافی خیمے اور چھولداریاں تھیں۔ لیکن مسلمانوں کے پاس نہ خیمے تھے نہ چھولداریاں تھیں۔

وہ کھلے میدان میں پڑے تھے۔ اس لئے سردی سے انہیں تکلیف ہوتی تھی وہ مکانوں میں جاکر شب باش ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے مکان حصار کے اندر تھے لیکن اس طرح سے خندق کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی اور دشمن خندق کو عبور کر آتے۔

مسلمان خندق کی حفاظت کرنے کی وجہ سے ساری رات جاگتے رہتے تھے جس طرف سے مسلمانوں کو شبخون کا اندیشہ تھا اسی طرف سے کفار کو بھی خطرہ تھا۔ چنانچہ ان کی کثیر تعداد تمام شب بیدار رہتی تھی۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی وہ پھر مسلح ہوئے۔

گذشتہ روز کفار نے تیر افگنی کر کے دیکھ لیا تھا کہ اس سے کسی فریق کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ اس لیے انہوں نے آج خندق کے سامنے تیر اندازوں کا دستہ قائم کر کے پھر جانبازوں کو خندق کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

انھیں ہدایت کر دی گئی۔ کہ وہ پیٹ کے بل رینگ کر چلیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد شروع کر دی۔ مسلمانوں نے ان کی اس کارروائی کو دیکھ لیا۔ اس طرف حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ متعین تھے۔

حضرت عمرؓ نے فوراً اس طرف کے مسلمانوں کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ خندق کے پاس پشتہ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور دوسرا حصہ ترکش اور کمانیں لے کر تیر افگنی کے لئے آمادہ ہو گیا۔

ابھی آفتاب کچھ زیادہ بلند نہیں ہوا تھا۔ کہ ابو سفیان نے تیر اندازی کا حکم دیا۔ کفار نے تیروں کی بارش ماری۔ مسلمانوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس طرح طرفین سے تیر افگنی شروع ہو گئی۔ اس طرف تو تیر پھینکے جا رہے تھے اور اس طرف پیٹ کے بل رینگ کر مشرک بڑھ رہے تھے وہ مسلمانوں کی نظروں سے بچتے ہوئے خندق کے کناروں پر پہنچ گئے۔

مشرکوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں نے انہیں بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ مسلمان دیکھ چکے تھے لیکن وہ دانستہ چشم پوشی کر رہے تھے۔

جب مشرکوں نے خندق کے اندر اترنا شروع کیا تو ان مسلمانوں نے جو پشتہ سے لگے بیٹھے تھے قد رے ذرا ابھر کر تیر چلہ میں جوڑ کر ایک ساتھ اس طرح سے چھوڑے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔

ان کے ان تیروں نے ان مشرکوں کو جو خندق میں اتر رہے تھے یا خندق کے کنارے پر بیٹھے اندر اترنے کی سبیل سوچ رہے تھے بسمل و مجروح کرنا شروع کر دیا ان میں سے جو لوگ خندق میں اتر رہے تھے مردہ ہو کر خندق کے اندر جا پڑے اور جو لوگ کنارہ پر تھے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔

ان کے پیچھے ہٹتے ہی پشتہ کے قریب بیٹھنے والے مسلمان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جلدی جلدی تیر چلا کر گھبرائے مشرکوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

مشرکوں میں بدحواسی طاری ہو گئی وہ کھڑے ہو ہو کر بے تحاشہ پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے شدت سے تیر افگنی کر کے بھاگتے ہوئے مشرکوں کو قتل اور مجروح کرنا شروع کر دیا۔

اگر مشرکین عقل و تدبیر سے کام لیتے تو جس طرح وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے آئے تھے۔ اسی طرح سے واپس لوٹ جاتے۔ مگر مسلمانوں کے اچانک حملہ نے ان کے ہوش و

جو اس نے معطل کر دیئے اور وہ کھڑے ہو کر بھاگنے لگے۔

اس طرح سے ان کے سینکڑوں آدمی نذر اجل ہو گئے ان کی کثیر تعداد ضائع ہو گئی اور بہت کم لوگ اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ یہ بچنے والے بھی شدید مجروح ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کی اس کارروائی نے کفار کو خوب مرعوب کر دیا۔ اس روز انہیں آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ تمام دن فاصلے پر کھڑے تیر پھینکتے رہے۔ شام کے وقت دونوں لشکر واپس لوٹے۔ آج کفار کو کافی سے زیادہ نقصان پہنچ گیا اور وہ کسی قدر بددل اور غمزدہ سے لوٹے۔

اگلے دن کفار مسلح ہو کر میدان جنگ میں نکلے۔ حالانکہ مسلمان صف بستہ ہو کر دوپہر تک کھڑے رہے۔ اور ان کے حملے کا انتظار کرتے رہے۔ دوپہر کے بعد وہ بھی کمریں کھول کھول آرام کرنے لگے۔

بظاہر مسلمان بے فکر نظر آتے تھے لیکن دراصل یہ بات نہ تھی۔ انہیں متعدد خطرے لاحق تھے۔ ایک خطرہ منافقوں کی طرف سے تھا جو مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے ان کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ کسی طرف کے مسلمانوں کو غافل پا کر دشمنوں کی رہبری کر کے ان کو خندق پار نہ لے آئیں۔

دوسرا خطرہ ان یہودیوں کی طرف سے تھا جو گویا مدینہ کے اندر ہی تھے اور جنہوں نے دشمنوں سے ساز باز کر لیا تھا۔ نہ معلوم وہ کس وقت اچانک مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی مشکلات کو اور بڑھا دیں۔

تیسرا خطرہ ٹڈی دل مشرکوں کی طرف سے تھا جو مسلمانوں کا سختی سے محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ ان تمام خطروں اور اندیشوں کے علاوہ سامان رسد کی قلت سب سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔

مدینہ کی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی غلہ کے بڑے سوداگر وہی تھے انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔ اس پر شدت سرما کی تکلیف اور بھی مستزاد تھی۔ چونکہ مسلمان کھلے میدان میں پڑے تھے۔ سردی بھی زیادہ تھی۔ لبادے کم تھے۔ اس وجہ سے ان کے لیل و نہار بڑی سختی اور تکلیف سے گذر رہے تھے۔ کبھی سردی کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ اور کبھی بھوک کی شدت بڑھ جاتی تھی۔

اگرچہ منافقوں کو ان میں سے کوئی بھی تکلیف نہ تھی وہ یہودیوں کے دوست تھے اور یہودی انہیں برابر غلہ دے رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی فاقہ کی نوبت نہ آئی تھی اور چونکہ یہ شریک جنگ نہ تھے۔ اپنے گھروں میں اطمینان اور آرام سوتے تھے اس لئے انھیں کسی بات کی کوئی تکلیف نہ تھی تو وہ مدینہ سے باہر آنے جانے کی تھی۔ کیونکہ مسلمان کسی مدینہ والے کو باہر نہ جانے دیتے تھے۔

ہر طرف پہرہ قائم تھا اور کوئی شخص بغیر مسلمانوں کے اذن کے باہر نہ جاسکتا تھا لیکن یہ قید کوئی تکلیف دہ نہ تھی۔ پھر بھی وہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں نے اپنے ساتھ ہمارا بھی عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اکرا دیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ دریدہ دہن اور گستاخ منافق طعن طرازی پر اتر آئے چنانچہ معتب بن قشیر منافق نے کہا۔ محمدؐ یمن، شام اور ایران کی فتح کی خوش خبری اپنے دوستوں کو سنا رہے ہیں۔ لیکن مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔

ہمارے خیال میں تو وہ اب مدینہ میں بھی نہیں رہ سکتے عنقریب جلاوطن کر دئے جائیں گے

ایک اور منافق نے کہا۔!

مسلمان بھی کس قدر سادہ لوح اور بیوقوف ہیں۔ کہ ایک شخص کی اس بات پر یقین کئے بیٹھے ہیں۔ کہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کر لیں گے حالانکہ ان پر مدینہ کی زمین بھی تنگ ہو رہی تھی، ہے۔

ایک اور منافق نے کہا۔ جو لوگ پاخانہ پھرنے کے لئے باہر نہیں جاسکتے وہ یمن اور کسی دوسرے ملک کو کیا فتح کریں گے۔

یہ اور اسی قسم کی باتیں منافقین کہتے تھے۔ مسلمان ان باتوں کو سنتے تھے۔ غصہ تو بہت آتا تھا مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا کہ رات کی اوس۔ دن کی دھوپ، بھوک اور پیاس شدت۔ رات کو حفاظت کی غرض سے جاگتے اور دن میں لڑنے کی سختیاں برداشت کر رہے تھے۔

یہ مسلمانوں ہی کا عزم و استقلال تھا کہ وہ کفار کا مقابلہ۔ بنی قریظہ کے حملہ کا اندیشہ منافقوں کا خطرہ نہایت صبر و شکر سے برداشت کر رہے تھے کوئی اور قوم ہوتی تو اس کے ثبات

قدم کو لغزش آجاتی۔
دشمنوں کے سامنے سر خم کر دیتی۔ لیکن نہ جھکے تو شیرانِ اسلام نہ جھکے ہر سختی۔ ہر خطرہ ہر تکلیف کا مقابلہ بڑی خندہ پیشانی اور استقلال سے کرتے رہے۔ تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ ابتلاء کے وقت مسلمانوں نے جس عزمِ صمیم اور استقلال سے کام کیا ہے وہ اپنا آپ ہی نظیر و عدیل ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان آج کل کے آرام طلب یا نام کے مسلمانوں کی طرح نہ تھے آج مسلمان ذرا سی تکلیف سے گھبرا جاتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر قبروں کے سامنے گردنیں خم کر دیتے ہیں۔ خدا کو بھول کر طاغوتی ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہیں موجودہ حالت میں خواہ وہ کتنی ہی ذلت آفریں کیوں نہ ہو خوش و خرم رہتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس سے انہوں نے اپنے بزرگوں کے نام پر دھبہ لگایا ہے۔ اور وہ قوم کے ناخلف فرزند بن گئے ہیں یا بن رہے ہیں۔

کہاں تو وہ بات تھی کہ مسلمان قیصر و کسریٰ جیسے زبردست بادشاہوں کے دربار میں جا کر بیدھڑک کلمۂ حق کہہ دیتے تھے۔ نہ موت کا خوف۔ قید و بند کا خطرہ انہیں حق گوئی سے نہ روک سکتا تھا۔ کہاں اب یہ حالت ہے کہ محض قید و بند کے خوف سے ہی ایمان فروشی کرنے لگتے ہیں چاندی کے چند سکوں کے عوض مذہب کو بیچ دیتے ہیں مسلمانوں کی نکبت و پستی کا راز مسلمانوں کی عیش طلبی۔ خدا پر بداعتمادی اور اسلام سے انحراف میں مضمر ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا قادر ہے بغیر اس کے حکم کے ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ وہی قاضی الحاجات ہے مگر ہم سمجھنے لگے ہیں۔ کہ حاجات پوری کرنے والی حکومت ہوتی ہے

تمام خدائی طاقتیں حکومت کو حاصل ہے۔ حکام کی نگاہ الطاف ہماری نکبت و پستی کا مداوا کر سکتی ہے کیا ہمارے یہ خیالات اسلام سے بغاوت پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم نے اسلام سے غداری کی۔ خدا سے بغاوت کی۔ خدا کے رسول سے سرکشی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا ناراض ہو گیا۔ اور اس نے ناراض ہو کر رفتہ رفتہ اپنے تمام انعامات ایک ایک کر کے واپس لے لئے۔ اب نہ حکومت رہی نہ دولت نہ عزت رہی نہ حرمت ہم دنیا کی بدترین قوم ہو کر رہ گئے۔ اگر ہم پھر ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے کائنات کے خالق کو خوش کریں۔

اوامر اور نواہی پر سختی سے کاربند ہو جائیں۔ ہمیں تنظیم کی کیا ضرورت ہے۔ جب ہم حقیقت میں مسلمان ہو جائیں گے۔ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے لگیں گے تو خود بخود ہی تنظیم ہو جائے گی۔
ہمارے اکثر خود غرض لیڈر شکم پروری یا عز و جاہ حاصل کرنے کیلئے تنظیم و اتفاق کے

نعرے لگاتے ہیں۔ مگر جو اصل مرض ہے اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ایک نقص ہم میں یہ پیدا ہو گیا ہے یعنی ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ وہ خود ٹھیک راستہ پر ہے مگر دوسرے بھٹک گئے ہیں۔ انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان پہلے خود پکا مسلمان بن جائے اپنی اصلاح کرے دوسرے اس کی دیکھا دیکھی خود ہی اصلاح کر لیں گے۔

مشرکین عرب تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کو زیر کر لیا جائیگا۔ مگر کامیاب نہ ہوئے مجبور ہو کر انہوں نے پیغام بھیجا کہ اگر مسلمان بنی قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں کو جنہیں انہوں نے جلا وطن کیا ہے پھر مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدیں۔ اور مدینہ کے باغات کی آمدنی کا پچیسواں حصہ مکہ کے لوگوں کو دیتے رہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ بتوں کی برائیاں نہ کیا کریں تو محاصرہ اٹھا لیا جائے۔

اگرچہ مسلمان زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ سردی اور فاقہ نے ان کی ہمتوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ مگر انہوں نے ان شرائط پر صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ مشرکوں کو ان کے انکار پر بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ صبح دن نکلتے ہی سوار حملہ کریں گے اور کوشش کریں گے کہ گھوڑوں کو کدا کر خندق کے پار لے جائیں۔

چنانچہ دن نکلتے ہی تمام لشکر کفار نہایت جوش اور نئی شان سے میدان جنگ میں نکل کر صف بستہ ہوا۔ مسلمان بھی مسلح ہو کر خندق کے کنارے پر آ گئے۔ مشرکین نے نہایت جوش سے حملہ کیا۔ اس کے سوار تیر برساتے ہوئے بڑھے۔

اگرچہ مسلمانوں نے ان کے روکنے کیلئے بڑی شدت سے تیر افگنی کی مگر وہ ان کے سیلاب کو نہ روک سکے وہ بڑھ کر خندق کے کنارے پر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے گھوڑوں کے ہاتھ لگا کر انہیں تیز دوڑایا۔ اور خندق کو کود کر پار جانے کی کوشش کی۔

جس طرف حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تھے۔ اس طرف سے خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی تین کفار گھوڑے کدا کر اندر پہنچ گئے۔ مگر دوسری جانب سے اکثر و بیشتر سوار خندق میں گر گئے گھوڑوں کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ سوار گر کر زخمی ہوئے اور بعض مر گئے۔ اکثر گھوڑوں کے نیچے دب کر دم توڑنے لگے۔

وہ تین سوار جو خندق کے پار پہنچ گئے تھے ان میں سے ایک کو تو حضرت عمرؓ نے ایک ہی حربہ میں ٹھکانے لگا دیا۔ دوسرے کو ایک انصاری نے مگر تیسرا نہایت بہادر تھا۔

اس کا نام عمرو بن عبد تھا۔ وہ دو ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ اس کی طرف جھپٹے۔ وہ تلوار سونت کر حضرت علیؓ پر ٹوٹ پڑا اور دونوں نے نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ چونکہ عمرو تجربہ کار تھا۔ اپنی قوت اور طاقت پر غرور تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا تھا حضرت علیؓ کو زیر کر لینا معمولی بات ہے۔ مگر جب حضرت علیؓ کا انداز جنگ دیکھا تو اس کا تمام نشہ غرور ہرن ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے موقع پا کر تلوار کا پورا ہاتھ مارا۔ عمرو نے ڈھال پر روکا لیکن حیدر کرار کی قوت بازو کا وار معمولی نہ تھا۔ تلوار ڈھال کاٹ کر شہ رگ کاٹ کر اترتی چلی گئی اور عمرو کشتہ ہو کر گرا۔

اتفاق سے حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ادھر آ نکلے۔ انہوں نے بڑھ کر حضرت علیؓ کی پیشانی چوم لی اور بوسہ دیا۔

اس عرصہ میں مسلمانوں نے تیروں کی بارش کر کے کفار مکہ کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کیا۔ مشرکین اپنے کئی سواروں کو موت کی آغوش میں پہنچا کر واپس لوٹے پھر انہیں بڑھنے یا حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

شام تک دوری سے تیراندازی ہوتی رہی۔ آفتاب غروب ہونے پر جنگ ملتوی ہو گئی جس وقت طرفین کے لشکر واپس لوٹ رہے تھے۔ اس وقت ہوا تیز چلنے لگی تھی۔ آسمان ابر آلود ہونے لگا تھا۔

لوگوں نے قیاس کر لیا تھا کہ باد و باراں کا طوفان آنے والا ہے۔ یہ قیاس صحیح نکلا اور ہوا اس قدر تیز ہو گئی کہ لشکر کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی۔ چولہوں کی میخیں اکھڑ گئیں اور ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔

اس شدت سے بارش ہوئی جیسے آسمان پر کوئی پانی کا بند ٹوٹا اور وہ لوٹ گیا ہو مشکوں کے دہانوں کی طرح پانی پڑ رہا تھا۔ کفار باد و باراں کے اس طوفان کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔ ان کی تمام رسد اور دوسرا سامان پانی کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ مسلمان بھی ہوا اور بارش سے بچنے کے لئے خندق کی نگرانی وغیرہ چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں میں جا گھسے۔ بنی قریظہ اور منافقین خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔

پچھلی رات کو طوفان کا زور گھٹا مگر سردی بڑھ گئی۔ رسول خدا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ کو ہمراہ لیکر باہر نکلے۔ پانی اس کثرت سے پڑا تھا کہ راستوں پر نہروں

کی طرح سے بہہ رہا تھا۔

اتفاق سے حذیفہ بن الیمانؓ بھی گھر سے نکل آئے۔ وہ ان تینوں بزرگوں کو دیکھ کر بولے حضور اس وقت کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ حذیفہؓ! مجھے خداوند عالم نے خبر دی ہے کہ کفار بدحواس ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا میں خبر لینے جا رہا ہوں۔

حذیفہؓ نے کہا۔ آپ نہ جائیں! میں ابھی خبر لاتا ہوں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا جاؤ۔ حذیفہؓ روانہ ہو گئے۔ اس وقت بادل چھٹ چکا تھا۔ صبح صادق کا وقت ہو چلا تھا۔ حذیفہؓ نے خندق کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا وہاں ایک مشرک کا بھی پتہ نہیں ہے۔

وہ خوش ہوتے ہوئے لوٹے اور آنحضور صلعم کے پاس آ کر بولے۔ یا رسول اللہ! میدان خالی پڑا ہے۔ ایک بھی کافر موجود نہیں سب بھاگ گئے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانو! اب قریش مکہ سے کوئی خدشہ باقی نہیں رہا۔ انشاء اللہ اب وہ کبھی ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے۔!

اس کے بعد مسلمانوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر جب وہ خندق کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ خندق پانی سے لبریز ہے۔ کفار کے خیمے اکھڑے پڑے تھے۔ مشرکین کا کہیں پتہ نہ تھا۔ تمام مسلمان نہایت مسرور تھے۔

وہ شاداں ہو کر واپس لوٹے۔ منافقین اور بنو قریظہ کے یہودیوں کو کفار مکہ کی بزدلی اور دون ہمتی پر بڑا غصہ آیا۔

انہوں نے کہا۔ نامرد۔ بزدل بھاگ گئے۔ اگر ہم انہیں ایسے پست ہمت سمجھتے تو مسلمانوں سے ہرگز ہرگز بگاڑ پیدا نہ کرتے۔

اب بنی قریظہ کو بڑا فکر ہوا۔ انہیں خدشہ ہوا کہ مسلمان عہد شکنی پر انہیں سخت ترین سرزنش کریں گے۔ انہوں نے فوراً اپنے قلعہ کی درستی کر دی۔ یہ لڑائی غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے اور تاریخوں میں بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

نواں باب (۹)

کیفر کردار

جب تمام اہل مدینہ نے مسلمانوں سے عہد کیا تھا تو یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل بنی قینقاع اور بنی نضیر اور بنی قریظہ بھی شامل ہوئے تھے۔ ان میں سے اول الذکر دونوں یعنی بنی قینقاع اور بنی نضیر بدعہدی کرنے کی سزا میں جلاوطن کیے جا چکے تھے۔ صرف بنی قریظہ باقی رہ گئے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے بدعہدی کی۔

وہ جانتے تھے اور خوب جانتے تھے مسلمان بدعہدی پر سرزنش ضرور کریں گے اس لیے انہوں نے قلعہ کی درستی اور مرمت شروع کرا دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ یہودی ہی تھے۔ انھیں اس بات کا بڑا غم و افسوس تھا کہ پیغمبر آخرالزماں ان کی قوم میں نہ ہوا حالانکہ وہ اور ان کے پیشرو بھی سمجھ رہے تھے۔

اگرچہ ان کی کتابوں میں ختم المرسلین کے مبعوث ہونے کی پیشینگوئیاں درج تھیں تمام علامات اور نشانیاں صاف اور صریح تحریر تھیں جو کہ آنحضور صلعم میں وہ تمام موجود تھیں۔ مگر وہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کی دشمنی مسلمانوں کی عداوت اور اسلام کی مخالفت میں اس لئے ڈٹے چلے گئے تھے کہ یہ نبی ان کی قوم میں نہ ہوئے تھے۔

جس وقت مسلمان غزوہ خندق سے واپس لوٹ کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ان وقت ظہر کا وقت تھا۔ تمام مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہوتے ہی سرکار مدینہ نے اعلان کر دیا۔ کہ کوئی مسلمان جو غزوہ خندق میں شریک تھا عصر کی نماز مدینہ میں نہ پڑھے۔ بلکہ قریظہ کے قلعہ کے سامنے پڑھے۔

اس اعلان نے تمام مسلمانوں کو پھر کمربستہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان تقریباً ایک ماہ تک محصور رہے تھے۔ اس عرصہ میں انہیں فاقے کرنے پڑے تھے۔ رات کی خنکی دن کی دھوپ۔ تند ہوا کے جھونکے۔ شب بیداری دن کی جنگ نے انہیں خستہ حال کر دیا تھا۔

انہیں آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کی ضرورت تھی۔ لیکن دربار رسالت سے بنی قریظہ پر لشکر کشی کا حکم ہو چکا تھا۔ اس حکم کی تعمیل ضروری تھی۔ تمام مسلمان جس طرح اور جس حالت میں میدان جنگ سے واپس آئے تھے۔ اسی طرح اور اسی حالت میں بنی قریظہ کے مقابلہ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

مجاہدین کو روزینہ نہیں ملتا تھا۔ نہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور نہ تمغہ ملتا تھا وہ محض ثواب سمجھ کر تنخواہ داروں اور ملازموں سے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھے۔

اس مرتبہ علم حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا اور وہ دو سو مجاہدین کا دستہ لے کر بطور ہراول روانہ ہو گئے۔ ان کے عقب میں آنحضورؐ صلعم مع بقیہ تمام لشکر کے روانہ ہوئے۔ تمام مدینہ اس لشکر کشی کی شہرت سے گونج اٹھا۔ مشرکین اور منافقین نے حیرت و استعجاب سے مسلمانوں کو کوچ کرتے ہوئے دیکھا۔

حیرت کی وجہ یہ تھی۔ کہ مدینہ کے سب لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب مسلمان کچھ دن آرام کریں گے اور تازہ دم ہو کر بنی قریظہ کی تنبیہہ کے لئے روانہ ہوں گے یہی خیال بنی قریظہ کا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں نے ایک دن تو کیا ایک رات بلکہ ایک گھنٹہ بھی آرام نہ کیا تو انہیں ان کی جفاکشی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری پر سخت حیرت ہوئی۔ بنی قریظہ کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی پہلے ہی سے اطلاع ہو گئی تھی۔

انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے فصیل پر سپاہیوں کو چڑھا دیا تھا اور تیروں کے گٹھے اور پتھروں کے ٹکڑے فصیل کی چھتوں پر پہنچا دیئے تھے۔

شام کے وقت سب سے پہلے حضرت علیؓ ہراول کے دستہ کے ساتھ قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے۔ بنی قریظہ نے انہیں دیکھا۔ ان میں سے اکثر گستاخ اور دریدہ دہن اوباشوں نے مسلمانوں اور آنحضرت صلعم کو گالیاں دینا شروع کیں۔ کمینہ۔ ذلیل۔ اور بزدل لوگ کسی قوم کے بزرگوں کو برا کہا کرتے ہیں۔

اس سے وہ اپنی خبث باطنی اور سفلہ پن کا اظہار کر کے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان ہمیشہ ان ذلت آفرین باتوں سے احتراز کرتے رہے ہیں۔

کبھی کسی قوم کے بزرگوں کو انہوں نے گالیاں نہیں دیں۔ برا بھلا نہیں کہا۔ کوئی مسلمان کسی قوم کے بزرگ کو کیسے برا کہہ سکتا تھا جبکہ خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے کہ کسی

...ازنہ ہو۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی کو گالی نہ دو۔ شرع کا یہ فرمان ہے کہ کسی کی دل آزاری ...و۔ وہ مسلمان ہی نہیں جو کسی قوم کے بزرگوں کو گالیاں دے یا برا بھلا کہے یہ کام رذیلوں ...کمینوں کا ہے۔

اس سے کسی بزرگ کی تضحیک نہیں ہوتی بلکہ برا کہنے والے کی اصلیت ظاہر ہوتی ... جن لوگوں نے بزرگانِ دین اسلام کو برا کہنا شعار کر لیا ہے وہ انسانیت سے ...رج شرافت سے معرا۔ کمینہ۔ اور سفلہ ہیں۔

وہ دنیا پر بار ہیں۔ ننگ انسان ہیں۔ شرافت سے ان کا دور کا لگاؤ بھی نہیں ...۔ انسانیت ان کے کمینہ فعل پر لعنت بھیجتی ہے۔

کبھی کوئی انسان جو شرافت کا دعویدار ہے کسی کو برا نہیں کہہ سکتا۔ برے لوگ برا کہا کرتے ہیں۔ اور خود ان کے اندر برائیاں ہوتی ہیں۔ ہر شریف انسان ایسے بدبخت ...ں کو ذلیل ترین سمجھنے پر مجبور ہے۔

مسلمانوں نے یہودیوں کی گالیاں سنیں۔ انہیں بڑا جوش آیا۔ چاہا کہ فوراً حملہ ...ردیا جائے تاکہ ان دریدہ دہن اوباشوں کی گوشمالی ہو سکے۔ مگر انہیں ان کے ہادی نے ...کرنے کا حکم نہ دیا تھا۔

اس لیے وہ ضبط کر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرمؐ معہ تمام اسلامی لشکر کے ...ریف لے آئے۔ مسلمانوں کی آمد کا تانتا عشاء کے وقت تک لگا رہا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اکثر مسلمان ...ینہ میں داخل ہوتے ہی ظہر کی نماز پڑھنے سے قبل ہتھیار مکان پر رکھنے کے لئے ...
...لے گئے تھے۔

انہیں جب آنحضور صلعم کے فرمان کا علم ہوا تو فوراً مسلح ہو ہو کر بنی قریظہ کے ...وں کی طرف چلتے رہے۔ چنانچہ عشاء کے وقت تک ان کی آمد جاری رہی۔

چونکہ آنحضور صلعم نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو مجاہد غزوۂ خندق میں شریک ...تھے وہ عصر کی نماز مدینہ میں نہ پڑھیں اس لئے وہ مسلمان جو مدینہ میں عصر کی نماز پڑھ ...لے تھے۔ اور جنہیں آنحضورؐ کے اس اعلان کا بعد میں علم ہوا۔ انہوں نے بنی قریظہ کے ...کے سامنے پہنچ کر عشاء کے وقت پہلے عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں اور آنحضور ...نے ان کے اس فعل کو جائز قرار دیا۔

عشاء کی نماز پڑھ کر آنحضور صلعم نے قلعہ کے محاصرہ کا حکم دیا۔ مجاہدین اسلام قلعہ کے چاروں طرف پھیل گئے اور رات ہی کو انہوں نے مورچے قائم کر لئے۔ صبح بہت سویرے بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور مسلح ہو کر میدان جنگ میں صف بستہ ہو گئے۔

یہودیوں نے فلاخنوں کے ذریعے سے سنگباری شروع کی۔ مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر دیں اور قلعہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔

چونکہ یہودی کثرت سے پتھر پھینک رہے تھے۔ اس لئے زیادہ تعداد پتھروں کی ڈھالوں سے بچ کر مسلمانوں کے پیروں اور ٹخنوں میں لگ رہی تھی۔ پتھر خاردار تھے۔ اس لئے زخم فوراً ہو جاتے تھے۔

بہت سے مسلمان زخمی ہو چکے تھے مگر وہ زخموں کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ برابر پیش قدمی کر رہے تھے۔ اور ان کا ہر قدم قلعہ کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔

جب یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمان تیروں کی زد میں آ گئے ہیں انہوں نے فلاخن اندازی بند کر کے تیر اندازی شروع کر دی اور اس کثرت سے تیر برسائے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی چندے مسدود ہو گئی۔

مسلمان بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے لگے تھے۔ اس لئے مسلمان تیروں سے بچتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ لیکن فصیل اونچی تھی۔ مسلمانوں کے تیر فصیل کی منڈیر سے ٹکرا ٹکرا کر گر پڑتے تھے البتہ کبھی کبھی کوئی کوئی تیر اس شخص کے دماغ میں ترازو ہو جاتا تھا جو فصیل سے سر ابھار کر مسلمانوں کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

چونکہ یہودی کثرت سے تیر پھینک رہے تھے۔ اس لئے مسلمان تیروں سے بچتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ بسا اوقات گھنٹوں ایک ہی جگہ کھڑے ہوئے گذر جاتے تھے۔

شام تک اسی طرح جنگ کا سلسلہ قائم رہا۔ اگرچہ مسلمانوں نے ہر چند قلعہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن تیروں کی کثرت نے فصیل کے نیچے نہ پہنچنے دیا۔

قلعہ کے چاروں طرف جنگ کے یہی آثار و قرائن تھے۔ حضرت علی شمالی کی جانب مصروف پیکار تھے۔ آپ اس حد تک جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ نہ آپ نے تیر اندازی کا خیال کیا اور نہ سنگ اندازی کا۔

آپ اور آپ کے ہمراہی خاردار پتھروں اور پیکاندار تیروں کو ڈھالوں پر روکتے ہوئے قدم بقدم بڑھتے رہے۔!

آپ نے عزم بالجزم کر لیا تھا۔ کہ قلعہ کے نیچے پہنچ کر ہی دم لیں گے یہودی آپ کے
دہ سے آپ کی پیش قدمی کے آثار و انداز دیکھ کر واقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس
ف سپاہیوں کی جمعیت بڑھا دی تھی۔ کہ مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پیدا ہو گئی
آگے بڑھنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا تھا۔ مگر حضرت علیؓ کا قدم نہ رکا
یر خدا تیروں کو ڈھال پر روکتے ہوئے اور ایک ہاتھ میں علم سنبھالے ہوئے برابر
ھ رہے تھے۔ اپنے سردار کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ دوسرے مسلمان
یچھے رہ جاتے۔ وہ بھی تیروں کو روکتے۔ زخمی ہوتے قدم بہ قدم بڑھے چلے آ رہے
۔ جنگ صبح ہی سے شروع ہو گئی تھی۔

سارے دن ہوتی رہی تھی۔ اب بھی جبکہ آفتاب تھکے ہوئے مسافر کی طرح
مغرب میں آرام کرنے کے لئے قدم بڑھا رہا تھا۔

جنگ اسی شان اور اسی جوش سے جاری تھی۔ جس شان اور جس جوش سے
روع کی گئی تھی۔

حضرت علیؓ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قلعہ کے قریب پہنچ جائیں اور یہودی یہ
م کر چکے تھے۔ کہ کسی مسلمان کو بھی قلعہ کی فصیل کے پاس تک نہ آنے دیں گے چونکہ
تاب غروب ہونے قریب پہنچ گیا تھا۔ دن ختم ہو کر رات چھانے والی تھی۔ اس
حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سرعت سے بڑھنا شروع کیا۔
نعرۂ تکبیر کی اس آواز نے گویا مجاہدین اسلام کو بیدار کر دیا۔ چونکے سنبھلے۔
ر اللہ اکبر کا پر ہیبت و جلال نعرہ لگا کر تیزی سے بڑھے۔

یہودیوں نے مسلمانوں کی اس بے نظیر جسارت اور عدیم النظیر ہمت کو دیکھا
ے ان کے دست و بازو تمام دن کی فلاخن اندازی اور تیر اندازی نے شل کر دیئے تھے
ن انہوں نے اپنی تشنگی اور تھکاوٹ وغیرہ کا قطعاً خیال تک بھی نہ کرتے ہوئے مزید
ت سے تیر اندازی شروع کی۔

مگر حضرت علیؓ نے قدم بڑھایا تھا۔ اسے پیچھے نہ ہٹایا۔ بلکہ اسے آگے ہی بڑھاتے
گئے۔ یہاں تک کہ وہ فصیل کے قریب پہنچ گئے۔
اس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اور مشرق کی جانب سے ظلمت شب کی سیاہ

آفتاب عالم چادر اٹھا کر آہستہ آہستہ مغرب کی طرف سمٹنے لگی۔

اس وقت آنحضور صلعم نے جنگ بند کر دی اور ساتھ ہی اعلان کرا دیا کہ مسلمان واپس لوٹ کر اس جگہ پہنچ جائیں جہاں وہ شب گزشتہ شب باش ہوئے تھے۔ آنحضور صلعم کا یہ حکم حضرت علی کرم اللہ تک بھی پہنچ گیا!

یہودی یہ یقین کر چکے تھے کہ مسلمان رات ہی میں فصیل کو توڑ کر اندر گھس آویں گے۔ وہ انتہائی خوف و ہراس سے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے مگر جب آنحضور صلعم کا فرمان واپسی کے متعلق حضرت علی کرم اللہ تک پہنچا تو وہ اس کے خوف سے فصیل کے نیچے ٹھہرے رہے اور اسے توڑ کر قلعہ کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے! فوراً واپس لوٹ پڑے۔ یہودیوں نے ان کی واپسی کو اپنی خوش قسمتی پر محمول کیا۔ وہ ان کو واپس جاتے دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔

لشکر اسلام محاذ جنگ سے ہٹ کر اپنی اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گیا۔ انہوں نے کمریں کھولیں۔ نماز پڑھی کھانا پکایا اور کھا کر مصروف آرام ہو گئے۔

صبح پھر گزشتہ روز کی طرح میدان کارزار میں نکلے۔ سارے دن خوب جدال و قتال رہے۔ گویا اس طرح سے انہیں محصور ہوئے پندرہ روز گزر گئے۔ اس پندرہ یوم کے عرصہ میں نہ کوئی قلعہ کے اندر جا سکا نہ کوئی قلعہ کے اندر سے باہر آ سکا۔

اگرچہ یہودیوں کے پاس سامان رسد کافی تھا۔ لیکن تیروں اور نیزوں کی کمی ہونے لگی تھی۔ سامان حرب کی اس کمی نے ان کے حوصلے پست کرنا شروع کر دیے تھے۔ انہوں نے کئی کارخانے تیروں کے تیار کرنے کے لئے قائم کر دیئے تھے جو شب و روز تیر بنانے میں مصروف رہتے تھے۔ اور لکڑی کی کمیابی نے ان کارخانوں کو تیزی سے کام کرنے سے روک دیا تھا۔

یہ کیفیت دیکھ کر کعب بن اسد نے جو یہودیوں کا سردار اعظم تھا ایک مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام سربرآوردہ یہودیوں کو بلا لیا گیا۔ حیی بن اخطب بھی قلعہ کے اندر موجود تھا وہ بھی طلب کیا گیا۔ جب سب لوگ آ گئے تو کعب نے کہا۔

اے بنی اسرائیل کے غیور فرزندو! جس بات کا خدشہ تھا وہی سامنے آیا۔ ہم نے غلطی کی کہ اس معاہدہ کو جو مسلمانوں سے کیا گیا تھا توڑ ڈالا۔ در اصل ہم دھوکا کھا گئے۔ قریش مکہ کے لشکر کی کثیر تعداد دیکھ کر ہم نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ضرور فتح یاب ہوں گے

اور مسلمان فنا ہو جائیں گے۔ لیکن قریش کی بزدلی نے جنگ کا پانسہ ہی بدل دیا۔ وہ طوفان باد و باراں سے خائف ہو کر بھاگ گئے۔ اور ہمیں ان مشکلات میں مبتلا کر گئے۔ جس جرأت سے مسلمان لڑ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ان کا عرصہ تک مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ کسی دن قلعہ پر اچانک قابض ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں قوم کی فلاح کے لئے کوئی مناسب تجویز کی جائے۔

ثعلبہ بن سعید نے جو شرفائے یہود سے تھا کہا۔ ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا ہے جو مصیبت مول لی ہے۔ اور مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دیا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ عہدنامے کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کی مخالفت کرنا کسی لحاظ سے مناسب نہیں ہے لیکن کسی نے میری بات کو نہ مانا۔ اب نتیجہ سامنے ہے۔ اب بھی یہی کہتا ہوں کہ خوب اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر ایسی تجویز نکالیئے جس سے قوم کی فلاح ہو۔

حیی بن اخطب نے کہا۔ ہر قوم اور ہر شخص اپنی بہبودی چاہتا ہے۔ ہم نے عہد شکنی میں اپنا فائدہ سمجھا تھا۔ لیکن قریش کی بزدلی نے امید کے خلاف کر دیا۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ بنی قینقاع اور بنو نضیر کے قبائل کو جلاوطن کر دیا گیا ہے اور ان کے قلعوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ ہم سے یہ غلطی ہوئی کہ ہم نے اس وقت اپنے بھائیوں کی امداد نہ کی۔ اور خاموش بیٹھے ان کو جلاوطن ہوتے دیکھتے رہے۔ اگر ہم ان کا ساتھ دیتے۔ اور تینوں قبائل متفق و متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تو یقیناً جلاوطنی کی تکلیف سے بچ جاتے

چونکہ ہم مسلمانوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے ہیں۔ اس لئے وہ ہم کو بھی جلاوطن کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ہمت و استقلال سے کام لیتے رہے۔ اور صلح کی طرف نہ جھکے تو مسلمان محاصرہ سے تنگ آکر خود ہی واپس لوٹ جائیں گے۔ اس لئے میرے خیال میں ہمیں نہ مدد لینا چاہیئے اور نہ صلح کی طرف جھکنا چاہیئے۔

اسد بن عبید نے کہا حیی! تم نے ہمیں عہد شکنی کی ترغیب دی۔ تم نے ہم کو مجبور کیا کہ ہم مسلمانوں کے اس وفد کو جو ہمیں سمجھانے کیلئے آیا تھا۔ کورا اور سخت جواب دیا۔ ہم تمہارے کہنے میں آگئے۔ مسلمانوں سے بگاڑ بیٹھے۔ تم سمجھتے ہو۔ کہ مجاہدین اسلام محاصرہ سے تنگ آکر چلے جائیں گے لیکن مسلمانوں کی روایات اور گزشتہ واقعات تمہارے اس خیال پر خط تنسیخ کھینچتے ہیں۔ وہ بغیر قلعہ فتح کئے ہرگز ہرگز نہ جائیں گے۔

اگر ہم اپنی ضد پر اڑے رہے اور صلح کی طرف نہ جھکے۔ تو نہایت زبردست نقصان

اٹھائیں گے۔ لہٰذا میرے نزدیک تو صلح کر لینا بہتر ہے۔

حی نے کہا۔ اسد تمہارا خیال غلط ہے۔ مسلمان ہمیشہ دو مہینے محاصرہ کئے پڑے رہ سکتے ہیں۔ زیادہ عرصہ تک نہیں!

اسد بن سعید نے کہا۔ یہ تمہارا خام خیال ہے مسلمان جس بات کا ارادہ کر لیتے ہیں اسے پورا کئے بغیر نہیں مانتے۔ وہ یا تو قلعہ فتح کر لیں گے یا تمام عمر محاصرہ کئے پڑے رہیں گے بہتر یہی ہے کہ اپنے قصور کی معافی طلب کرو۔ اور جس طرح بھی ہو سکے ——— صلح کر لی جائے۔

حی نے کہا۔ مگر مسلمان صلح کیوں کریں گے۔

ثعلبہ نے کہا مسلمانوں میں یہ خوبی بڑی زبردست ہے کہ جب ان سے رحم کی التجا کی جاتی ہے تو وہ فوراً اپنے رحم و کرم کی طرف جھک جاتے ہیں۔ ان کے ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ الرحمۃ مجسمہ اور پیکر رحم و کرم ہیں۔

وہ خونریزی کو کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ مسلمانوں سے اچھی شرائط پر صلح کرا دوں گا۔

ایک اور یہودی نے کہا۔ لیکن ہم ہرگز صلح نہ کرنی چاہیئے

حی ابن اخطب نے لوگوں سے استفسار کیا۔ کیا آپ سب احباب چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں ہرگز نہیں ہم بالکل صلح کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

کعب نے کہا اگر تم صلح کرنا نہیں چاہتے تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالو۔ قلعہ سے باہر نکل کر میدان میں لڑو۔ اگر فتح یاب ہوئے۔ تو عورتیں اور بچے مل جائیں گے اور اگر ہار گئے یا شکست ہوئی تو ننگ کی طرف سے بے فکر ہو گے۔ چند لوگوں نے کہا کہ یہ بڑی بے دوقوفی کی بات ہو گی۔ ہم میں کون ایسا سنگدل ہے جو اپنی اولاد اور اپنے قبیلہ بیوی کو قتل کر ڈالے۔

کعب نے کہا۔ اگر یہ منظور نہیں۔ تو سنیچر کی رات کو مسلمانوں پر شبخون مارو اور چونکہ وہ اس خیال سے کہ سنیچر کا دن یہودی قوم میں خاص احترام کا دن ہے اس دن ہم لڑنا بھڑنا شکار کھیلنا یا کوئی اور دنیا کا کام کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ بے فکر اور غافل ہوں گے۔ اور ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر کلی طور پر ان کا استیصال کر دیں گے۔

یہودیوں میں سنیچر کا دن نہایت حرمت سمجھا جاتا ہے۔ اس روز وہ سوائے عبادت کے اور کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔ ان کے تمام کاروبار اور سارے کاروباری معاملات بند رہتے تھے۔

چند لوگوں نے کہا ہم سنیچر کے دن نکلنے کو منتی بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بات تمام باتوں سے خراب اور تکلیف دہ ہوگی۔

حی بن اخطب نے کہا۔ میرے خیال میں ہمیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے استقلال اور جرات سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اور یہ طے پایا کہ جنگ کا جاری رکھنا ہی مناسب اور بہتر ہے لیکن یہ مشورہ ثعلبہ اور اسد۔ اسید کو ناگوار گزرا۔ وہ اسی وقت اٹھے اور قلعہ سے باہر آکر آنحضور صلعم کی خدمت میں پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد برابر محاصرہ قائم رہا۔ اور روزانہ جنگ ہوتی رہی۔

دس روز اور گزر گئے۔ اور شہروں اور رسدوں کی اس درجہ کمی ہو گئی کہ مزید دو چار روز تک جنگ جاری رکھنا دشوار نظر آنے لگا۔ تو تمام یہودی گھبرا گئے اور انہوں نے کعب پر صلح کرنے کیلئے زور ڈالا۔

چنانچہ کعب نے آنحضور صلعم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم قلعہ کو اور اپنی قوم کو اس شرط پر آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ کہ سعد بن معاذ جو سزا ہمارے لئے تجویز فرمائیں وہی سزا ہم کو دی جائے۔

آنحضور صلعم نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ بنی قریظہ نے فوراً قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور خود بھی مع اپنے اہل و عیال کے قلعہ سے باہر نکلا چلا آیا۔ ہر شخص جانتا تھا۔ کہ مسلمان سچے ہوتے ہیں۔ ایفائے وعدہ کرتے ہیں۔ غداری اور بدعہدی کبھی نہیں کرتے۔ دشمنوں کو بھی ان کی باتوں کا اعتراف تھا یہی وجہ تھی۔ کہ بنو قریظہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا تھا۔

آنحضور صلعم نے انہیں حراست میں لئے جانے کا حکم دیدیا۔ لہذا تمام یہودی حراست میں لے لئے گئے۔ چند مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو کر قلعہ پر قابض ہو گئے۔

چونکہ جنگ بند کر دی گئی تھی۔ اس لئے مجاہدین قلعہ کے تمام اطراف سے سمٹ سمٹ کر آنحضور صلعم کے پاس آ گئے تھے۔ جب یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہودیوں نے اپنے آپ کو

مسلمانوں کے سپرد کر دیا ہے۔ تو قبیلہ اوس کے چند انصار آنحضور صلعم کی خدمت میں پہنچے۔ اور ان میں سے ایک نے سرور کائنات فخر موجودات سے کہا۔

یارسول اللہ زمانہ جاہلیت میں جب ہمارے قبیلہ اوس اور ہمارے دشمن کے قبیلہ خزرج میں جنگ ہوئی تھی۔ تو بنو قریظہ ہمارے طرفدار رہتے تھے۔ اس لئے ہماری استدعا ہے کہ حضور بنی قریظہ کے معاملے میں ہمارے قبیلہ میں سے کسی کو منصف مقرر فرما دیں۔

آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ اطمینان رکھو۔ پہلے ہی تمہارے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کو منصف قرار دیا جا چکا ہے۔ بنی قریظہ نے بھی انھیں ہی اپنی طرف سے وکیل مطلق بنایا ہے۔"

یہ سن کر قبیلہ اوس کے انصار بہت خوش ہوئے۔ اور آنحضور نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ لشکر قیدیوں کو حراست میں لیکر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مشرکین اور منافقین نے غم و حیرت کی نظروں سے مسلمانوں کو بامراد اور فتح یاب ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ رشک و حسد سے جل گئے۔

لشکر اسلام مدینہ میں داخل ہو کر مسجد نبوی کے سامنے والے وسیع میدان میں پہنچا قیدی لشکر کے وسط میں کھڑے کر دئے گئے آنحضور صلعم فرش کرا کر بیٹھ گئے۔ چند صحابہ بھی آنحضور صلعم کے پاس جا بیٹھے اب چند لوگ سعد کو لانے کے لئے بھیجے گئے۔

حضرت سعد غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ اور ایسے زخمی ہوئے تھے کہ چل پھر نہ سکتے تھے۔ ان کے لئے مسجد کے قریب ایک خیمہ ایستادہ کر دیا گیا تھا۔ اور وہ اس میں فروکش تھے۔

انہیں لانے کے لئے ایک پالکی تیار کی گئی۔ اس پالکی میں انھیں سوار کرا کر اوس کے انصار ساتھ چلے۔ راستہ میں چند آدمیوں نے ان سے کہا۔

آپ کو معلوم ہے کہ بنی قریظہ نے ہمیشہ لڑائیوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ آج انہوں نے آپ کو اپنا وکیل (مددگار) بنایا ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ ان کے ساتھ انتہائی رعایت کریں۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرونگا جب ان کی سواری آنحضور صلعم کے پاس پہنچی تو حضور اکرم اور آپ کے صحابہ ان کے

استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضور صلعم نے اٹھتے ہوئے فرمایا! لوگو جب
کوئی بزرگ یا رئیس قوم آیا کرے۔ تو اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوا کرو۔

حضرت سعد پالکی سے نکل کر فرش پر بیٹھ گئے۔ آنحضورؐ اور تمام مسلمان بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

چونکہ تمام مدینہ اور نواح مدینہ میں اس بات کی شہرت ہو گئی تھی کہ بنی قریظہ نے حضرت سعد کو منصف قرار دیا ہے۔ اس لئے اطراف وجوانب سے لوگ فیصلہ سننے کے لئے امڈ آئے تھے اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے حصار باندھے کھڑے ہوئے تھے۔

آنحضور صلعم نے حضرت سعدؓ سے کہا۔ میں نے تمہارے دوستوں یعنی بنی قریظہ کا معاملہ تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ جو فیصلہ تم کرو گے۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔

کعب نے کہا اے قبیلہ اوس کے سردار ہم نے اپنی طرف سے تم کو وکیل مطلق بنایا ہے جو فیصلہ تم کرو گے ہم اس پر کاربند ہیں۔ مگر تم جانتے ہو اور اچھی طرح سے جانتے ہو۔ کہ جب قبیلہ اوس وخزرج میں لڑائیاں ہوتی تھیں تو ہم ہمیشہ تمہارا ساتھ دیتے تھے۔ ہم دیرینہ دوستی کے نام پر تم سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ ہماری دیرینہ رفاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیجیئے گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ سعد آپ کو معلوم ہے کہ جب مسلمان محصور تھے۔ تو اس وقت بنی قریظہ نے عہد نامے کے خلاف غداری کر کے دشمن سے ساز باز کر لیا تھا۔ اور جب انھیں سمجھانے کے لئے وفد بھیجا گیا۔ تو مسلمانوں کو ناتوان اور کمزور و حقیر سمجھ کر ان کے وفد کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا اور صاف طور پر کہدیا۔ کہ ہم رسول خدا کو نہیں جانتے اور نہ کسی عہد نامے کے پابند رہنا چاہتے ہیں۔ پھر ان پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ مسلمانوں اور رسولخدا کو گالیاں دیں۔ میں نہ صرف بلکہ ہر مسلمان اور ہر مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر شریف انسان کی یہ خواہش ہے کہ آپ منصفانہ فیصلہ صادر فرمائیں۔

حضرت سعد نے کعب سے دریافت کیا۔ تم نے مجھے منصف قرار دیا ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرو۔ کہ میرے فیصلہ کو منظور کرو گے۔

کعب نے حلف اٹھا کر اقرار کیا کہ میں اور میری قوم تمہارے فیصلہ کو منظور کریں گے۔

اس کے بعد سعد نے مسلمانوں سے بھی ایسا ہی اقرار کر لیا۔ اور مسلمانوں نے بھی اقرار کیا۔

حلف لینے کے بعد سعد سوچنے لگے۔ یہودی۔ مسلمان۔ مشرکین۔ اور منافقین

الغرض سب کے سب خاموش رہ کر حضرت سعد کی طرف دیکھنے لگے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد سعد نے سر اٹھایا۔ اور ایسی آواز سے جو سب تک پہنچ سکے ارشاد فرمایا۔

میں فیصلہ دیتا ہوں کہ بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سا سلوک کیا جائے۔ اور ان کی املاک ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔

اس فیصلہ کو سنتے ہی بنی قریظہ۔ مشرکین اور منافقین حیران و ششدر رہ گئے سعد کا فیصلہ ان کی توقعات کے خلاف ہوا۔

یہودی مرد اس فیصلہ کو سن کر رونے لگے۔ عورتیں اور بچے چیخنے اور چلانے لگے اب انہیں معلوم ہوا کہ عہد نامہ کو کاغذ کا پرزہ سمجھنے کی سزا کیا ہوتی ہے اور بد عہدی کس قدر ہولناک نتائج پیدا کرتی ہے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب تمام مرد قتل کر ڈالے گئے عورتیں اور بچے غلام اور کنیزیں بنا کر مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دی گئیں۔

اس طرح سے بنو قریظہ اپنی حماقت آفریں بد عہدی سے کیفر کردار کو پہنچے۔ اب مدینہ کی سرزمین سرکش۔ مفسد اور اسلام کے دشمن یہودیوں کے وجود سے پاک ہو گئی۔ اس جنگ کا نام غزوہ بنی قریظہ ہے۔

دسواں باب (۱۰)

انتقام

جمیلہ حارثہ کی آغوش میں آ پڑی۔ یہ وہی جمیلہ تھی۔ جسے بنی قحطان کے افراد اس وقت اٹھا لائے تھے۔ جب وہ عہد اوائل سے گزر کر زمانہ شباب میں قدم رکھنے والی تھی لیکن اب وہ دست شباب ہو گئی تھی۔ اب جمیلہ وہ بچپن کی جمیلہ نہ تھی۔ بلکہ وہ شباب کی گہرائیوں میں آغوش حسن میں الھڑپنے کے جھوٹے میں جھولنے والی جمیلہ تھی۔ عالم جوانی نے اس کے حسن دل افروز کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

وہ لڑکپن میں خوبصورت تھی۔ جوانی نے بے نظیر حسینہ بنا دیا تھا۔ اس کا گدرایا ہوا جسم۔ گداز سینہ۔ معتدل الاعضاء۔ جاذب نظر بن گئے تھے۔ اس کا چہرہ شعاع حسن سے جگمگا رہا تھا۔

رعنائی اور دلربائی نے اسے رشک حور بنا دیا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنے قابو میں رہ سکتا۔ خدا نے فیاضی کے ساتھ اسے حسن عطا کر کے ملکۂ حسن بنا دیا تھا۔

حارثہ اسے دیکھ کر آئینہ وار حیران رہ گیا۔

وہ دیر تک۔ اس کے حسین چہرے اور شربائی ہوئی نگاہوں کو دیکھتا رہا جب اس کی حیرت دور ہوئی تو اس نے کہا۔

جمیلہ! کیا تم وہی جمیلہ ہو؟ جو چند روز ہوئے۔ لڑکپن کی گود میں کھیل رہی تھیں۔ میری آغوش میں پرورش پا رہی تھیں۔

جمیلہ شرمیلی نگاہوں سے دیکھ حیا فگن انداز سے کہا۔ ہاں میں وہی جمیلہ ہوں جسے آپ نے بچایا تھا۔ جبکہ میرا والد مجھے زندہ دفن کر گیا تھا۔۔۔ تم نے ۔ ہاں ۔ تم نے مجھے نکالا تھا۔۔ میرے بزرگ ۔۔۔۔ میں تمہاری منہ بولی بیٹی جمیلہ ہوں۔ آفت نصیب جمیلہ ہوں۔

یہ کہتے ہی کہتے جمیلہ کی مست شباب آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حارثہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔

نہ رو۔ میری بیٹی نہ رو۔ تجھے کس نے ستایا ہے اور کس نے تجھ پر مظالم کئے ہیں

جمیلہ نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

مجھے میری قسمت نے ستایا ہے جب سے ہم بنی قحطان میں آئے ہیں۔ ایک روز بھی آرام و اطمینان سے نہیں رہے۔ نہ میں۔ نہ رقیہ۔ اور نہ میری والدہ حلیمہ۔۔۔ آہ وہ تو رنج کرتے کرتے بڑھیا ہو گئیں۔

حارثہ نے دریافت کیا۔ کیا بنی قحطان نے تم کو ستایا ہے۔ جمیلہ نے کہا۔ ہاں! آہ! وہ ہمیں لونڈیاں سمجھتے ہیں۔ ہم سے اس قدر مشقت لیتے ہیں۔ کہ ہم زندگی سے تنگ آ جاتی ہیں۔

ہم کو آدھی رات کے وقت اٹھا دیا جاتا ہے۔ اناج پیسنے کو کہا جاتا ہے صبح تک ہم اناج پیستی رہتی ہیں۔ آفتاب نکلتے ہی اونٹ صاف کرنے کے لئے دیا جاتا ہے دوپہر

ایک شخص۔ شاید دوگنے کے قریب ہوں۔ لیکن ہم کیا پرواہ کر سکتے ہیں۔ وہ بزدل لٹیرے ہیں۔ ہمارے حملہ کرتے ہی بھاگ کھڑے ہونگے"۔

حارثہ۔ اچھا تم اونٹوں کو چھوڑ دو۔ ہتھیار سنبھال لو۔ اور چلو۔

ایک شخص نے کہا۔ مگر یہ ناز آفریں دوشیزہ تو اس نے جمیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حارثہ نے کہا۔ یہ میری بیٹی ہے اونٹوں کے پاس رہے گی۔ جمیلہ نے کہا نہیں ابا میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ بزدل کمینوں سے انتقام لینے کے لئے۔

حارثہ نے کہا نور چشمی! میں تجھے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا دشمن زیادہ ہیں۔ ہم کم ہیں۔ نہیں معلوم کہ لڑائی کا نتیجہ کیا ہو۔ اس لئے قرۃ العین! تم اونٹوں کے پاس رہو۔ اگر تم دیکھو ہمیں شکست ہوئی تو تم اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ چلی جانا۔ مدینہ میں ایک نبی ہے۔ حضرت محمدؐ ان کا نام ہے۔ ان کے پاس جا کر ان کا مذہب اختیار کر لینا۔ وہ دشمنوں سے تیری حفاظت کریں گے۔ اور عجب نہیں کہ ہمارا انتقام بھی لے لیں۔ جمیلہ نے کہا میں نے سب کچھ سن رکھا ہے۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ قریش مکہ کے ساتھ ان سے لڑنے کے لئے مدینہ گئے تھے۔ مگر شکست کھا کر واپس آ گئے۔

وہ حضرت محمدؐ کی تعریف کرتے ہیں۔ حارثہ نے کہا ٹھیک ہے ہم سب جب بڑی مصیبت میں ہوتے ہیں ان کے خدا کو ہم نے پکارا اس نے ہماری امداد کی۔ اچھا تم یہیں کھڑی رہو۔ اے آل بکر چلو۔

جمیلہ اونٹوں کے پاس کھڑی ہو گئی۔ حارثہ اور اس کے ساتھی چلے۔ تلواریں سونت کر تند تیز بڑھتے چلے۔ سامنے سے اونٹوں کی لمبی قطار آ رہی تھی۔ کچھ لوگ اونٹوں پر سوار تھے۔ کچھ اونٹوں کی مہار پکڑے یاہ یاہ کی صدائیں لگاتے قدم بقدم چلے آ رہے تھے جس راستہ سے وہ آ رہے تھے وہ اس ٹیلہ کے نیچے سے ہو کر گزرتا تھا۔ جس کے پیچھے حارثہ اور اس کے سپاہی چھپے ہوئے تھے۔

جب آنے والے قافلہ کے لوگ ان کے پاس آ گئے۔ تو یہ سب دفعتاً نکل پڑے حارثہ نے بلند آواز سے کہا۔ بنی قحطان کے بزدل لوگو! آل بکر کے مقابلہ کیلئے نکلو۔

اس آواز کو سنتے ہی آنے والے لوگوں میں ابتری پیدا ہو گئی۔ اونٹ رک گئے لوگ خوفزدہ ہو کر حیرانی سے حارثہ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے لگے۔ حارثہ نے فوراً تلوار بلند کی اور ایک شخص پر حملہ کر دیا۔ جو اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھا۔ پہلے ہی حملہ میں

اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس عرصہ میں اس کے ساتھیوں نے بھی حملہ کر کے کئی دیگر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چونکہ اونٹوں کی قطاریں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے حارثہ کے ساتھی بھی دور تک پھیل گئے۔ اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔ یہ قافلہ بنی قحطان ہی کا تھا۔ کچھ دیر تو وہ خوف و حیرت سے حارثہ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھتے رہے مگر جب ان کے آدمی قتل کئے جانے لگے تو وہ بھی تلواریں لے لے کر اونٹوں سے کود پڑے اور مقابلہ میں آکر مصروف پیکار ہو گئے۔

حارثہ نہایت پھرتی سے لڑ رہا تھا۔ وہ بلند آواز سے کہتا جاتا تھا۔ بنی قحطان کے کتو! آج بنی بکر تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ بنی قحطان اگرچہ پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے مگر بنی بکر کے افراد کے سامنے ان کی ایک پیش نہ جاتی تھی۔ وہ برابر قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے تمام مرد قتل کر ڈالے گئے۔ صرف عورتیں اور بچے چیختے چلاتے رہ گئے۔

جب ایک مرد بھی زندہ باقی نہ رہا تو جنگ موقوف کر دی گئی۔ عورتوں کو اونٹوں سے نیچے اتار لیا گیا۔ وہ رو دیں۔ امان۔ امان۔ کی صدائیں لگاتی ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ ان عورتوں میں رقیہ۔ اور سلمیٰ۔ بھی تھیں۔ سلمیٰ حارثہ کو دیکھتے ہی اس کی طرف جھپٹی۔ اور پیارے شوہر کہہ کر اس کے بازوؤں سے جا لگی۔

حارثہ نے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا بھینچا اور پیار کیا اور آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکا کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تمام عورتوں کو سوار کراؤ اور چلو۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ عورتیں اونٹوں پر سوار کرائی گئیں۔ جمیلہ بنی بکر کے اونٹ وغیرہ بھی لائے گئے۔ اور یہ سب لوگ بھی اونٹوں پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس طرح عرصہ کے بعد بنو بکر نے بنی قحطان سے انتقام لیا۔

گیارھواں باب (۱۱)

احسان فراموشی کا انجام

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ غزوہ دومۃ الجندل سے واپسی کے وقت عیینہ بن حصین نے آنحضرت صلعم سے مدینہ کی چراگاہوں میں اپنے اونٹ چرانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اور کثیر التعداد اونٹ لیکر مدینہ کی چراگاہوں میں لیکر نہایت اطمینان سے چراتا رہا۔ بلا کسی معاوضہ کے مسلمانوں نے اس کے ساتھ یہانتک رواداری اور مہمان نوازی کا سلوک کیا کہ اپنے مویشی ناکارہ چراگاہوں میں منتقل کر دیے۔ اور اس کے اونٹوں کیلئے بہترین چراگاہیں چھوڑ دیں۔ بلکہ جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی تھی مہیا کر دیتے تھے۔ اس کے مویشیوں کی حفاظت کرتے تھے۔

ستو اور کھجوریں تحفہ کے طور پر دیتے تھے لیکن عیینہ چونکہ مشرک تھا۔ بتا پرست تھا مسلمانوں کی ترقی اور عروج دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ وہ اس فکر میں تھا کہ کسی روز موقعہ پا کر مسلمانوں کے اونٹوں کو ہانک لے جائے۔

اتفاق سے ایک روز ایسا موقعہ اس کے ہاتھ آگیا چراگاہوں میں اونٹوں کی حفاظت کے لئے بہت سے مسلمان رہا کرتے تھے۔

جمعہ کا دن تھا۔ لہذا وہ سب جمعہ پڑھنے کیلئے مدینہ چلے گئے۔ اور تمام چراگاہیں خالی رہ گئیں۔ صرف ایک شخص بنی غفار مع اپنی بیوی کے رہ گئے تھے۔

عیینہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا وہ غفاری کے پاس آیا اور اسے دھوکہ سے قتل کر کے اس کی بیوی کو پکڑ کر مسلمانوں کے سارے اونٹ جمع کر کے لے چلا۔ جب وہ چراگاہوں سے نکلا تو عمرو بن الاکوع نے دیکھ لیا۔!

اس نے کہا کہ عیینہ! کیا تم مسلمانوں کے احسان کا معاوضہ دے رہے ہو۔ کہ ان کے اونٹ لے جا رہے ہو۔

عیینہ نے کہا۔ کہ سنو عمرو کوئی غیر مسلم کبھی مسلمانوں کا زیر بار احسان نہیں ہو سکتا

بھی موقع پائے گا تم اور تمہاری قوم کو نقصان پہنچانے سے نہ چوکے گا۔ مدینہ چراگاہیں ہماری تھیں۔ تم نے زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔

ہم نے تمہیں اور تمہارے نبی کو دھوکے کہ ایک سال تک ان چراگاہوں سے ائدہ اٹھایا۔ اب اونٹوں کو لیجا رہا ہوں۔ تم ہمارا تعاقب نہ کرنا ـــــ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

عمرو کو اس کی باتیں سن کر بڑا غصہ آیا۔ لیکن وہ تنہا تھے اور عیینہ کے ساتھ سوا سو کفار تھے۔ وہ ان کا مقابلہ کسی طرح سے بھی نہ کر سکتے تھے۔ مگر غصہ کو ضبط کر سکے۔ کڑک کر بولے۔

احسان فراموش! عیینہ تجھے اس دغابازی کی سزا دی جائے گی۔ عیینہ نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔ اور شاید اس غفاری عورت کو لے جانے کی بھی۔

ابتک عمرو بن الاکوع نے اس عورت کو نہیں دیکھا تھا۔ عورت بندھی ہوئی تھی۔ اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ عمرو یہ دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور انہوں نے فرمایا۔ بدمعاش۔ ظالم اس عورت کا بھی انتقام لیا جائے گا۔

عیینہ پھر ہنسا اور اس نے کہا۔ اور شاید تم اس عورت کے شوہر کا بھی انتقام تو لوگے اس کو میں ابھی ابھی قتل کر کے آیا ہوں

اب عمرو جوش و غضب سے کانپنے لگا۔ انھوں نے فرمایا اور دغاباز کمینے۔ جفاکار۔ سفلہ گیا تو ایک مسلمان کو شہید کر آیا ہے۔ خدا کی قسم اس کا بھی تم سے انتقام لیا جائے گا۔ عیینہ عیارانہ تبسم سے مسکراتے ہوئے چلا گیا۔ عمرو تیز قدمی سے چلے مدینہ میں پہنچے۔ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں باریاب ہو کر بولے۔ آہ۔ حضور اکرم دغاباز اور مکار عیینہ نے ہمارے احسانات کا یہ معاوضہ دیا ہے۔ کہ بنو غفار کے ایک شخص کو شہید کر کے اور اس کی بیوی کو اسیر کر کے مسلمانوں کے تمام اونٹ کو لیکر چلا گیا۔

آنحضور صلعم کو اس خبر کو سنتے ہی پہلے تو بڑا غصہ آیا۔ پھر رنج ہوا۔ فوراً اٹھے جسقدر صحابہ کرام آپ کے پاس موجود تھے۔ وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور مسجد سے نکلے۔ اونٹ پر سوار ہوئے اور صحابہ کرام عیینہ کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ آپ روانگی کے بعد مقداد بن الاسود۔ عباد بن انبقر۔ سعد بن الزید ـــــ عکاشہ بن محصن

محرز بن فضلہ۔ ابو قتادہ وغیرہم بھی روانہ ہوئے۔ اور آنحضور سے جا ملے۔ اسلمہ بن عمرو تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوئے۔

وہ عیینہ کی اس حرکت سے سخت خشمناک ہو رہے تھے اس وجہ سے نہایت تیزی سے اونٹ دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ آنحضور صلعم جب تعاقب کرتے ہوئے چشمہ ذو قرد پر پہنچے۔ تو آپ نے سعد بن الزید کو سردار مقرر کر کے صحابہ کرام کی جماعت کو عیینہ کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ اور خود چشمہ کے کنارے پر مقیم ہو گئے۔

اگرچہ عیینہ نہایت تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ اور وہ حدود مدینہ سے باہر نکل کر اپنی حدود میں پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن اسلمہ بن عمرو اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ لہذا انہوں نے دور ہی سے ڈپٹ کر کہا بزدل، مکار۔ دغاباز ٹھہر، کہاں بھاگا جاتا ہے۔

عیینہ نے پلٹ کر دیکھا اسلمہ تنہا اونٹ بھگائے چلے آ رہے تھے۔ لہذا اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

ٹھہرو۔ صرف ایک شخص چلا آ رہا ہے۔ اسے بھی کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔

اس کے تمام آدمی رک گئے۔ البتہ پانچ یا سات آدمی اونٹوں کو برابر ہانکتے چلے گئے۔

اسلمہ عیینہ اور اس کے ہمراہیوں کے قریب پہنچے وہ قدرے جوش اور طیش میں بھرے ہوئے تھے۔ کہ بغیر اس بات کا خیال کئے ہوئے کہ دشمن ایک سو بیس کے قریب ہیں۔ فوراً اونٹ سے اتر کر ان کے مقابلے میں جا ڈٹے۔ عیینہ نے تلوار نکالی۔ اور اس کے ہمراہیوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔

اسلمہ نے بھی تلوار کھینچی اور بغیر کسی قسم کے خوف اور جھجک کے عیینہ پر حملہ کر دیا۔ عیینہ ان کی جسارت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اتنے میں کہ اس کی حیرت دور ہو اسلمہ کی تلوار عیینہ کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ عیینہ اسلمہ کی برق دوش تلوار اور اس کی چکا چوند پیدا کر دینے والی دھار دیکھ کر گھبرا گیا اس نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی۔

لیکن ڈھال سامنے آنے سے پہلے تلوار اس کے کاندھے پر پڑی اور ریشے قطع کرتے ہوئے ہڈی کے پاس رکی۔

عیینہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ بزدل تھا۔ موت کے خوف سے گھبرا گیا۔

پنے ہمراہیوں کے بیچ میں جا گھسا۔

اس کے کندھے کے زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا تھا۔ خون کو نکلتے ہوئے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔

اس کے مقابلہ سے ہٹتے ہی کئی کافروں نے بڑھ کر اسلمہ پر حملے کیے۔ اسلمہ بڑی پھرتی اور چابک دستی سے پینترے بدل بدل کر حملے روکے۔ اور خود بھی جھپٹ جھپٹ کر حملے کیے۔

پہلے ہی حملہ میں ایک کافر کا سر اڑا دیا۔ ابھی اس کا لاشہ گرنے بھی نہ پایا تھا دوسرے پر اچھل کر وار کیا۔ اس کا سر بھی اڑ گیا۔ اور لاشہ گر کر تڑپنے لگا۔ گویا بچشم زدن میں کفار کے دو آدمی مارے گئے۔

انھیں بڑا طیش آیا۔ وہ غصہ میں بھر کر اسلمہ پر حملہ آور ہوئے۔ تلواریں لگلگاتی ناگنوں کی طرح سے زبانیں نکالتی ہوئی بڑھیں۔

اسلمہ کے لیے یہ نہایت نازک موقع تھا۔ خون کے پیاسے دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے تھے۔

یہ موقع ایسا نازک تھا کہ مستقل سے مستقل مزاج انسان۔ بہادر سے بہادر نیاز بھی گھبرا جاتا۔ لیکن اسلمہ نہ گھبرائے۔ بلکہ بڑے اطمینان اور بڑی پھرتی سے ان کے وار روکتے ہوئے ان کے نرغہ سے باہر نکل آئے اور باہر نکلتے ہی اچھل کر ایک کافر پر جا پڑے۔

دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ پہلے آدمی کی کمر میں ایسا جھٹکا آیا جیسے کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ وہ نیم مردہ ہو کر گرا۔ اور دوسرے کی آدھی گردن کٹ کر لٹک گئی کفار آپ کی یہ جرأت و دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔

وہ سمجھتے تھے کہ صرف ایک شخص ہی ان کے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اسے گھیر کر مار ڈالنا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔

لیکن جب مقابلہ ہوا تو ان کے تین آدمی قتل ہو گئے۔ اور ایک آدمی کمر میں جھٹکا آنے سے ناکارہ ہو گیا۔ تو ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ سمجھ گئے کہ مسلمان جب کہ غضبناک ہوتا ہے غصہ میں بھر جاتا ہے تو اس میں شیر سے زیادہ قوت آ جاتی ہے اور وہ غیر مسلموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالتا ہے

عینیہ کے شانے سے اب بھی خون نکل نکل کر بہہ رہا تھا۔ اور جس کا چہرہ زرد اور ہونٹ خشک ہوتے چلے جا رہے تھے۔ مگر لہنے کی آواز میں بولا۔ لوگو اس قاتل کو جلدی ٹھکانے لگا دو۔

اسے کیا خبر تھی کہ اس کے ساتھی۔ اسلمہ کو موت کا فرشتہ سمجھنے لگے ہیں۔ اور ان کے سامنے جاتے یا ان پر حملہ کرتے ہوئے ان کی جان نکلتی ہے۔

اسلمہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئی تھیں۔ کچھ دیر تک تو انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کفار ان پر حملہ کریں۔

مگر کافروں کو اتنی ہمت کہاں تھی۔ جب کفار حملہ آور نہ ہوئے۔ تو اسلمہ خود ہی جھپٹے۔ اور اپنی برق وش تلوار کو ہلاتے ہوئے ان پر جا ٹوٹے۔

کفار انھیں حملہ کرتے دیکھ کر دب گئے۔ چند قدم پیچھے ہٹے اسلمہ نے بڑھ کر ایک مشرک پر بھرپور ہاتھ مارا۔

ان کی تلوار اس کا سر اڑا کر خون اگلتی ہوئی اٹھی۔ وہ دو چند قدم پیچھے ہٹے اور حیرت انگیز پھرتی سے داہنی طرف کود ے۔ جوش میں آکر ایک اور شخص پر حملہ کیا اور جلدی سے اس کا سر اڑا کر پیچھے ہٹے۔

کفار کچھ سہمے۔ کچھ حیران ہوئے۔ اور قدرے جھجکتے ہوئے پیچھے ہٹے۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گئے۔

اپنی بزدلی پر برہم ہوتے بڑھے۔ اور ایک وسیع دائرہ بناتے ہوئے اسلمہ کے چاروں طرف چھا گئے۔

اسلمہ کے چہرہ سے اب بھی خوف وہراس کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ وہ گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے۔ اس بات کے منتظر ہوئے کہ کس طرف سے ان پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ابھی کفار نے ان پر حملہ نہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت آپہنچ گئی۔ انہوں نے دور ہی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کفار کو روک دلوں میں تہلکہ ڈال دیا لیکن جب مسلمان اس میدان میں پہنچے تو عین اسی وقت عینیہ کی بھی کمک آگئی۔

سینکڑوں مشرک اس کی مدد کیلئے آگئے۔ عینیہ نے پہلے ہی سے تمام انتظامات وغیرہ کر لئے تھے۔

دونوں لشکر جب آمنے سامنے ہوئے تو صاف وشفاف تلواریں میانوں سے نکل

کر بلند ہوئیں، اور انسانوں کے سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔

جنگ شروع ہو گئی۔ ہر فریق نہایت جوش اور بڑی دلیری سے جنگ کرنے لگا۔ سر فروش کٹ کٹ گرنے لگے۔ گویا خون کا دریا بہنے لگا۔

مسلمان کم تھے اور کفار زیادہ تھے۔ پھر تھوڑا فرق نہ تھا۔ بلکہ ایک اور چار کی نسبت تھی۔ یعنی مسلمان کفار کا ¼ تھے۔ لیکن اس جوش اور پھرتی سے لڑ رہے تھے کہ کفار ورطۂ حیرت میں غرق ہو کر رہ گئے۔

ہر مسلمان بڑی چابک دستی سے اِدھر اُدھر اچھل کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں کم از کم ایک کافر کو قتل کر ڈالتا تھا۔

اگرچہ مشرکین بھی بڑی جرات اور نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن جو جوش اور جو پھرتی اور دلیری مسلمانوں میں تھی۔ اس کا عشر عشیر بھی ان میں نہ تھا۔ ایک ہی گھنٹہ کی جنگ میں کفار کے تقریباً ساٹھ ستر آدمی مجروح اور قتل ہو کر گر پڑے

مسلمانوں میں مجروح تو کئی ہوئے لیکن شہید ایک بھی نہ ہوئے۔ جو مسلمان مجروح ہو گئے تھے وہ انتقام کے جوش میں اور بھی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کی چلتی تلواروں نے کفار کے پرخچے اڑا دیئے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور خون کی ندیاں بہا دیں

یہ کیفیت دیکھ کر کفار میں سراسیمگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر بڑے جوش سے حملہ کیا۔ کئی مشرک قتل ہو کر گرے۔ بقیۃ السیف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عینیہ بھی بھاگا۔

مسلمانوں نے انکا تعاقب کیا۔ بھاگتے بھاگتے کئی ایک کو تہ تیغ کر ڈالے۔ بالآخر جب وہ دور نکل گئے تو مسلمان لوٹ آئے۔ اور واپس آکر کفار کی نعشوں کو ٹھکانے لگائے۔

اس جگہ سے پھر انکے اونٹوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور واپس آ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عینیہ کے ساتھ اس کے سینکڑوں اونٹ تھے۔ مسلمانوں نے ان اونٹوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

جب وہ چشمہ ذو قرد پر آئے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فتح پر مبارکباد دی۔ اور ایک اونٹ ذبح کر کے پکایا۔ اور کھانا کھا کر آرام فرمایا۔ دوسرے روز یہ مختصر لشکر باسلامی دستہ مال غنیمت لیکر فاتحانہ جاہ و جلال سے مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہوا۔

---

(۱۲) بارھواں باب
میثاق

کفار کی ریشہ دوانیاں مسلمانوں کو آرام و اطمینان سے نہ بیٹھنے دیتی تھیں۔ صرف مشرکین ہی مسلمانوں کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ یہودی سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ انھوں نے آنحضور صلعم کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بروقت حضورؐ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اور آپ ان کے پھندے سے نکل آئے۔ مسلمانوں کی ترقی دیکھ دیکھ کر مشرکین یہودی، عیسائی، زرتشتی اور مہ آبادی غرضیکہ سبھی رشک و حسد کی آگ سے جلے جا رہے تھے۔ اور ان کو خوف و رجا کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کو ہر معرکہ میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے ان کے خطرات اور بڑھ گئے تھے۔ اور تمام مذاہب اسلام کے خلاف متحد و متفق ہو کر مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ نظر آنے لگے تھے۔ ایک عجیب بات تھی۔ کہ جس قدر مسلمان سختیاں برداشت کر رہے تھے جس قدر انکی بیخکنی کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسی قدر وہ اور پکے ہوتے جاتے تھے۔ اور سعید روحیں اسلام کی طرف کھنچی چلی جاتی تھیں۔

اسلام ایسے لوگوں سے شروع ہوا جنھیں کوئی قوت نہ تھی۔ جو اپنے ہمسایوں سے ڈرتے تھے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ قوت بڑھنا شروع ہوئی اور اب وہ طاقتور ہو گئے تھے کہ کفار شوکت و سطوت کو خیال میں نہ لاتے تھے۔ کفار کو جو اسلام سے خطرہ تھا۔ وہ سامنے آیا۔

بت پرستی آہستہ آہستہ زمین عرب سے معدوم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اور توحید پرستی کا غلغلہ شروع ہو گیا تھا۔ گویا کفر کی تیرگی اسلام کی ضیا بار شعاعوں سے چھٹتی چلی جا رہی تھی۔ چونکہ اب مسلمانوں کی قوت و شوکت بڑھنے لگی تھی۔ اس لئے آنحضور صلعم نے حبش کے ان مہاجرین کو آغاز اسلام میں حبش میں جلا وطن ہو کر چلے گئے تھے بلانا چاہا۔ آپ نے عمرو بن امیہ کو حبش جانے اور مہاجرین کو اپنے ہمراہ لانے کا حکم دیا۔ عمرو تیار ہو گئے یا سمجھو کہ ہر مسلمان ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ کہ ضرورت کے وقت جو کام چاہے لے لیا جائے اس لئے عمروؓ بھی پہلے ہی سے تیار تھے۔ اور حکم ہوتے ہی

روانگی پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ وہ شاہ حبش کے نام ایک خط لکھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جھلی دار کاغذ اور قلم دوات لے کر آ گئے حضور اکرمؐ امی تھے۔ لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے جو کچھ آپ کو لکھوانا ہوتا تھا۔ کسی خواندہ صحابی سے لکھوا لیتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ نے لکھنا اور آنحضرت صلعم نے لکھوانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ۔ شروع ہے اس خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنیوالا ہے۔

یہ نامہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

اصحمہ نجاشی حبش کے نام پر ہے تم پر سلامتی ہو"

میں تعریف کرتا ہوں اس اللہ کی جو کائنات کا خالق ہے۔ مالک القدوس ہے مومن یعنی ایمان عطا کرنے والا ہے۔ جس سے کسی کا ذرہ بھر حال پوشیدہ نہیں ہے وہ اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے۔ جو غیب کا حال جانتا ہے۔

اے بادشاہ! خداوند قدوس نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ مریمؑ کے بیٹےؑ اور خدا کے بندہ تھے۔ خدا کے حکم سے بی بی مریمؑ حاملہ ہوئیں اور جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بغیر ماں کے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا تھا اسی طرح سے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ خدا کے نزدیک آسان ترین بات ہے جب اس نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ تو کیا وہ کسی کو بغیر ماں یا بغیر باپ کے پیدا نہیں کر سکتا۔

اے بادشاہ! جب خدا قادر مطلق ہے۔ تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندہ اور رسول تھے۔ خدا کے بیٹے نہیں تھے۔ نہ خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ اور نہ خدا کو بیٹے کی ضرورت ہے۔ اے بادشاہ! خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میری یہ تعلیم ہے کہ اس خدا پر جو اکیلا ہے۔ جس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ ایمان لاؤ۔

یہ خط عربی میں تھا۔ ہم نے ترجمہ پیش کیا ہے مختلف تاریخوں میں مرقوم و محفوظ ہے۔ یہ سب سے پہلا خط تھا۔ جو ایک عیسائی بادشاہ کے نام روانہ کیا تھا۔

(صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

بری اور بے حیائی کی باتیں مثلاً چوری۔ زنا۔ غیبت۔ خیانت۔ اتہام لگانا اور بد اخلاقی کرنا نیز جس قدر دیگر بُرے تمام کام ہیں۔ سب چھوڑ دو اور خدا کی عبادت کرو۔ نیکی کی ترغیب دو۔ اتفاق سے رہو۔ ملک میں فساد نہ کرو۔ لوگوں پر رحم کرو۔ ہمسایوں کو نہ ستاؤ۔ اور جس قدر اچھے کام ہیں، انھیں کرو۔

اے بادشاہ! میں تمکو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔ میری اتباع کرو۔ سچے دل سے میری تعلیم کا اقرار کرو۔ میری رسالت مانو۔ کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کتاب (قرآن مجید) مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا ہے۔ ارسلنٰک رحمۃ اللعالمین اے نبی کریم ہم نے تمہیں دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اے بادشاہ! میں مشکور ہوں۔ کہ تم نے میرے چچیرے بھائی جعفرؓ طیار اور مسلمانوں کی مصیبت زدہ جماعت کو اپنے ملک میں ٹھہرایا۔ اور انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی آخر میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے پیغام حق تمہارے پاس پہونچا دیا۔ جو مجھ پر فرض تھا۔ اب تم اپنا فرض ادا کرو۔ میری نصیحت مانو۔ مسلمان ہو جاؤ۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے۔

یہ خط لکھکر آنحضور صلعم نے اپنی مہر لگائی۔ اور حضرت عمروؓ کو روانہ کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ عرب دنیا و جہان سے الگ ایک غیر آباد ریگستان میں رہتے سہتے تھے۔ تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے۔

نہ کبھی کسی بادشاہ کے حضور میں گئے تھے نہ آداب شاہی سے واقف تھے۔ لیکن اسلام نے ان پر ایسا رنگ چڑھا دیا تھا کہ متمدن اور مہذب بن گئے تھے جاننے لگے تھے۔ کہ کس کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔

یہ آنحضور صلعم کی تعلیم کا اثر تھا۔ گویا عربوں میں متمدن اور مہذب بننے کی صلاحیت تو تھی لیکن اس کا موقعہ ہنوز نہ آیا تھا۔ اور اب جب موقعہ آیا۔ تو بادیہ نشین اور غیر مہذب گنوار عرب بڑے شائستہ اور مہذب بن گئے تھے۔

عمروؓ کے روانہ ہونے کے بعد آنحضور صلعم نے ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ صحابہ کرام

کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اگرچہ آنحضور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آ گئے تھے پانچ سال ہجرت کو گذر چکے تھے۔ اس عرصہ میں کسی مسلمان کو بھی مکہ میں جانے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ لیکن زیارت حرم کی آرزو سب کو تھی۔

اس خواب نے طواف کعبہ کی تحریک پیدا کر دی۔ آپ نے عمرہ یعنی زیارت کعبہ کا عزم کر لیا تھا۔ اور صحابہ کو مکہ چلنے کے لئے تیاری کا حکم دیدیا۔

یہ فرمان سنکر مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی انھوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ آپ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ کو رخصت کرنے کے لئے قریب قریب سارا مدینہ امڈ آیا اور مشکورانہ نظروں سے سب نے آپ کو رخصت کیا۔ مسلمانوں کو خدا کے رسول کے ساتھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ دو چار دن کی جدائی بھی شاق گزرتی تھی۔

ہر مسلمان آپ پر پروانہ وار فدا تھا۔ گویا آنحضور صلعم شمع رسالت اور مسلمان اس شمع کے پروانے تھے۔

آنحضور صلعم نے مدینہ ہی میں احرام باندھ لیا تھا۔ اور قربانی کے ستر اونٹ قافلہ سے آگے روانہ کر دیئے تھے۔ تاکہ دیکھنے والے دور ہی سے سمجھ لیں کہ مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں آ رہے ہیں۔

یہ شاندار قافلہ نہایت شان و شوکت سے روانہ ہوا مشرکین اس قافلہ کو دیکھکر ڈر گئے۔ انھوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ مسلمان مکہ میں اہل قریش سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں۔ اس خیال نے اس خود ساختہ خبر کو برقی پر لگا کر اطراف ملک میں پہنچا دیا۔ اور سارے ملک میں اضطراب و بیچینی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بیم و رجا کی لہریں اٹھنے لگیں۔ مکہ میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔

اہل مکہ کو بڑا اضطراب ہوا۔ انھوں نے فوراً اطراف و جوانب میں قاصد دوڑا دوڑا کر جمعیت فراہم کرنا شروع کر دی۔ جب زائرین کا قافلہ ذی الحلیفہ میں پہنچا تو آنحضور صلعم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو احتیاطاً بحیثیت جاسوس قریش کے ارادوں کی خبر معلوم کرنے کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔ اور خود آہستہ آہستہ سفر جاری رکھا۔

جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو خزاعی جاسوس مکہ سے واپس آکر باریاب ہوا۔ اس نے بتایا۔ کہ قریش مکہ اور دوسرے تمام مشرکین یہ سمجھ رہے ہیں کہ جب مسلمان جنگ کرنے کے ارادہ سے آرہے ہیں اس لئے انہوں نے مقابلہ کرنے کیلئے نہایت زبردست جمعیت فراہم کرلی ہے۔

آنحضور صلعم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ سب سے پہلے صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ اگرچہ ہم لوگ محض عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے لیکن اگر کوئی شخص یا کوئی خاندان یا قبیلہ یا کوئی قوم ہمارے اور بیت اللہ شریف کے درمیان حائل ہونا چاہے یا ہمیں روکنے یا باز رکھنے کے درپے ہو تو ہمکو ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ بے شک اگر ایسا ہوا تو ہمکو فوراً احرام کھول کر جنگ شروع کر دینا چاہئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ دنیا میں کسی شخص کو کعبۃ اللہ کی زیارت سے روکنے کا کسی فرد کو بھی حق نہیں ہے۔ اگر قریش ایسا کریں گے تو ہم زندگی کے آخری سانس تک لڑیں گے۔ دیگر تمام صحابہ کرام نے بھی یہی رائے دی۔ آپ نے قافلہ کو بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ مکہ کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید سواروں کا ایک دستہ لیکر مقام کراع الغمیم پر مقابلہ کے لئے آگئے ہیں۔

آنحضور صلعم نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ اور کسی قدر داہنی جانب کترا کر شروع سفر کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ کفار اس قافلہ کی نقل و حرکت سے باخبر نہ ہوسکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زائرین کا یہ قافلہ اچانک کراع الغمیم تک جا پہنچا۔ خالد بن ولید مسلمانوں کی یکایک آمد سے سراسیمہ ہوگئے۔ وہ معہ اپنے سواروں کے دستہ کے بڑی بدحواسی سے بھاگے اور سیدھے مکہ میں جاکر دم لیا۔ اور مسلمانوں کی اچانک آنے کا حال کچھ اس انداز سے بیان کیا کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی۔

زائرین کا قافلہ برابر چلتا رہا یہانتک کہ وہ اس پہاڑی تک پہونچ گئے جسکے دوسری طرف شہر مکہ کا نواحی میدان تھا جو عہد صغر سن لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے کام آتا تھا۔ جس میں خدا جانے کتنی معصوم بچیاں آرام سے میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھیں۔

قافلہ بکشود رواں رہا یہاں تک کہ وہ مقام حدیبیہ پر پہنچا اور آنحضورؐ نے قافلہ کو یہاں اترنے کا حکم دیا۔ قافلہ رک گیا اور اونٹ بٹھا دیئے گئے تو سامان اتارا گیا اور ——

خیمے نصب کئے جانے لگے۔

اب مسلمان کنوئیں کی طرف چلے تاکہ وضو کر کے سب سے پہلے نماز ادا کر لیا ئے کنوئیں میں پانی کم تھا۔ اور ذرا سی دیر کے بعد ختم ہو گیا۔

لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوئی۔ اور آنحضور صلعم سے شکوہ کیا گیا۔ آپؐ نے ترکش سے ایک تیر نکالکر حضرت براء بن عازبؓ کو دیا۔ اور کہا کہ اس تیر کو کنوئیں میں ڈال دو۔

حضرت براءؓ نے تیر لیکر اسے بوسہ دیا اور کنوئیں میں جا کر ڈال دیا۔ تیر گرتے ہی پانی نے جوش مارا اس قدر جوش کہ پانی ابل کر کنوئیں سے باہر آنے لگا۔ مسلمان اس معجزہ کو دیکھ حیران رہ گئے۔

سب نے اطمینان سے پانی صرف کرنا شروع کر دیا۔ جتنا پانی لیتے تھے اتنا ہی پھر آموجود ہوتا تھا۔ آپکے قیام کے دوسرے دن قریش مکہ کی طرف سے بدیل بن ورقہ آنحضور صلعم کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ اور آنحضورؐ سے دریافت کیا۔

اے مسلمانوں کے ہادی! آپ مکہ میں کس ارادہ سے آئے ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ کیا تم نے اونٹوں کی قطار نہیں دیکھی؟ کیا تم نے نہیں سمجھا کہ وہ اونٹ قربانی کے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش سمجھ رہے ہیں کہ ہم لڑائی کے ارادہ سے آئے ہیں۔

یہ بالکل غلط ہے! ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ قربانی کے اونٹ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔ البتہ ... اگر ہم کو حج کرنے سے روکا گیا۔ تو پھر لڑائی لازمی ہے۔ لیکن اس جنگ کی ذمہ داری مزاحمت کرنے والوں پر ہوگی

بدیل یہ سنکر لاجواب ہو گئے۔ ان کی تسلی ہو گئی۔ وہ مکہ میں واپس آئے اور انھوں نے سب سے کہدیا۔ کہ اضطراب و خوف فضول ہے۔ مسلمان لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے۔ بلکہ حج کی نیت سے آئے ہیں۔

قریش کے سمجھدار با اعتدال پسند لوگوں نے کہا۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ مسلمان حج کر کے واپس چلے جائیں۔ لیکن واقعہ پسند یا انتہا پسند و ہیر پرست لوگ بولے ہم مسلمانوں کو حج بیت اللہ کے لئے بھی نہیں آنے دیں گے۔

بدیل کے کہنے سے اہل مکہ کی کچھ تشفی ہوئی۔ انھیں جو خوف اور اندیشہ تھا۔ وہ تو باقی

رہا۔ انھوں نے جلیس بن علمہ کو جو کنانی قبائل احابیش کا سردار اعظم تھا۔ قاصد بنا کر حال معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا۔

جب وہ مکہ سے باہر آیا۔ اور اس نے قربانی کے اونٹوں کی ایک لمبی قطار دیکھی تو راستہ ہی سے واپس لوٹ آیا اور کہنے لگا۔ تم لوگ فضول ہی ڈر رہے ہو مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ محض حج کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔

ایک شخص نے پوچھا کیا آپ مسلمانوں سے ملے تھے۔

جلیس نے کہا۔ تم بھی بیوقوف ہو۔ جب میں نے مسلمانوں کو احرام باندھے ہوئے اور قربانی کے اونٹوں کی قطار دیکھی۔ پھر مسلمانوں سے پوچھنے کیلئے کیا جاتا۔ لہذا ظاہر ہے کہ وہ لوگ حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔

ابوسفیان نے بگڑتے ہوئے کہا۔ تم جنگلی آدمی ہو۔ ان باتوں کو نہیں جانتے۔ اگر مسلمان حج کے ارادہ سے بھی آئے ہیں۔ تب بھی ہم انھیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے

جلیس کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا اور اس نے غضبناک ہو کر کہا۔

اگر تم مسلمانوں کو روکو گے تو میں اپنے قبیلہ کے تمام آدمیوں کو لیکر تم سے لڑونگا

ابوسفیان خوب جانتا تھا۔ کہ جلیس جو کہتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ اسے خدشہ ہوا کہ کنانی سردار کہیں بگڑ کر مسلمانوں سے جا ملے۔ اس لئے اس نے چاپلوسی کے لہجہ میں کہا۔

جلیس تم بھی مذاق میں بگڑ گئے۔ کیا میں نہیں جانتا تم کنانی قبائل احابیش کے سردار اعظم ہو۔ کافی جمعیت اپنے ساتھ رکھتے ہو۔ تمام عرب میں ذی عزت ہو۔ تمہاری شان میں کون گستاخی کر سکتا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ ہماری بے عزتی ہو۔ ہمارے معبودوں کی توہین ہو۔ ہمارے مذہب کی تذلیل ہو۔ ہم بزدل اور ڈرپوک مشہور ہو جائیں۔ تو تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس جاؤ۔ اور انھیں اپنے ساتھ مکہ میں لے آؤ۔ تمہاری وجہ سے کوئی شخص بھی انھیں حسد کی نظروں سے نہ دیکھے گا۔

جلیس نے کہا میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کسی کی توہین و تذلیل ہو مگر ایسی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا چاہتے تو نہ ہونے دو مگر کسی کو ڈرکا

اور جنگ کی کھکر توہین نہ کرو۔
ابوسفیان نے کہا۔ واقعی مجھسے غلطی ہوئی۔ لہذا مجھے معاف کر دو۔
جلیس نے کہا۔ اب مجھے کوئی شکوہ نہیں رہا۔
دونوں نے ہاتھ ملایا۔ اور صلح صفائی کرکے اپنے اپنے راستہ چلے گئے کفار قریش نے یہ تہیہ کر لیا تھا۔ کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہ گھسنے دیں گے
اگرچہ ان کی سخت جمعیت خاص حرم کے اندر موجود تھی لیکن وہ جانتے تھے کہ مسلمان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے مکہ سے باہر نکل کر مجاہدین اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔
آنحضور صلعم نے اپنے آنے کی غرض وغایت واضح طور پر سمجھانے کے لئے حضرت خراش ابن امیہ خزاعی کو ثعلب نامی اونٹ دیکر قریش مکہ کے پاس روانہ کیا۔
اگرچہ مکہ کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔
ہر شخص جانتا تھا کہ قریش کے بھیڑیے مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ مگر خراش رضہ نے کسی خدشہ وبیم کی پرواہ نہ کی اور بے دھڑک مکہ میں جا داخل ہوئے اور سیدھے ابوسفیان کے پاس پہونچے۔
اس وقت ابوسفیان اپنے مکان کے پاس ہی سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس عکرمہ خالد۔ عمرو بن العاص۔ اور چند دیگر سربر آوردہ لوگ بیٹھے تھے۔ خراش رضہ اونٹ سے اتر کر ان کے پاس پہونچے اور بلند آواز سے بولے۔
اے اہل قریش! میں حضرت محمد صلعم رسول خدا کا قاصد ہوں اور آپکو یہ بتانے کے لئے آیا ہوں۔ کہ ہم مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ محض زیارت کعبہ سے مشرف ہونے اور قربانی ادا کرنے کے لئے آئے ہیں
ایام حج میں کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ادائگی فریضہ حج سے باز رکھ سکے۔ عربوں کا یہ پرانا قانون ہے۔ اور ابھی تک اسپر عملدرآمد ہوتا ہے اس لئے ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری مزاحمت نہ کریں گے اور ہمکو حج کر لینے دیں گے۔
عکرمہ نے کہا۔ لیکن اگر ہم حج نہ کرنے دیں؟
خراش رضہ نے قطع کلام کرتے ہوئے دلیرانہ انداز سے جواب دیا۔ تب ہم لڑینگے

اور تم سب کو قتل کر کے کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔

یہ اہل مکہ کی ایسی توہین تھی جو آج تک کسی نے نہ کی تھی۔ لہٰذا اہل قریش حضرت خراش رضی اللہ عنہ کی صاف گوئی اور دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔ واقعی یہ حیرتناک بات بھی، خراش تنہا تھے۔ دشمنوں کے گھر میں تھے۔ درندہ صفت انسانوں کے سامنے تھے۔ جانتے تھے کہ وہ ذرا سی بات سے ناخوش ہو کر قتل کر ڈالیں گے لیکن موت کے خوف نے کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رکھا۔

چند لمحہ کے بعد عکرمہ نے کہا۔ او دریدہ دہن مسلم! تم ہم کو ڈرانے آیا ہے۔ یاد رکھ تیری زندگی اور موت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے لاپرواہی کے ساتھ کہا۔ تم غلط کہتے ہو۔ موت اور زندگی خدا کے قبضہ اختیار میں ہے۔ تم بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتے۔ مشرک خدا کا نام سن کر بھڑک اٹھے۔

ان میں سے کئی آدمی اٹھے۔ انھوں نے پہلے ثعلب نامی اونٹ کو ذبح کر ڈالا۔ اور پھر حضرت خراش رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے۔

حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی۔ اور جوش و غضب میں بھر کر کہا۔ کتو! تم قاصد پر حملہ کرتے ہو؟ اگر تم میں حمیت باقی نہیں رہی ہے اور عمل جنگ بھڑکانا چاہتے ہو۔ آؤ لڑو۔ لیکن یاد رکھو میں جس قوم کا قاصد ہوں وہ آندھی کی طرح تم پر ٹوٹ پڑے گی۔ اور تم سب کو قتل کر ڈالے گی۔

میرے خون کے قطرے تم اور تمہاری قوم کے لئے پیغام اجل ثابت ہوں گے حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو شمشیر بکف دیکھ کر کفار کا جوش ہنڈیا کے ابال کی طرح سے دب گیا۔ حلیس بھی اس مجلس میں موجود تھا اور اس نے کہا۔

اے اہل قریش! یہ کیا بے آئینی ہے کسی قاصد کو بزدل سے بزدل قوم بھی قتل نہیں کرتی۔ تم یہ کلنک کا ٹیکہ کیوں لیتے ہو۔ لہٰذا ہرگز تم قاصد سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو۔ اگر ہمت و جرأت ہے تو باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑو۔

عکرمہ نے کہا بے شک ہم کو قاصد کو قتل نہ کرنا چاہئے۔ اس سے ہماری قوم کو داغ لگ جائے گا۔ اے مسلمانوں کے قاصد تم واپس جا کر اپنے رسول سے کہہ دو کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز مکہ میں نہ داخل ہونے دیں گے۔

حضرت خراش نے تلوار میان میں ڈال لی۔ اور پیادہ پا واپس لوٹ کر آنحضور کی خدمت میں پہنچے۔ اور تمام واقعہ کہہ سنایا۔

آنحضور صلعم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے خیال میں کسی ایسے شخص کو اتمام حجت کے لئے روانہ فرمایئے جس کے قبیلہ کے لوگ مکہ میں زیادہ ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ بے شک یہ آخری کوشش ہے اور اسے بھی کر لینا چاہئے

آنحضور صلعم نے دریافت کیا تو پھر کس شخص کو بھیجا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ حضرت عمرؓ کو بھیج دیجئے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے جانے میں تو کوئی عذر نہیں ہے۔ مگر میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی مکہ میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے پھر کیا اثر پڑیگا۔ اگر حضرت عثمان کو بھیجا جائے تو اچھا ہو۔ کیونکہ ان کے قبیلہ بنی امیہ کے بہت سے با اثر اور طاقتور لوگ مکہ میں موجود ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ یہی مناسب ہے۔ عثمان تم جاؤ۔ اور اہل قریش کو سمجھا بجھا کر اس بات پر آمادہ کر دو کہ ہم کو حج کر لینے دیں۔

حضرت عثمانؓ نے سر اطاعت خم کیا اور اٹھ کر اپنے خیمہ پر آئے مسلح ہوئے اور چل پڑے۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے۔ تو راستہ ہی میں ابان بن سعید ان کے قبیلہ کے با اثر سردار ان سے ملے اور ان کو اپنی حمایت میں لے کر عکرمہ کے مکان پہنچے چونکہ مسلمان مکہ سے باہر خیمہ زن تھے۔ ہر وقت حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس لئے کفار ہر وقت مستعد اور مشورہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اسوقت بھی بہت سے با اثر لوگ عکرمہ کے پاس موجود تھے۔

حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے اہل مکہ یہ حج کا زمانہ ہے جنگ کا نہیں ہے۔ ہم مسلمان بھی اس زمانہ کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جسطرح سے تم کرتے ہو۔ ہم تم سب حضرت خلیل اللہ کی آل سے ہیں۔ خانہ کعبہ کو انہوں نے ہی تعمیر کیا تھا۔ اللہ کے حکم سے انہوں نے ہی اسکو رجوع خلائق بنایا۔ تمام عربی قبائل آزادانہ حج کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو بھی حق ہے کہ عمرہ ہم کریں۔ قربانی کریں۔ اور تم مزاحمت سے دست کش رہو۔

ہونے نہیں آیا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ ہم سب احرام باندھے ہوئے ہیں۔ قربانی کے اونٹ ہمارے ساتھ ہیں۔ عروہ! مناسب یہ ہے کہ تم ہماری مزاحمت نہ کرو اور ہم کو حج کر لینے دو۔

عروہ نے پھر ہاتھ پھیلایا۔ اور اتنا بڑھایا۔ کہ اس کی انگلیاں آپ کی ریش مبارک سے مس ہو گئیں اس نے کہا۔ لیکن۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے اس کی گستاخی نہ دیکھی گئی۔ انھوں نے جلدی سے تلوار کھینچ کر شمشیر کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مار کر کہا۔ تادب یا عروہ! یعنی اے عروہ ادب کر۔ عروہ باتوں کی رو میں ایسا منہمک ہو رہا تھا۔ کہ اس نے مسلمانوں کی طرف نہ دیکھا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا۔ کہ مسلمان اس گستاخی سے کسقدر برہم ہو رہے ہیں۔ جب حضرت مغیرہ نے اسے ادب کی تلقین کی تو وہ ہوشیار ہوا۔ اور اس نے مسلمانوں کی طرف دیکھا۔ تمام مسلمانوں کے چہروں سے کبیدگی اور غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

اگرچہ عروہ ڈرپوک نہ تھا۔ مگر مسلمانوں کی غضبناک صورتیں دیکھ کر قدرے خائف ہو گیا۔ اس نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر باتیں کرنا بند کر دیں۔ آنحضور نے اس سے فرمایا عروہ تم اپنی قوم میں واپس جاؤ۔ اور ان سے کہو کہ مناسب یہی ہے وہ ہم کو فریضۂ حج ادا کرنے دیں۔ یا ہم سے مصالحت کر لیں۔ اور اگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ تو مجبوراً ہمکو لڑنا پڑیگا۔ عروہ نے کہا میں سمجھاؤں گا۔ اور کل آپکو اس کا جواب مل جائے گا۔ اسکے بعد عروہ اٹھا اور سلام کر کے روانہ ہوا۔

اس نے مسلمانوں کو رسول خدا کا جو احترام کرتے دیکھا اس سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوا چنانچہ اس نے مکہ میں پہنچ کر اہل قریش سے کہا۔!

یا معشر القریش! تم جانتے ہو کہ میں سیاح جہاں گرد ہوں دنیا کے بیشتر حصہ کی سیاحت کئے ہوئے ہوں۔ ہرقلہ روم اور کاسرہ ایران کے دربار دیکھ چکا ہوں لیکن قسم ہے میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم اور اپنے لوگوں میں اس قدر محبوب اور ہر دلعزیز نہیں دیکھا جسقدر حضرت محمدؐ کو اپنے صحابہ میں پایا ہے ہر شخص ہر وقت ان پر پروانہ وار جان فدا کرنے کو تیار رہتا ہے۔ ان کے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھانے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی شخص کسی مسلمان کے سامنے ان کے بال کو بھی ہاتھ لگا سکے مناسب یہی ہے کہ ان سے صلح کر لو۔

قریش نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ بعد بحث و تمحیص کے بعد یہی قرار پایا کہ صلح
لی جائے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو کو مختار کل بنا کر بھیجا گیا۔ جب آنحضورؐ نے آتے دیکھا
صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ اب کام سہل ہو گیا ہے۔ کیونکہ سہیل بغرض صلح آیا ہے۔

چنانچہ سہیل آنحضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ جب سلام کرکے بیٹھ گیا
آنحضورؐ نے دریافت کیا۔ تم کس لئے آئے ہو سہیل؟

سہیل نے کہا میں مصالحت کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں۔ بشرطیکہ آپ ہماری
شرائط منظور فرما دیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اگر واقعی مصالحت کے لئے آئے ہو۔ تو تمہاری شرائط منظور ہیں

سہیل نے کہا میں تو صلح کے ارادہ سے آیا ہوں۔

آنحضورؐ نے فرمایا اچھا اپنی شرائط بیان کرو۔

سہیل نے کہا۔ میں پہلے یہ عرض کردوں کہ ہم اہل مکہ حضورؐ اور آپ کے ہمراہیوں
ہرگز خوفزدہ نہیں ہوئے ہیں۔ اور نہ ہم ڈر کر صلح کرنے آئے ہیں۔ بلکہ محض اسلئے
ہم اور آپ ایک ہی قوم اور ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ
آپس میں کشت و خون ہوں۔ اس لئے مصالحت پر آمادہ ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر تم آپس میں کشت و خون کرنے سے احتراز کرتے ہوتے
بدر۔ احد اور مدینہ وغیرہ پر چڑھ کر نہ آتے۔ جنگ نہ کرتے۔ اگر تم ہماری قوت سے
خائف نہ ہوتے تو ہرگز ہماری پرواہ نہ کرتے اور کبھی مصالحت کی طرف نہ جھکتے لڑتے
اس وقت تک لڑتے جب تک کہ ایک قوم کا صفایا نہ ہو جاتا۔ جھوٹ بولنے کی کیا
ضرورت ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہماری طاقت سے مرعوب ہو کر آئے ہو

سہیل نے ہنس کر کہا۔ اچھا یوں ہی سہی۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ
قوم جب تک دوسری قوم کی قوت کا اندازہ نہیں کر لیتی اپنے دعاوی سے دست
بردار ہو کر مصالحت کی طرف نہیں جھکا کرتی چنانچہ ہم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن
آپ صلح کرنا پسند کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے غصے جوش میں آکر کہا۔ اگر میرا اختیار ہوتا
میں بزدل اور مکار اہل مکہ سے کبھی صلح نہ کرتا لیکن رسول خدا ایسے حلیم اور رحیم اور
نیک دل ہیں کہ وہ تمام دیرینہ مخالفتوں اور سنگدلانہ مظالم کو نظرانداز کرکے مصالحت
آمادہ ہو گئے ہیں۔ اب کسی مسلمان کی مجال نہیں ہے۔ کہ آنحضورؐ کے سامنے چون و چرا

برا کر سکے۔

سہیل نے کہا۔ عمرؓ تم ایام جاہلیت میں بھی بڑے سخت تھے۔ اور اب بھی سخت ہو۔
آنحضورؐ نے فرمایا۔ سہیل! میرے ہمراہیوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے۔ جو صلح کا خواہشمند نہ ہو لیکن مجھے خون ریزی پسند نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ساری قوم زندہ رہے پھلے پھولے اور خدا کو پہچانے۔ اس کی عبادت کرے خیر یہ جب ہو گا جب خدا کی مرضی ہو گی۔ تم شرائط بیان کرو۔ سہیل نے شرائط بیان کرنا شروع کر دیں۔ حضورؐ اور آپکے تمام صحابہ کرام غور و توجہ سے سننے لگے سہیل نے کہا ہماری شرائط یہ ہیں۔

(۱) مسلمان اس سال عمرہ نہ کریں گے۔ اور نہ مکہ میں داخل ہوں گے۔

(۲) آیندہ سال آ کر عمرہ کر سکیں گے لیکن مکہ میں بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھ سکیں گے۔ اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر رہیں گی۔ اور تین دن سے زائد عرصہ تک مکہ میں نہ ٹھہر سکیں گے

(۳) صلح کی میعاد دس سال ہو گی اس عرصہ میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان و مال سے قطعاً تعرض نہ کرے گا۔

(۴) عرب کی ہر قوم اور ہر قبیلہ کو اختیار ہو گا۔ کہ چاہے جس فریق کے ساتھ ہم عہد ہو جائے ان ہم عہد قبائل پر بھی عہدنامہ کی جملہ شرائط قابل پابندی ہوں گی۔

(۵) دونوں فریق دیگر قبائل کو اپنا ہم عہد اور حلیف بنانے میں آزاد ہوں گے۔

(۶) اگر قریش سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا تو فوراً قریش کی جانب واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آ جائے گا۔ تو واپس نہ کیا جائیگا۔

سہیل نے کہا۔ بس یہی شرائط ہیں۔ اگر منظور ہوں تو عہدنامہ لکھوا کر دو نقلیں کروا دیجئے۔ ایک پر آپ دستخط کر کے میرے حوالے کریں اور دوسری پر میں دستخط کر کے آپ کے حوالے کر دوں۔

آنحضورؐ شرائط سن کر تبسم فرما رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو دیگر شرائط پر کوئی تعرض نہ ہوا لیکن چھٹی شرط شاق گزری۔ وہ اس خیال سے آنحضورؐ کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ آپ اس شرط پر کوئی اعتراض کرتے ہیں۔ یا نہیں مگر سرور کائنات نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ آنحضورؐ نے فرمایا سہیل مجھے تمہاری تمام شرائط منظور ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلدی سے فرمایا کہ چھٹی شرط بھی ۔ آنحضورؐ نے تبسّم
کرفرمایا۔ ہاں چھٹی شرط بھی۔ علی کرم اللہ وجہہ تم نہیں جانتے کہ یہ شرط ہمارے لئے کس قدر مفید ہو
خیر سہیل! مجھے یہ تمام شرائط منظور ہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ تم عہدنامہ لکھنا شروع کرو
رسول خدا کے اس فرمان کے بعد کسی کو چوں وچرا کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ فوراً کاغذ
قلم اور دوات منگایا گیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھنا شروع کیا۔ انھوں نے
دستاویز کی پیشانی پر لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (یعنی شروع ہے اللہ کے نام سے جو بڑا
مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

کفار خدا کے نام سے چڑھتے تھے سہیل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ ہم خدا کو
نہیں مانتے نہ رحمٰن کو مانتے ہیں۔ لہٰذا اسے کاٹ دو اور باسمک اللّٰھم یعنی شروع ہے
نام معبودوں کے ساتھ لکھو۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا ایسا ہی لکھدو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بسم اللہ کاٹ کر
باسمک اللّٰھم لکھدیا۔ یہ عہدنامہ محمد رسول اللہ اور . . . . . .

سہیل نے کہا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو
جھگڑا ہی کیا رہا۔ ہم نہ خدا کو مانتے ہیں۔ اور نہ آپکو اس کا رسول مانتے ہیں۔ پھر اس تحریر
کو کیسے جائز قرار دیا جائے۔ آنحضور نے دریافت کیا اور پھر کیا لکھنا چاہئے ہو۔

سہیل نے کہا۔ آپ کے والد کا نام آپکے نام کے ساتھ لکھنا چاہئے جیسا کہ عرب میں
قاعدہ ہے آپ اس طرح سے لکھوا دیں۔ یعنی محمدؐ بن عبداللہ۔

آنحضورؐ نے حضرت علی کرم وجہہ سے فرمایا اچھا تم رسول اللہ کا نام کاٹ کر ایسا ہی کردو۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا یا رسول اللہ یہ میرے امکان سے باہر ہے۔ کہ میں آپ کا نام
قلم زد کردوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اچھا لاؤ میں قلمزد کردوں۔

پھر آنحضورؐ نے خود محمد رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھدیا۔ اس کے بعد
حضرت علیؓ نے لکھنا شروع کیا۔ تمام شرائط لکھکر انھوں نے سہیل کو دکھایا۔ سہیل
نے پڑھکر کہا۔ ٹھیک ہے۔ اب اس کی دوسری نقل کردو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوسری نقل شروع کی ابھی یہ نقل تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک
نوجوان پریشان حال حضورؐ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ یہ نوجوان سہیل کا بیٹا ابوجندل تھا اس
کے پاؤں میں بیڑیوں کے متعدد نشانات تھے۔ اور بدن پر بھی کئی جگہ زخم تھے اکثر زخم تازہ

اور ان سے خون رِس رہا تھا۔ ابوجندل کی صورت کہہ رہی تھی کہ تختۂ مشقِ جفا بنایا گیا ہے اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ اسے قید رکھا گیا ہے۔

جسمانی ایذا پہنچائی گئی ہے اس کے سر کے بال غبار آلود اور پریشان تھے۔ چہرہ زرد آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ اس نے حضورؐ کے سامنے آتے ہی دردناک لہجہ میں کہا فریاد ہے۔ یا رسول اللہ فریاد ہے۔

آپ نے اور آپ کے تمام صحابہ نے مظلوم و ستم رسیدہ ابوجندل کو دیکھا اس کی کیفیت دیکھ کر مسلمانوں کے دل دہل گئے۔ حضورؐ نے پوچھا ابوجندل یہ تمہاری کیا کیفیت ہے؟ ابوجندل نے چشم پرنم ہو کر کہا یا رسول اللہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

میرے ہم قوم میرے ہم قبیلہ! میرے عزیز و اقارب اور میرے ماں باپ مجھ پر سختیاں کر رہے ہیں۔ تاکہ میں اسلام چھوڑ دوں۔ مرتد ہو جاؤں اے خدا کے حبیبؐ مجھے اس لئے کوڑوں سے مارا جاتا ہے کہ میں کیوں خدا کا نام لیتا ہوں میرے پاؤں میں آہنی بیڑیاں ڈالی جاتی ہیں کہ میں مسلمان کیوں ہوں۔ مجھے اس لئے تپتی ہوئی ریت پر کھڑا کیا جاتا ہے کہ میں اسلام کیوں نہیں چھوڑتا۔ اے خدا کے لاڈلے پیغمبر! اے مسلمانوں سے محبت و شفقت رکھنے والے نبی! مجھے ان درندہ صفت اور بے رحم انسانوں سے بچاؤ اور مجھے اپنے ہمراہ لے چلو!

سہیل نے غضبناک ہو کر کہا۔ کبھی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میرے بے وقوف اور ضدی بیٹے! تم کو میرے پاس رہنا ہوگا اس وقت تک رہنا ہوگا جب تک کہ تم یا تو اسلام کو چھوڑ دو یا تمہاری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔ آنحضور صلعم نے کہا ابوجندل! ہم عہدنامہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ تمہاری کچھ امداد نہیں کر سکتے لہٰذا تم اپنے باپ کے پاس۔

حضرت عمرؓ نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا لیکن حضورؐ ابھی عہدنامہ پر دستخط نہیں ہوئے ہیں۔ اور ابوجندل کی حالت کہہ رہی ہے کہ اس پر سنگدلانہ اور وحشیانہ مظالم کئے گئے ہیں۔ حضورؐ اسے وحشی اور درندہ صفت انسانوں کے ہاتھوں میں اس کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے نہ سونپیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا عمرؓ عہدنامہ پر دستخط نہیں ہوئے تو کیا ہے زبانی معاہدہ تو ہو چکا۔ اور قریش نے اسے منظور کر لیا ہے۔ ہم کو زبانی عہد کے خلاف نہیں کرنا چاہئے عہدنامہ کی ایک شرط کے موجب ہم ابوجندل کو اس کے باپ سہیل کے سپرد کرنے پر مجبور

ہیں۔ اس عرصہ میں عہدنامہ کی نقل بھی تیار ہوگئی ایک پر حضور نے اور دوسرے پر سہیل نے دستخط کئے۔ اس کارروائی کے بعد حضور نے ابوجندل سے کہا۔ ابوجندل تم صبر و خاموشی سے مظالم برداشت کرو۔ میرے خیال میں تم اس بات کو گوارہ نہ کروگے کہ خدا کا رسول بدعہدی کرے۔

ابوجندل نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ افسوس میری قسمت! لیکن حضور شاید میں آپ کی دوبارہ زیارت کرنے کے لئے زندہ نہ رہوں۔ ستمگر اہل قریش ضرور مجھے مار ڈالیں گے لیکن موت کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ حضور کو لوگ بدعہد کہیں۔ اچھا حضور سلام۔ اب سہیل اٹھ کھڑا ہوا۔ ابوجندل کو ہمراہ لے کر چلا اور چند ہی قدم چل کر نیزے کی انی سے اس کے کچوکے لگانا شروع کئے۔ مسلمان یہ کیفیت دیکھ کر تڑپ گئے۔

ابوجندل نے بلند آواز سے کہا۔ خداوند آزمائش کر۔ میری آزمائش کرے۔ میں صبر کروں گا۔ تیرا ارشاد ہے کہ تو صبر والوں کے ساتھ رہتا ہے۔ میرے بھی ساتھ رہے گا کیا میرے لئے تو حکم ہے۔ سہیل نے زور سے نیزہ مار کر کہا۔

کمبخت خدا کا نام رٹے جاتا ہے۔ ابوجندل نے کہا۔ میں زندگی کے آخری سانس تک خدا کا نام لوں گا۔ تم مجھے مار ڈالو۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ پرواہ نہیں ہے۔

سنگدل سہیل نے پھر نیزہ مارا اور ابوجندل کے جسم سے خون کا فوارہ نکلنے لگا۔ اس پر غشی طاری ہوگئی اور مخموروں کی طرح سے لڑکھڑانے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں کے دل ہل گئے۔ جذبات رحم و کرم سے سینے لبریز ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ اور قریب قریب تمام مسلمان رونے لگے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا وہ گریہ کناں آنحضور کے پاس آئے اور بولے۔

یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا لاریب میں نبی برحق ہوں۔

حضرت عمرؓ۔ کیا ہم مسلمان نہیں۔

آنحضور صلعم۔ بیشک تم مسلمان ہو۔

حضرت عمرؓ۔ کیا اہل مکہ مشرک اور کافر نہیں۔

آنحضور صلعم۔ وہ ضرور مشرک اور کافر ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ پھر ہم دین کے معاملہ میں ایسی ذلت کیوں گوارا کریں۔

آنحضور صلعم۔ اس لئے کہ یہی خدا کی مرضی ہے۔

حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ اور غم و درد بھری نظروں سے ابوجندل کو دیکھنے لگے سہیل اب بھی اس کے نیزے مار رہا تھا۔ اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے گرتا پڑتا جا رہا تھا۔

اور آپ نے فرمایا۔ افسوس ابوجندل کاش تیری جگہ میں ہوتا۔ یہ نیزے میرے چبھوئے جاتے۔ ہائے مظلوم تجھے کون ان سنگ دل وحشیوں کے ہاتھ سے بچائے۔

خدایا۔ اے پیارے خدا تو ہی ابوجندل کی امداد کر۔ اب ابوجندل نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ آنحضورؐ نے اسوقت احرام کھولے اور قربانیاں کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے قربانیاں کیں احرام کھولے۔ خط بنوائے۔ اور ایک روز حدیبیہ کے مقام پر اور قیام کر کے دوسرے روز مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

تیرھواں باب (۱۳)

یہودیوں کی شکست

مسلمانوں کی اہل مکہ سے مصالحت ہو گئی تھی۔ عہدنامہ میں بعض ایسی شرائط تھیں۔ جنکو صحابہ کرامؓ ناپسند کرتے تھے۔ چھٹی شرط میں خصوصاً وہ اپنے آپکو ہلکا ہی دیا ہوا پاتے تھے۔ محض حضورؐ کی وجہ سے انہوں نے ان شرائط کو منظور کر لیا تھا۔

اکثر مسلمان اس صلحنامے کو اپنی شکست سمجھ رہے تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتی تھی۔ عہدنامے کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی یہی سمجھتا تھا۔ کہ مسلمانوں نے اعتراف شکست کر کے مفتوح قوم کی طرح عہدنامہ لکھ دیا ہے۔ لیکن قدرت نے انسان کو حال کے واقعات پر نظر رکھنے کی عقل و سمجھ عطا کی ہے مستقبل اس کی نگاہوں سے بالکل پوشیدہ رکھا ہے۔ سچ پوچھئے تو اس میں خدا نے اپنے بندوں پر خاص عنایت کی ہے۔ کیونکہ اگر مستقبل کے واقعات انسان پر روشن ہو جایا کرتے تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ آنے والے خطرات انقلاب عظیم پیدا کر دیا کرتے۔

مسلمان اس عہدنامہ سے مایوس اور دل شکستہ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے۔ اور چونکہ وہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے آنحضورؐ کی طبع مبارک مکدر ہو جائے۔ اس لئے اپنے خیالات کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بلکہ خاموش تھے اثنائے راہ میں آنحضورؐ پر وحی نازل ہوئی۔

نزولِ وحی کے وقت آنحضور کا چہرہ اطہر سرخ ہو جاتا۔ جو صحابہ آپ کے قریب
تھے وہ دیکھکر سمجھ گئے کہ وحی نازل ہو رہی ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضور نے اطمینان کا
سانس لیا۔ اور مسکرا کر فرمایا۔

مسلمانو! مجھ پر ابھی وحی نازل ہوئی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے مکہ والوں سے
مصالحت کرنے کو فتح ظاہر کیا ہے۔ اس وقت مجھ پر سورۂ فتح کا نزول ہوا ہے۔ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ ترجمہ بیشک ہم نے فتح دی تجھ کو فتح ظاہر۔
اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم
ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم وکان اللہ بما تعملون بصیرا
ترجمہ) یعنی اور وہی ہے جس نے بند کئے تمہارے ہاتھ ان سے یعنی مکہ والوں سے اور
ان کے تم سے مکہ کی سرحد پر۔ اور تمہیں ان پر غالب کیا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسکا دیکھنے
والا ہے۔ مسلمانو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس صلحنامے سے تم ہی مکہ والوں پر غالب رہے
پھر ارشاد ہوتا ہے۔ لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین محلقین
رؤسکم و مقصرین لا تخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذلک
فتحا قریبا۔ ترجمہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم یقینا مسجد حرام میں داخل ہو
گے۔ امن و امان سے سروں کے بال کتروائے۔ اور سروں کو منڈوائے ہوئے کوئی
خوف نہ ہوگا۔ اللہ وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

مسلمانو! مبارک ہو تم عنقریب مکہ کے اندر فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگے
مسجد الحرام میں پہونچو گے۔ پھر کیسے۔ بالکل بے خوف ہو کر۔

خدا اور خدا کے رسول کا کلام سن کر تمام مسلمان مسرور و مطمئن ہو گئے۔ انکی
شکستہ دلی کافور ہو گئی۔ اور یہ خیال بھی انکے دلوں سے دور ہو گیا کہ انہوں نے شکست
یافتہ قوم کی طرح مصالحت کی ہے۔

مجاہدین اسلام تین سو کوس کا فاصلہ طے کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اہل مدینہ
ان کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور جب مسلمانوں نے سنا کہ اہل مکہ سے دس سال کے لئے
مصالحت ہو گئی ہے۔ تو وہ اور بھی خوش ہوئے کیونکہ اب انہوں نے سمجھ لیا کہ امن و اطمینان
سے رہ کر تبلیغ اسلام کا کام کریں گے۔ مگر آنحضور صلعم کو مکہ سے واپس آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ

خیبر کے یہودیوں کے حملہ آور ہونے کی خبریں آنے لگیں۔

اگر مشرکین مکہ کی طرف سے اطمینان ہوا۔ تو خیبر کے یہودیوں سے اندیشہ ہو گیا چونکہ مدینہ سے بنو نضیر اور بنو قریظہ جلا وطن ہو کر خیبر میں اقامت گزیں ہوئے تھے۔ ان یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کے آتش کدے شعلہ زن تھے۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کی فکر میں تھے۔ اس لئے پہلے تو انھوں نے مشرکین مکہ کو جنگ کی ترغیب دی۔ مگر جب انھوں نے صلح کر لی تو خود آمادۂ جنگ ہوئے۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو اپنا شریک کار کر لیا۔

جب آنحضورؐ کو ان کے ارادوں کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے بھی تیاریاں شروع کر دیں چونکہ اب اسلام کو یہودیوں ہی کا خطرہ باقی رہ گیا تھا۔ اس لئے آپ اس خطرہ کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹانے کو تیار ہو گئے۔

خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اور چونکہ یہودیوں نے مدینہ کے منافقوں کو بھی اپنا شریک بنا لیا تھا۔ اور وہی مسلمانوں کی جاسوسی کر کے انکی نقل و حرکت کی خبریں یہودیوں کو پہنچا رہے تھے۔ اس لئے یہودی دو سو میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے۔ مسلمانوں کے ذرا ذرا سے حال سے خبردار تھے۔

جبکہ مسلمان جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تو ایک روز ایک شخص آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا اور فرمایا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا۔

یا رسول اللہ میرا نام ابو بصیر ہے۔ مکہ کا رہنے والا ہوں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اہل قریش نے مجھ پر اس قدر سختیاں کی ہیں۔ کہ میں تنگ آ کر بھاگ آیا ہوں۔ اور حضورؐ سے پناہ لینے کے لئے آیا ہوں۔

آپکا چہرہ قدرے پژمردہ ہو گیا۔ آپنے فرمایا۔ ابو بصیر تم مکہ والوں کی منشاء کے خلاف یہاں آئے ہو۔ اگر انھوں نے صلحنامہ کی بنا پر تم کو طلب کیا۔ تو کیا ہو گا۔

ابو بصیر نے کہا کہ حضورؐ خدا کے لئے آپ مجھے ان کے سپرد نہ کریں۔ ورنہ وہ یقیناً مجھے مار ڈالیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ مگر ہم وفائے عہد کی وجہ سے مجبور ہیں۔

ابھی ابو بصیر خود کہنے بھی نہ پایا تھا کہ دو اعرابی حاضر ہوئے۔ ان کی شان کہہ رہی تھی۔

کہ وہ سفر کئے چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے آنحضور صلعم کے قریب آکر سلام کیا۔ اور ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

حضور ہم مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اہل قریش کے قاصد ہیں۔ یہ شخص ابوبصیر مکہ سے بھاگ آیا ہے۔ ہم اسے لینے کے لئے آئے ہیں۔ عہد نامے کے بموجب آپ اسے حوالہ کریں حوالے کریں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا ٹھہرو ہم ابوبصیر کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔

ابوبصیر کا چہرہ فق ہو گیا۔ مکہ کے قاصدوں نے کہا۔ حضور ہم کو قیام کرنے کا حکم نہیں ہے ہمیں ابھی واپس لوٹنا ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا۔ جیسی تمہاری منشا۔ ابوبصیر تم ان دونوں کے ساتھ ہی واپس جاؤ۔

ابوبصیر نے کہا حضور اکرم میں پناہ لینے کے خیال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے ان درندہ صفت وحشیوں کے سپرد نہ فرمائیے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا نہیں ابوبصیر ہم عہد نامے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اگرچہ مجھے اس بات کا سخت رنج و قلق ہے کہ میں ایک مسلمان کو کفار کی آغوش میں اس پر سختیاں کرنے کے لئے دے رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں مجبوری ہے مسلمانوں کیلئے ایفائے عہد ضروری ہے۔ لہذا تم ان کے ساتھ جاؤ۔

ابوبصیر نے آہ سرد بھری۔ اس کے چہرہ سے غم و حسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ مگر اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ فوراً مکہ کے دونوں قاصدوں کے ساتھ ہو لیا۔ حضور اس وقت تک اسے دیکھتے رہے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

ابوبصیر جانتا تھا۔ کہ مکہ میں اس کی موت اسے کشاں کشاں لئے جا رہی ہے لیکن کیا کرتا مجبوری تھی۔ ذی الحلیفہ کے مقام تک وہ زبردستی چلا آیا۔ جب اس مقام پر ان دونوں نے قیام کیا۔ اور ایک صاف مقام پر بیٹھ گئے۔ تو ابوبصیر نے قاصدوں سے دریافت کیا۔ دوستو! تم کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ پر الزام بغاوت لگا کر مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں گے کیا تم قومی حق اور انسانی ہمدردی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے آزاد کر سکتے ہو دونوں نے بگڑ کر کہا۔

ہم اور کسی مسلمان سے ہمدردی کریں بیوقوف۔ ہم تو وہ ہیں کہ اگر ہمارا قابو چلے۔

تو ہم تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ بس تیرا ایک ایک عضو کاٹ کر تجھے تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے۔ ابوبصیر نے کہا۔ اگر خدا کو یہی منظور ہے تو چارہ ہی کیا ہے۔

قاصدوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ ابوبصیر تو نے دیکھا کہ مسلمانوں نے تیری کچھ بھی مدد نہ کی۔ خود رسول خدا نے تجھے ہمارے حوالے کر دیا۔ بیوقوف جن لوگوں کے بہکاوے سے تو مسلمان ہوا۔ اپنا آبائی مذہب چھوڑا انھوں نے تجھے موت کے آغوش میں دھکیل دیا۔ کیوں نہیں تو اسلام چھوڑ دیتا۔

ابوبصیر نے کہا۔ اسلام چھوڑ دوں یہ غیر ممکن ہے۔ اسلام میری رگ و رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ آنحضور صلعم جو وعدہ جس سے کر لیتے ہیں۔ اسے پورا کرتے ہیں۔ ایفائے عہد کا انھیں بڑا خیال ہے۔ مجھے ان کی طرف سے کوئی ملال نہیں ہے نہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی شکوہ ہے۔ اسلام میں جس قدر سختیاں مجھ پر نازل ہوں گی برداشت کروں گا

قاصد بولا احمق۔ اس سے کیا فائدہ۔

ابوبصیر نے کہا محض خدا کی خوشنودی اور نجات کی آرزو مد نظر ہے

قاصد نے کہا بس تو اس کی آرزو کو سینہ میں متمکن رکھ قبر کے تاریک گوشہ میں پہنچا۔

ابوبصیر نے کہا یہی میری خواہش ہے ابوبصیر نہتے تھے۔ قاصدوں کے پاس تلواریں تھیں۔

ابوبصیر نے ایک قاصد سے کہا کیا آپ نے نئی تلوار لی ہے۔ قاصد نے کہا میں نے نہیں لی مجھے عکرمہ نے دی ہے۔ نہایت اچھی تلوار ہے۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار میان سے نکال لی۔ اور ابوبصیر کو دکھا کر کہا۔ دیکھو کیسی عمدہ تلوار ہے۔

ابوبصیر نے تلوار دیکھی۔ تعریف کی۔ دفعتاً اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ قدرت نے تلوار اس کے ہاتھ میں پہنچا دی ہے اب اس سے کام لینا اس کے اختیار میں ہے۔ اس نے جلدی سے ایک قاصد پر حملہ کیا۔ اتنے میں کہ قاصد ہوشیار ہو اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ دوسرا قاصد یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھبرا کر اٹھا بھاگا۔ اور سیدھا مدینہ کی طرف ہو لیا۔ ابوبصیر اس کے پیچھے دوڑے۔ دونوں آگے پیچھے دوڑتے ہوئے مدینہ میں پہنچے۔ بدحواس قاصد بھاگتا ہوا آنحضور صلعم کے پاس پہنچا۔ اور بلند آواز سے کہا حضور مجھے بچائیے۔

آنحضور نے قاصد کو دیکھا قاصد کے پیچھے ہی ابوبصیر شمشیر برہنہ لئے پہنچا۔ حضور نے فرمایا۔ ابوبصیر ٹھہرو۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ابوبصیر نے کہا حضور آپ نے پابندی کی کہا

کرتے ہوئے مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن میرے خدا نے پھر مجھے آزاد کر دیا۔
آنحضورؐ نے فرمایا۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔

ابو بصیر نے کہا بہت خوب میں حضورؐ سے رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ چل دیا۔ تاہم یہ تمام وکمال واقعہ مشرکین مکہ کو سنانے کے لیے مکہ روانہ ہو گیا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضور کرمؐ خیبر پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چند دنوں میں تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ حضورؐ نے سباع بن عرفطہ کو مدینے کا عامل مقرر کر کے خود پندرہ سو مجاہدین جفاکش کے ساتھ خیبر کی طرف کیا۔ اس مرتبہ اس لشکر میں دو سو سوار تھے۔ یہ لشکر اسلام اس نہایت نظم اور ضبط سے روانہ ہوا۔ چونکہ یہودیوں کو دم بدم کی خبریں پہنچ رہی تھیں اس لیے لشکر اسلام کی روانگی کا حال بھی معلوم ہو گیا۔

خیبر میں یہودیوں کے چند قلعے تھے۔ تمام قلعوں کی مرمت شروع کرا دی گئی تھی۔ اور ایک زبردست لشکر مقابلہ کے لیے فراہم کر لیا گیا۔ یہودیوں میں مرحب اور یاسر دو زبردست جنگجو۔ آزمودہ کار بہادر سردار تھے۔ تمام عرب میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ تمام یہودیوں کو ان کی دلیری پر ناز تھا۔ لشکر کے سالار اعظم یہی قرار دیئے گئے۔ پہلے تو یہودیوں کا خود ہی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ تھا۔ لیکن جب انھوں نے لشکر اسلام کے آنے کی خبر سنی۔ تو درہ خیبر میں مقابلہ کے لیے تیار ہو بیٹھے۔

ایک روز جبکہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو یہودیوں نے اسلامی لشکر کو آتے دیکھا

ح ابو بصیر مدینہ سے چل کر سمندر کے قریب بمقام عیص میں مقیم ہو گئے۔ ابو جندل بھی ان کے پاس پہنچ گئے اس کے بعد جو شخص مکہ میں مسلمان ہوتا۔ بھاگ کر ابو بصیر کے گروہ میں شامل ہو جاتا۔ رفتہ رفتہ ان کا زبردست گروہ ہو گیا۔ اور انھوں نے قریش کے ان قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کیے جو ملک شام میں جاتے تھے۔ قریش اس گروہ سے اس قدر تنگ آ گئے کہ انھوں نے خود آکر آنحضورؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم اپنی خوشی سے صلح نامہ کی شرط کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اب جو شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا۔ ہم اسے واپس نہیں لیں گے آپ عیص والے مسلمانوں کو مدینہ میں اپنے پاس بلا لیں۔ آپؐ نے ان کی اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ اور ابو بصیر کے گروہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس طرح سے جو شرط قریش نے لکھی تھی اسے خود ہی منسوخ کر دیا۔

صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

دیکھا۔ اسلامی علم آفتاب کی سنہری شعاعوں میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے نہایت شان سے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

یہودی اپنے قلعوں کے باہر کھلے میدان میں فروکش تھے۔ اسلامی لشکر اس لشکر کے عین سامنے ایک میل کے فاصلہ پر آ کر رک گیا۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہو گیا تھا اس لئے مجاہدین نے خیمے نصب کئے۔ نماز پڑھی اور آگ جلا کر کھانے پکانے کا انتظام کرنے لگے۔ مسلمانوں نے اس طرح سے اپنے لشکر کو فروکش کیا۔ کہ وہ اصل تعداد سے دوگنا معلوم ہونے لگے۔

تمام لشکر میں ہر خیمہ کے سامنے آگ روشن کر دی گئی۔ یہودیوں کے لشکر میں بھی جگہ جگہ آگ جل رہی تھی۔ دونوں لشکر رات بھر ہتھیار صیقل کرتے رہے فریقین نے طلایہ گرد دستے مقرر کر دیئے تھے۔ اور وہ بغرض حفاظت رات بھر لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ اور ہوشیار باش کی صدائیں بلند کرتے رہے۔

صبح ہوتے ہی مسلمان بیدار ہوئے۔ حضرت بلال نے اپنی پرترنم بلند آواز سے اذان دی۔ اذان کی آواز خیبر کی پہاڑیوں اور قلعوں سے ٹکرا کر گونج اٹھی۔ ایک عجیب کیفیت آگیں سماں بندھ گیا۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان اٹھ بیٹھے۔

ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ اور آفتاب طلوع ہونے سے قبل ہی میدان جنگ میں نکل کر صف بستہ ہو گئے۔ یہودی بھی مسلح ہو کر صف آرا ہو گئے۔ دونوں لشکر تین فرلانگ کا وسیع میدان درمیان میں چھوڑ کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جب آفتاب کی سنہری کرنیں رقص کرتے ہوئے سبزہ زار پر پڑیں تو یہودیوں نے طبل جنگ بجایا۔ اور یہودیوں کے دو نامی سردار مرحب اور یاسر گھوڑے دوڑا کر میدان جنگ میں نکلے۔ ان کی شان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بڑے بہادر اور کمال جنگجو ہیں۔ انہوں نے میدان میں آتے ہی للکارا۔ اے اہل مدینہ مسلمانو! ہمارے مقابلہ کے لئے سب سے بہادر جنگجوؤں کو بھیجو۔ اگرچہ ان کے مقابلہ کے لئے ہر مسلمان آمادہ تھا لیکن مسلمانوں میں یہ جنگی قانون تھا کہ جب تک لشکر کا سردار کسی طرف اشارہ نہ کرتا کوئی مقابلہ کے لئے نہ بڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح سے جنگ مغلوبہ کے وقت بھی جب تک سردار تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ نہ لگاتا عام حملہ نہ ہو سکتا تھا۔

اس لشکر کے سردار خود آنحضور تھے۔ مسلمان ان کی طرف دیکھتے تھے۔ مجاہدین کے جوش

کا [illegible] تھا کہ ہر شخص اس بات کا متمنی تھا کہ آنحضورؐ مجھکو اجازت دیں۔ آنحضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت زبیر ابن العوام کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی یہ ہر دو بزرگ خوش ہوکر بڑھے اور گھوڑوں کو اڑا کر میدان جنگ میں پہنچے۔

فوراً حضرت علی کرم اللہ مرحب اور حضرت زبیر یاسر کے مقابلہ میں جا ڈٹے۔ مرحب نے حضرت علی کرم اللہ کو دیکھا اور اس نے کہا میرے مقابلہ کے لئے آپ آئے ہیں آپ واپس جائیے اور کسی آزمودہ کار بہادر کو بھیجئے۔

حضرت علی کرم اللہ نوجوان اور پستہ قد تھے۔ اس لئے مرحب نے خیال کیا کہ وہ بہادر اور آزمودہ کار نہیں ہیں۔ حالانکہ حضرت علی کرم اللہ نے اپنی بے نظیر شجاعت اور عدیم المثال آزمودہ کاری کی وجہ سے دربار رسالت سے شیر خدا کا معزز خطاب حاصل کرلیا تھا۔ وہ جب اور جس معرکہ میں نبرد آزما ہوئے دشمنوں پہ اپنی بہادری کا سکہ جما کر لوٹے۔ مرحب کی گفتگو سن کر مسکرائے۔ آپ نے فرمایا مرحب میری نوجوانی پر نہ جاؤ۔ میں متعدد معرکے طے کر چکا ہوں بڑے بڑے بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں ہنگام وغا تم میری آزمودہ کاری اور بہادری کے قائل ہو جاؤگے۔

مرحب نے کہا کہ اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو آؤ۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار نکالی حضرت علی کرم اللہ نے بھی تلوار میان سے کھینچی۔ مرحب نے گھوڑا بڑھا کر حضرت علیؓ پر حملہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ بھی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے نہایت تجربہ کاروں کی طرح اس کے وار کو ڈھال پر روکا۔ مرحب اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر برافروختہ ہو گیا۔ آج تک ایسے موقع ہی نہ آیا تھا کہ اس نے کسی پر حملہ کیا ہو اور اس کی خارا شگاف تلوار نے دشمن کو کاٹ کر نہ ڈال دیا ہو۔ لہٰذا اس نے طیش میں بھر کر پھر حملہ کیا۔

حضرت علی کرم اللہ نے اس کا یہ حملہ بھی رد کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ اس شان سے کھڑے تھے گویا کہ وہ مرحب کو کھلا رہے تھے۔ یا اسے فنون حرب سکھا رہے تھے۔ مرحب کو پھر غصہ آیا۔ اس مرتبہ اس نے پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔

حضرت علی کرم اللہ نے اپنی برق وش تلوار پر اس کی تلوار روکی۔ اور ذرا سا اشارہ کرکے اسکی تلوار توڑ دی۔ مرحب گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے گھوڑا پیچھے ہٹایا۔ حضرت علیؓ مسکرائے۔ اگر وہ چاہتے تو مرحب پر حملہ کرکے اسے قتل کر ڈالتے مگر شیر خدا نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ نہتے دشمن پر وار کرکے اسے قتل کر ڈالا جائے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا۔ مرحب

ڈرو نہیں تم دوسری تلوار نکال لو۔"

مرحب نے متشکرانہ نظروں سے حضرت علی کرم اللہ کو دیکھا کہا۔ آپکا شکریہ
میدانِ جنگ میں کوئی بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی مہربانی کا سلوک نہیں کر سکتا
یہ کہتے ہوئے اس نے دوسری تلوار نکالی اور بڑھ کر حضرت علی کرم اللہ پر حملہ کیا
حضرت علیؓ نے بائیں ہاتھ میں ڈھال لیکر ڈھال پر تلوار روکی اور حیرت انگیز پھرتی
کے ساتھ برق بار تلوار سے اس پر حملہ کیا۔

مرحب کی آنکھیں جھپک گئیں۔ تلوار اسکے شانے پر پڑی اگرچہ وہ زرہ
پہنے تھا۔ خود اوڑھے تھا۔ خود اور زرہ میں گردن کی حفاظت کیلئے ایک چاندی کی
زنجیروں کا جال پڑا تھا مگر تلوار زنجیروں کو کاٹ کر ایک انچہ کے قریب شانہ کو مجروح
کرتے ہوئے نکل گئی۔

مرحب کے شانہ سے خون کا فوارہ اُبلنے لگا۔ اور موت اسکی آنکھوں کے سامنے
پھر گئی۔ وہ ایک دم گھوڑا لوٹا کر بھاگا۔ حضرت علی کرم اللہ نے جلدی سے تلوار میان
میں ڈالی۔ اور اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔

اگرچہ مرحب سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا اور کسی قدر فاصلے پر نکل گیا
تھا۔ مگر حضرت علی کرم اللہ کا گھوڑا ایسا تیز دوڑا کہ چشم زدن میں مرحب کے گھوڑے
کے برابر پہنچ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ نے برابر جا کر مرحب کی کمر پکڑی اور اسے دبا دیا۔ مرحب
کو ایسا معلوم ہوا جیسے پنجہ موت اس کی کمر پر آ پڑا۔ اس کا چہرہ فرطِ خوف سے زرد
پڑ گیا۔ دونوں گھوڑے برابر برابر تیز دوڑ رہے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ نے اللہ اللہ کا نعرہ لگا کر مرحب کو کھینچا اتفاق سے اسکے
دونوں پاؤں رکابوں میں سے نکل گئے۔ حضرت علیؓ نے اسے کھینچ کر اٹھایا۔ اور زور سے
دے کر زمین پر دے پٹکا۔ اس کا گھوڑا بغیر راکب کے سرپٹ دوڑا چلا گیا۔ زمین پر
گرتے ہی مرحب کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

حضرت علیؓ نے اپنا گھوڑا روکا۔ رکتے رکتے بھی گھوڑا دور نکل گیا۔ جب وہ واپس
لوٹ کر مرحب کے پاس پہنچے تو اسے مردہ پایا۔ آہستہ آہستہ میدان جنگ کی طرف چلے جس
عرصہ میں حضرت علی کرم اللہ اور مرحب کی جنگ ہو رہی تھی حضرت زبیر یاسر

سے لڑ رہے تھے۔

یاسر بھی بڑا آزمودہ کار اور بہادر تھا۔ وہ نہایت ہوشیاری و تجربہ کاری سے لڑ رہا تھا۔ اس نے موقع پا کر حضرت زبیرؓ کے شانے پر وار کیا۔ حضرت زبیرؓ نے بڑی پھرتی سے اسکا وار روکا اور فوراً ہی اپنا وار بھی کر دیا۔

یاسر اس اچانک حملہ سے خبردار نہ تھا۔ تلوار اس کے سر پر پڑی۔ اور برابر کی دو پھانکیں بناتے ہوئے حلق تک اتر گئی۔ وہ زور سے کانپا۔ اور بغیر آہ کے زمین پر گر پڑا اس کا گھوڑا بھی خوف زدہ ہو کر لرزا اور بھاگنے کے لئے بڑھا۔ حضرت زبیرؓ نے جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام کی باگ پکڑ لی اور اسے قابو میں کیا۔ اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ اور جلدی سے اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

ان کا وفادار گھوڑا لشکر اسلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب یہودیوں نے دیکھا۔ ان کے دونوں سردار مارے گئے۔ تو انھیں بڑا طیش و طرارہ آیا۔ تمام لشکر نے تیزی سے مسلمانوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ان کے میمنہ۔ میسرہ۔ اور قلب نے حرکت کی۔ آنحضورؐ نے بھی تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر عام حملہ کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں کے میمنہ پر حضرت عمرؓ۔ میسرہ پر صدیق اکبرؓ اور قلب میں حضرت سعد بن معاذ سپہ سالار تھے۔ ان تینوں بزرگوں نے اپنے اپنے دستوں کو بڑھایا۔ مسلمانوں کی کل تعداد پندرہ سو تھی۔ یہودیوں کا لشکر دس ہزار کے قریب تھا۔ پھر ان کا ہر سپاہی زرہ بکتر پہنے تھا۔ ہتھیار لگائے اور بچا بنا ہوا تھا۔

مسلمانوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی زرہ نہ تھی۔ نہ پورے ہتھیار تھے کسی کے پاس نیزہ تھا۔ تو کسی کے پاس تلوار تھی۔ الغرض یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

اس وجہ سے یہودی سمجھ رہے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے لیکن مسلمانوں میں ایسی جرات اور استقلال تھا۔ جو دوسری قوم میں نہ تھا۔ وہ خدا کے بھروسے پر بڑھ رہے تھے۔ یہودیوں کے لشکر نے سب سے پہلے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو نرغہ میں لے لیا۔ یہ دونوں بزرگ ایک جگہ مل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے ان دونوں پر تلواروں کی بارش ہونے لگی۔

دونوں شیر دل مسلمان یہودیوں پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں نے گھوڑوں کی باگیں ملا کر۔

پر زور حملہ کر دیا۔ جو ان دونوں ہی کے شایان شان تھا دونوں کی برق وش تلواروں
نے یہودیوں کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیے۔

یہودی بڑے جوش اور بڑے طیش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جو شخص بھی
ان دونوں کے قریب آجاتا تھا۔ وہ اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیتے تھے۔

یہودیوں کے لشکر کا سیلاب اب بھی برابر بڑھتا رہا۔ ادھر مسلمان بڑھے
چلے آ رہے تھے۔ آخر دونوں لشکر کا تصادم ہو گیا۔ تلواریں میانوں سے کھینچ گئی تھیں
صاف شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعوں سے جگمگا اٹھیں۔

انسانوں کے اوپر لوٹتیں۔ اور دور تک تلواروں کی باڑھ قائم نظر آنے لگی۔
جنگ شروع ہو گئیں۔ سرفروش نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ آبدار تلواریں
اور خون آشام نیزے سرورش کے فیصلے کرنے لگے۔

قومی نعروں۔ تلواروں کی جھنکاروں اور زخمیوں کے شور و غل سے میدان
جنگ گونج رہا تھا۔ یہودی زیادہ تھے۔ اس لیے زیادہ دور تک پھیلے ہوئے تھے۔
مسلمانوں کو بھی ان کے محاذ میں پھیلنا پڑا۔ حد نگاہ تک متخاصمین پھیلے ہوئے
لڑتے نظر آ رہے تھے۔ خون آشام تلواریں جلد جلد اٹھ رہی تھیں۔ اور موت بڑی سرعت
سے اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔

انسانوں میں باڑھ لگ گیا تھا۔ جانباز کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ زخمی چیخ رہے
تھے۔ سرداروں کی آوازیں سپاہیوں کے دل بڑھا رہے تھے۔ خون آشام یا قیامت
خیز جنگ ہو رہی تھی۔ متخاصمین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ ایک فریق دوسرے
فریق کی صفوں میں جا گھسا تھا۔ ترتیب و انتظام قائم نہ رہا تھا صفیں ٹوٹ گئی تھیں
یہودی مسلمانوں میں اور مسلمان یہودیوں میں مخلوط ہو گئے تھے۔

میمنہ میں حضرت عمرؓ اور میسرہ میں حضرت صدیقؓ نہایت دلیری اور بڑے جوش
سے لڑ رہے تھے۔ وہ جس طرف حملہ کرتے میدان کے پرے صاف کر دیتے۔ اور صفوں
کی صفیں الٹ دیتے۔

اگرچہ یہودی بھی بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے مگر مسلمانوں کے سامنے ان کی
کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ جو شخص بھی کسی مسلمان پر حملہ کرتا اسے واپس لوٹنا نصیب نہ ہوتا
جس مسلمان پر جو شخص حملہ کرتا وہ اس کا حملہ روک کر اسے قتل کر ڈالتا

پڑی تھیں۔ اور زخمی پڑے دم توڑ رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں اور سر دھڑ کے انبار لگے ہوئے تھے۔ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ مرنے والوں کے ہتھیار بکھرے پڑے تھے۔ میدان جنگ نہایت مہیب ہو گیا تھا۔

سعد بن معاذ قلب میں تھے۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ یہودیوں کو مارتے کاٹتے ہوئے بڑھے۔ مسلمان ان کے ساتھ چلے۔ اس جوش سے چلے کہ یہودی پیچھے ہٹنے لگے۔ ادھر حضرت عمرؓ نے میمنہ سے اور حضرت صدیقؓ نے میسرہ سے دبایا۔ تو یہودیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ تیزی سے پسپا ہونے لگے۔ یہودی سرداروں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے سپاہیوں کو غیرت دلائی۔

یہودی سنبھلے۔ اور پھر ڈٹ گئے۔ نہایت جانبازی سے لڑنے لگے۔ یہودیوں کے پسپا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

انہوں نے بڑھ کر نہایت پرجوش حملہ کیا۔ ہر طرف خون آلود تلواریں بلند ہو ہو کر ان پر ٹوٹیں۔ اور جلدی جلدی سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ دم کے دم میں یہودیوں کی صفیں کٹ کٹ کر گرنے لگیں۔

یہ دیکھ کر یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ گھبرا کر لوٹے اور بڑی افراتفری سے قلعوں کی طرف بھاگے۔ حضرت علی کرم اللہ اور حضرت زبیرؓ اب تک بڑی جوانمردی اور نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے۔

انہوں نے اپنے گرد کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے۔ یہودیوں کو بھاگتے دیکھ کر وہ ان کے تعاقب میں دوڑے۔ اور بھاگنے والوں کو قتل کر کر کے زمین پر گراتے چلے گئے۔

تمام مسلمانوں نے بھی یہودیوں کا تعاقب کیا اور مارتے کاٹتے قلعہ صعب تک بڑھتے چلے گئے۔ قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہودی دوڑ دوڑ کر بڑی بے صبری اور بدحواسی سے قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔

چونکہ دروازہ تنگ تھا۔ اور یہودی زیادہ تھے اور ہر شخص جان بچا کر قلعہ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسلئے بڑی افراتفری پڑی ہوئی تھی۔ چونکہ مسلمان تعاقب کرتے چلے آ رہے تھے۔ اسلئے فصیل پر کھڑے یہودیوں نے مسلمانوں پر سنگ بازی اور تیر افگنی شروع کر دی۔ اس وجہ سے مسلمان فصیل سے کچھ فاصلہ پر آ کر رک گئے۔

یہودیوں نے اس مقام سے فائدہ اٹھایا۔ وہ نہایت تیزی سے قلعہ میں داخل ہوتے

لیکن جب مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے تو پہلے ہی لڑائی میں ان پر مسلمانوں کا ایسا رعب بیٹھ گیا کہ قلعہ پر قلعہ خالی کرتے چلے گئے۔

دونوں متذکرہ بالا قلعوں میں ٹھہر کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چونکہ قلعہ شق میں داخل ہوتے وقت شام ہو گئی تھی۔ اسلئے مسلمانوں نے اس شب کو اسی قلعہ میں آرام کیا۔ دوسرے روز نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی قلعہ قموص کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ قلعہ دونوں مفتوحہ قلعوں سے زیادہ مضبوط تھا۔ اس قلعہ میں یہودیوں کے چیدہ چیدہ سردار اور آزمودہ کار سپاہی تھے۔ کنانہ بن الربیع ان کا سردار اعظم تھا۔ اس نے فصیل پر چاروں طرف سپاہی متعین کر دیے تھے۔ سنگریزے اور تیروں کے گٹھے انبار در انبار ڈال دیے تھے۔

جب مسلمان قلعہ کے سامنے پہنچے تو وہ اس کی فلک نما مضبوط عمارت کوہ پیکر برج اور رفیع الشان دروازے اور دروازوں پر موٹی موٹی آہنی چادروں سے منڈھے ہوئے کواڑ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

یہ قلعہ نہایت بلند نہایت مضبوط تھا۔ چونے اور پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ کافی موٹے موٹے اور وزنی پتھر لگائے گئے تھے۔ پتھروں کو توڑ کر فصیل میں شگاف کرنا دشوار تھا۔ اس کا صدر دروازہ ساٹھ فٹ اونچا تھا۔ لکڑی کے موٹے موٹے کواڑ چڑھے ہوئے تھے۔ جن پر لوہے کی دو دو انچ موٹی چادر منڈھی ہوئی تھی۔ کواڑوں کا وزن ساٹھ من تھا۔ خیبر میں یہی ایک ایسا قلعہ تھا جس پر یہودیوں کو ناز تھا۔ اور جسے وہ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ اس قلعہ کا دروازہ در خیبر کہلاتا تھا۔

اطراف و جوانب میں اس قلعہ کے دروازے کی شہرت تھی۔ مسلمان صدر دروازے کے سامنے تقریباً ایک میل لمبا میدان چھوڑ کر فروکش ہو گئے۔ اس روز مسلمانوں نے حملہ نہ کیا۔ قلعہ کو دیکھنے اور اسے تسخیر کرنے کی تدابیر سوچنے لگے۔

حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت بلالؓ۔ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ کے چاروں طرف گشت کیا۔ لیکن کسی طرف کوئی موقع ایسا نظر نہ آیا۔ جہاں سے قلعہ پر زد پڑ سکے۔

اتفاق سے حضرت علیؓ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں۔ نہ خیمہ سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ دھوپ کی چمک سے بچنے کے لئے آپ خیمہ ہی میں آرام فرمایا کرتے تھے۔

اس روز مسلمانوں نے حملہ نہ کیا۔ بلکہ تمام روز غور و تدبر کرنے میں صرف ہو گیا۔ دوسرے روز مسلمان مسلح ہو کر میدان میں نکلے۔ اور صفیں مرتب کر کے آہستہ آہستہ قلعہ کی طرف بڑھے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ بھی مستعد ہو گئے مگر انھوں نے تیراندازی یا سنگ باری شروع نہ کی۔ یہانتک کہ مسلمان بالکل ان کے سامنے آ گئے اور فصیل تھوڑے ہی فاصلہ پر رہ گئی۔

مسلمانوں کو حیرت تھی کہ یہودی خاموش کیوں ہیں۔ تیراندازی شروع نہیں کرتے کیا وہ بغیر لڑے بھڑے قلعہ ہمارے سپرد کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

مسلمان برابر آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ انسانوں کا سیلاب فصیل سے ٹکرانے کے لئے رواں تھا جب مسلمان بالکل فصیل کے قریب پہنچ گئے۔ تو یکایک پتھر کے ٹکڑوں اور تیروں کی بارش ان پر شروع ہو گئی۔ فصیل کے اوپر سے سنگریزے اور تیر اس کثرت سے آنے لگے۔ کہ آفتاب تک ان کے نیچے چھپ گیا۔

اس اچانک سنگ اندازی اور تیرافگنی نے مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی انھوں نے ڈھالوں پر تیروں اور پتھروں کو روکنا شروع کر دیا۔ لیکن ہزار کوشش کرنے پر بھی وہ تیروں سے نہ بچ سکے۔

متعدد مسلمان مجروح ہو گئے۔ اکثر شدید ترین زخمی ہو گئے۔ مگر اس قدر مجروح ہونے پر بھی ان کے قدم پیچھے نہ ہٹے۔ چونکہ پتھروں کے خاص ٹکڑے اور دھار دار تیر نہایت شدت سے برس رہے تھے۔ اس وجہ سے مسلمان آگے بھی نہ بڑھ سکتے تھے۔ اور پیچھے ہٹنا بزدلی سمجھتے تھے۔ اس لئے اسی جگہ کھڑے کمال جانبازی کے ساتھ تیروں اور پتھروں کو روک رہے تھے۔

حضرت عمرؓ ایک ہاتھ میں علم لئے دوسرے ہاتھ میں ڈھال پکڑے کھڑے تھے سوچ رہے تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمان مجروح ہو رہے ہیں۔ آپکو غصہ آ رہا تھا جوش آ رہا تھا۔ چنانچہ آپنے طیش میں آ کر بڑھنا شروع کیا۔

یہودیوں نے شور و غل کر کر کے اور بھی شدت سے تیراندازی شروع کر دی چونکہ حضرت عمرؓ بڑھ رہے تھے۔ اس لئے ان کی معیت میں تمام مجاہدین اسلام بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگے تھے

یہ بڑی جانبازی کا کام تھا۔ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا شیر دل انسانوں

کا کام تھا۔ مسلمانوں کا سیلاب دم بدم بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہودی شور و غل کر کر کے سنگریزے برسا رہے تھے۔

تمام قلعہ۔ قلعہ کے سامنے کا میدان گونج رہا تھا۔ یہودی حیرت سے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چونکہ کثرت سے تیر اندازی اور سنگباری جاری تھی اس لئے مسلمانوں کو اس وقت تک ایک تیر بھی چلانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ وہ اب تک تیروں کو روکتے رہے تھے۔ آخر بڑھتے بڑھتے مسلمان قلعہ کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے انھوں نے فصیل کو نیزوں اور کدالوں سے توڑنے کی کوشش کی مگر سنگلاخ فصیل ہزار کوشش کرنے پر بھی نہ ٹوٹی۔

یہانتک کہ اسی جد و جہد میں شام ہو گئی۔ آفتاب حجلۂ مغرب میں چھپ گیا۔ اندھیرا پھیلنے کی وجہ سے مجبور ہو کر مسلمان واپس لوٹ گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے نماز پڑھی۔ اور پھر مجروحین کی مرہم پٹی شروع کر دی۔

رات گزر کر جب دن نکلا تو مسلمان پھر مسلح ہوئے۔ آج حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو رایت اسلام دیا گیا۔ وہ جانباز مسلمانوں کا ایک دستہ لے کر بڑھے۔ گزشتہ روز کی طرح آج بھی تمام دن دشمنوں کے تیر اور پتھر روکتے اور قدم قدم بڑھتے رہے۔ یہانتک کہ عصر کے وقت کے نیچے جا پہنچے۔

آج حضرت صدیق نے صدر دروازے کے توڑنے کی کوشش کی مگر صدر دروازہ اسقدر مضبوط تھا کہ اس پر کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا۔ بہت کچھ جد و جہد کرنے پر بھی ناکامی رہی۔

آخر دن چھپنے کے بعد مسلمان واپس لوٹے۔ آج بھی بہت سے مسلمان مجروح ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی ان کے زخم دھو کر مرہم لگایا اور پٹیاں کس دی گئیں تیسرے روز پھر مسلمان مسلح ہوئے۔

آج حضرت عثمان کو اسلامی علم دیا گیا۔ وہ نہایت جوش و خروش سے چلے۔ بڑی جانبازی سے بڑھے۔ اور عصر سے ذرا پہلے ہی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ انھوں نے اور ان کے ہمراہیوں نے بھی فصیل توڑنے کی کوشش کی مگر باوجود سعی بلیغ کے بزرگانہ جد و جہد کے بھی فصیل کا ایک پتھر تک بھی نہ توڑ سکے۔ لہذا مجبور ہو کر شام کو واپس لوٹ

آئے اس طرح سے یکے بعد دیگرے کئی سردار روزانہ حملہ آور ہوئے قلعہ کی فصیل تک پہنچے۔ فصیل اور دروازہ کے توڑنے کی کوشش کی۔ مگر کوئی بھی کامیاب و بامراد نہ ہو سکا۔

آخر ایک شب کو جب مسلمان واپس لشکر گاہ میں پہنچے۔ تو آنحضورؐ نے فرمایا۔ کل میں اس شخص کو علم دونگا جو خدا کے حکم سے خیبر کے مشہور و معروف قلعہ قموص کو فتح کر کے خیبر شکن کا خطاب حاصل کرے گا۔

تمام مسلمان اس مژدہ فرحت بخش کو سن کر کمال مسرور و محظوظ ہوئے ہر ایک سوچنے لگا کہ وہ کون خوش قسمت ہستی ہے جسے کل علم دیا جائے گا۔ اور جو اپنی بے نظیر شجاعت سے قلعہ فتح کر کے خیبر شکن کا قابل فخر لقب حاصل کریگا۔

ہر شخص جانتا تھا۔ کہ جو کچھ آپ فرما دیتے ہیں۔ وہ صحیح ہوتا ہے حضورؐ نے فرما دیا ہے۔ کہ کل قلعہ فتح ہو گا اس لئے اسکے فتح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن کون فتح کریگا کسے علم دیا جائے گا اس بات کی کرید ہر شخص کے دل میں پیدا ہوئی۔ تمام شب مسلمان اسی فکر و تردد میں رہے۔ صبح جب نماز سے فارغ ہوئے تو مسلح ہو ہو کر کھڑے ہو گئے جب آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر اونچا ہو گیا۔ اور اس کی طلائی کرنیں قلعہ کی فصیل اور درختوں کی چوٹیوں پر رقص کرنے لگیں۔ تو آنحضور صلعم اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے

ہر مسلمان نے اشتیاق اور امید افزا نظروں سے آنحضور صلعم کو دیکھا۔ تمام لوگ خاموش کھڑے ہو کر گوش بر آواز ہو گئے۔

تمام مسلمانوں پر شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری تھی۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سب سے پہلے وہی سنے۔

چنانچہ آنحضور صلعم آہستہ آہستہ چل کر لشکر کے سامنے پہنچے۔ اور آپ نے فرمایا مسلمانو! آج علم اس شخص کو دیا جائے گا جو قلعہ فتح کرے گا جس کا لقب شاہ خیبر شکن ہو گا۔ مسلمان ہمہ تن گوش بن گئے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا علی کرم اللہ کہاں ہیں مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ خوش نصیب ہستی جس کی قسمت میں شاہ خیبر شکن کا معزز و مفخر لقب حاصل کرنا لکھا ہے۔ حیدر کرار شاہ نامدار امیر رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ مگر تمام مسلمانوں کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ حضرت علی کرم اللہ کی آنکھیں آشوب کر آئی ہیں۔ وہ کچھ ایسی دکھ رہی تھیں کہ

آنکھیں کھلتی تھیں۔ اور نہ کوئی چیز نظر آتی تھیں۔
آپ خیمہ سے باہر نہ نکلتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اکرم وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ۔ چند مسلمان دوڑے گئے اور حضرت علی کرم اللہ کا ہاتھ پکڑ کر آنحضور صلعم کے سامنے لائے۔ آپ نے استفسار فرمایا۔ تمہارا کیا حال ہے علی کرم اللہ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا یا رسول اللہ کئی روز سے آشوب چشم کے مرض میں مبتلا ہوں دھوپ کی چمک سخت تکلیف دیتی ہے۔ ہر وقت آنکھیں بند کئے پڑا رہتا ہوں
آنحضور صلعم نے اپنا لعاب دہن علی کرم اللہ کی آنکھوں میں لگا کر ایک پٹی کس دی اور فرمایا علی کرم اللہ تمہاری آنکھیں انشاء اللہ ابھی اچھی ہو جائیں گی اور اس کے بعد پھر کبھی نہ دکھیں گی۔ خدا کے حکم سے تمکو سردی اور گرمی کبھی تکلیف نہ دیگی۔

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ کبھی کسی موسم میں حضرت علی کرم اللہ کو سردی یا گرمی نے تکلیف نہ دی اور نہ آنکھیں دکھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آنحضور صلعم نے اپنے ہاتھ سے حضرت علی کرم اللہ کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولدی۔ اب جو دیکھا تو آشوب چشم کا نشان بھی نہ لگا دیکھا۔ بالکل اچھی تھیں۔

مسلمان آنحضور صلعم کے اس معجزہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ کو بڑی مسرت ہوئی۔ لہذا آپ نے بڑھ کر آنحضور صلعم کے ہاتھ کو فرط عقیدت سے بوسہ دیا۔

اب آنحضور صلعم نے رایت اسلام اپنے ہاتھوں میں لیکر حضرت علیؓ کو دیا اور فرمایا اے اسد اللہ الغالب خدا کا نام لیکر جاؤ۔ اور قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر پھینکدو۔ حضرت علیؓ نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیکر پھریرا ہوا میں اڑا دیا۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر بڑے جوش سے بڑھنا شروع کیا۔ اسلامی لشکر کا ایک دستہ آپ کی معیت میں تھا جب آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو کفار نے حسب دستور تیروں اور پتھر کے ٹکڑوں کی بارش شروع کر دی حضرت علی کرم اللہ نے فرمایا۔ اے شہادت کے طلبگارو۔ اے خدا سے ملنے کی آرزو رکھنے والو۔ بغیر کسی جھجک اور خوف کے بڑھے رہو۔ ہم سب شہید ہو کر جنت میں داخل ہونے کے متمنی ہیں۔ اور جنت کا راستہ تلواروں کے سایہ میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش کی لہر دوڑا دی۔ وہ ڈھالوں پر تیروں اور پتھروں کے ٹکڑوں کو روکتے ہوئے نہایت بے خوفی اور جوش غضب سے بڑھنے لگے۔

یہودیوں نے تیراندازی اور سنگ باری میں انتہا کر دی۔ اور اس قدر شور وغل مچایا۔ کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ لیکن مسلمانوں پر ان کے شور وغل کا اثر ہوا اور نہ تیراندازی اور سنگباری سے کسی قسم کی تاخیر ہونے پائی۔ وہ نہایت ضبط و ترتیب سے بڑھتے رہے۔

یہودی مجاہدین اسلام کی جانبازانہ پیشقدمی دیکھ کر نہایت مشوش ہوئے انھوں نے تیراندازی اور سنگ باری میں مزید شدت سے کام لیا۔ دمامے۔ نقارے۔ اور دوسرے باجے بجا بجا کر قلعہ سر پر اٹھا لیا۔

مسلمان سر جھکائے نظر اٹھائے بڑے استقلال اور پامردی سے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ تیروں اور سنگریزوں کی بارش نے قدم قدم پر روکنا چاہا۔ مگر وہ اللہ کے بندے مجروح و گھائل ہوتے ہوئے بھی زور کے برابر بڑھتے رہے۔

ان کی شان و رفتار کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قلعہ کے نیچے پہنچ اور اس کی فصیل توڑ کر قلعہ میں داخل ہونے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

سب سے پہلے آگے شیر خدا حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لئے بڑی شان اور دبدبہ سے بڑھ رہے تھے۔ آپ کے عقب میں اسلامی دستہ حرکت کر رہا تھا۔

آخر بڑھتے بڑھتے مجاہدین اسلام کا یہ دستہ قلعہ کے نیچے پہنچ گیا۔ حضرت علی کرم اللہ صدر دروازے کے سامنے جا کر رکے۔ انھوں نے سرسری نظر ڈال کر یہ معلوم کر لیا کہ فصیل جس قدر مضبوط ہے دروازہ کا آہنی پھاٹک اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ وہ چند منٹ پھاٹک کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ سوچتے رہے۔ بالآخر کافی غور وخوض کے بعد گھوڑے سے اترے اور پھاٹک کے قریب پہنچے۔ انھوں نے مسلمانوں کو پھاٹک کے سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ مسلمان پھاٹک کے ہر دو جانب پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے ——

اسد اللہ مرتضیٰ نے آہنی دست پھاٹک کی موٹی موٹی سلاخیں پکڑیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ

کر کواڑ دل کو ابھارا۔

مسلمان بخیر و استعجاب آمیز نظروں سے ان کی اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ سب جانتے تھے کہ پھاٹک نہایت وزنی اور مضبوط ہے۔ اسکا اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی غیر ممکن ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا نے در خیبر کو ابھار کر دونوں ہاتھوں سے اپنی طاقت سے تیز جھٹکا دیا۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پھاٹک اکھاڑا۔ اور ساٹھ من وزنی کے پھاٹک کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چرخ دیا۔ اور بیس فٹ کے فاصلہ پر پھینک دیا۔

تمام مسلمان۔ سارے یہودی۔ آپ کی یہ طاقت یہ زور جوانی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ چونکہ حضرت علی مرتضیٰ نے زیادہ قوت سے کام لیا تھا۔ اسوجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔ جب مسلمانوں کی حیرت دور ہوئی۔ تو انھوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ بلند کیا۔ اس نعرہ سے تمام فصیل لرز گئی۔ میدان جنگ کانپ اٹھا۔ اور یہودی تھرا گئے۔ مسلمانوں نے جوش و مسرت سے بے خود ہو کر نعرہ لگایا۔

شاہ در خیبر شکن زندہ باد۔ شیر خدا علی مرتضیٰ پائندہ باد۔ اب در قلعہ وا ہو گیا تھا۔ یہودی جو اندر کی جانب دروازہ کی حفاظت پر متعین تھے۔ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔

شیر خدا الجھ کر بڑھے۔ اور مسلمانوں کا دستہ بھی ان کے پیچھے چلا۔ یہودیوں نے شیران اسلام کو آتے دیکھا تو ان پر ہراس طاری ہو گیا۔ اور جس قدر یہودی فصیل پر موجود تھے وہ جلدی جلدی نیچے اتر آئے۔ اور تلواریں میانوں سے کھینچ کھینچ کر آمادہ پیکار ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی تلواریں علم کیں۔ بڑے جوش و خروش سے تکبیر کہہ کر بڑھے اور یہودیوں پر جا ٹوٹے۔ یہودی پہلے ہی تیار تھے۔ اس لئے فوراً جنگ شروع ہو گئی۔ انسان کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہاتھ۔ پیر۔ سر۔ اور دھڑ ٹھوکریں کھانے لگے۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ اگر مسلمان جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ تو یہودی بھی غیظ و غضب کی حالت میں تھے۔ دونوں فریق کمال دلیری سے مصروف جدال و قتال ہو رہے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی بے پناہ تلوار یہودیوں کے ٹکڑے کر کر کے ڈال رہی تھی۔ جو آپ کے سامنے آ جاتا تھا۔ یا جس پر آپ حملہ آور ہوتے تھے۔ اسے بغیر قتل کئے نہ چھوڑتے تھے۔

آپ داہنے بائیں۔ آگے پیچھے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ یہودیوں پر آپ کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ آپ کے سامنے سے کترانے لگے تھے۔

ہر مسلمان جوش شجاعت میں ڈوبا ہوا لڑ رہا تھا۔ مسلمانوں کی خون آشام تلواریں یہودیوں

کے سر ذتن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ بڑے بڑے نامور اور بہادر یہودی کام آچکے تھے۔

کنانہ بن الربیع قلعہ قموص کا سردار تھا۔ وہ اور اس کی پرنیاد بیوی صفیہ دونوں یہودی لشکر میں کھڑے ہوئے اپنے سپاہیوں کے دل بڑھا رہے تھے۔

مگر یہودیوں کے جو حملے اور ہمتیں شکست ہو چکی تھیں۔ وہ جوش وغیرت دلانے پر بھی آگے نہ بڑھتے تھے۔ مسلمانوں نے سنبھل کر ایک عام حملہ کیا۔ نہایت جوش اور بڑی قوت سے حملہ کیا۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے اس حملہ کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر مجاہدین اسلام رکنے اور پیچھے ہٹنے کے لئے نہ بڑھے تھے۔

لہذا انھوں نے بڑھ کر اور دبایا جس سے یہودیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور ہر یہودی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ گئے اور چھپنے لگا۔

کنانہ بھی بھاگا۔ اور اس کی پرنیاد بیوی بھی بھاگی۔ سردار کے بھاگتے ہی یہودیوں کے بقیہ سپاہی بھی نہایت سراسیمگی سے بھاگ اٹھے۔

مسلمان متفرق ہو کر تمام قلعہ میں پھیل گئے۔ اور جو ان کے سامنے آیا اسی کو مار ڈالا اور جو بھی ذرا الجھا اسے موت کے آغوش میں پہنچا دیا گیا۔

اب یہودیوں نے ہتھیار پھینک دئے۔ اور گریہ کناں امان۔ امان کی التجائیں کرنے لگے یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰ نے فوراً جنگ بند کر کے یہودیوں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ لہذا جنگ بند کر دی گئی۔

یہودی مرد۔ عورتیں۔ اور بچے اسیر کئے جانے لگے جبکہ گرفتاری عمل میں آ رہی تھی بہت سے یہودی اپنے زن و فرزند کو لے کر چپکے سے قلعہ سے نکل گئے۔

تقریباً دو ہی گھنٹے میں تمام یہودی گرفتار کر لئے گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی صفیہ بھی گرفتار کر لی گئی۔

یہودیوں کو معلوم ہو اکہ ان کی تعلی فضول شیخی۔ مسلمانوں کی عداوت اور بیجا حسد نے انھیں گرفتار بلا بنا دیا۔

انھوں نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ خود مسلمانوں سے دشمنی مول لی۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر تیار کی۔ اور خود ہی اس میں دفن ہو گئے۔

قیدی یہودی غم و حسرت میں ڈوبے ہوئے رحم و التجا بھری نظروں سے مسلمانوں کو منہ تک رہے تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے پچاس مسلمان قلعہ کے اندر چھوڑ دیے۔ اور بقیہ تمام مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لیکر مع یہودی قیدیوں کے چلے۔ اور لشکر اسلام میں پہنچے تمام مسلمانوں نے نہ جوش اور بڑی مسرت سے ان کا استقبال کیا۔ بلکہ خود آنحضورؐ نے کئی قدم چل کر استقبال کیا۔ اور علی مرتضیٰؓ کو فتح پر مبارکباد دی۔

چونکہ رات اب آگئی تھی۔ اسلئے مسلمانوں نے آرام کیا۔ قیدیوں کی حفاظت پر ایک دستہ متعین کر دیا گیا۔

دوسرے روز جبکہ آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ قلعہ صعب ناعم اور وطیح کے سردار آور یہودی آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انھوں نے زراعت و باغات کی نصف پیداوار بطور خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے مصالحت کی استدعا کی۔ حضور اکرم نے ان کی یہ استدعا منظور کر لی۔ اس اقرار داد پر ان سے صلح ہو گئی صلحنامہ تحریر کیا گیا اور فریقین نے اس پر دستخط کر دئے۔

جب صلحنامہ تحریر کر کے وہ لوگ چلے گئے تو قلعہ قموص کے قیدی اور مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دئے گئے۔

صفیہ کنانہ کی بیوی حضرت دحیہ کے حصہ میں آئی۔ چونکہ صفیہ ایک حکمراں کی بیوی اور حی بن اخطب کی بیٹی تھی۔ اسلئے آنحضور صلعم نے اسے دحیہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اور اس سے کہہ دیا کہ تم آزاد ہو۔ جہاں چاہے چلی جاؤ۔

صفیہ پر آنحضور صلعم کی اس مہربانی کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا ارادہ مسلمان ہونے کا ہے۔

آنحضور صلعم نے اسے مسلمان کر لیا۔ اور اس کی خواہش پر حضور اکرمؐ نے اس سے اپنا عقد کر لیا۔

اس شب کو سلام بن مشکم یہود حاضر خدمت ہوا اور آنحضور صلعم کی دعوت کر گیا۔ آنحضورؐ رات کو حضرت بشر بن البراء کے ہمراہ کھانا کھانے گئے۔ یہودیوں کو آنحضور سے بیر خدائی ہی تھا۔

وہ ذات اقدس کو نقصان پہونچانے کی تدابیر کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ حضور اکرم بھی ان کے حسد و عداوت سے بخوبی واقف تھے۔ مگر آپ اس قدر بامروت تھے کہ ان کی باتیں مان لیتے تھے۔

چنانچہ بڑھتی ہوئی مروت ہی کی وجہ سے آنحضور صلعم نے سلام کی دعوت منظور فرمائی تھی۔ دراصل حضور اکرم یہ چاہتے تھے۔ کہ یہودی بغض و عناد چھوڑ کر مسلمانوں سے دوستی کا برتاؤ کرنے لگیں۔ مگر یہودی اپنی خباثت سے باز نہ آتے تھے۔

چنانچہ جب آنحضور صلعم سلام کی دعوت میں شرکت کیلئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت صفیہ نے فرمایا۔ حضورؐ آپ یہودیوں کے یہاں کیوں جا رہے ہیں۔ وہ تو آپ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں۔ لیکن صفیہ کب تک وہ دشمنی کرتے رہیں گے

حضرت صفیہ نے فرمایا۔ حضور وہ آپ سے اور مسلمانوں سے اس وقت تک دشمنی کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ دنیا میں ایک یہودی بھی زندہ ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ خدا مجھے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا

حضرت صفیہ نے فرمایا۔

میرے سرتاج! مجھے سلام اور اس کی بیوی طرف سے اندیشہ ہے آنحضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔

تم اندیشہ نہ کرو۔ خداوند عالم میری حفاظت کرے گا۔

چنانچہ آنحضور صلعم حضرت بشیر کے ساتھ سلام کے مکان پر پہنچے۔ آپ کے سامنے کھانا چنا گیا۔ بکری کا گوشت اور قلیے تھے۔ آنحضور صلعم نے ایک لقمہ منہ میں رکھا۔ آپ نے فوراً تھوک دیا۔ اور حضرت بشیر سے کہا بشیر تھوک دو۔ مت کھاؤ۔ کھانے میں زہر ملا ہوا ہے۔

بشیر نوالہ نگل چکے تھے۔ نوالہ کا حلق سے اترنا تھا۔ کہ زہر ہلاہل نے اپنا کام شروع کر دیا۔ فوراً خون کی قے ہوئی۔ اور ان کا حال ابتر ہونا شروع ہو گیا۔ زہر کچھ ایسا جان لیوا تھا۔ کہ منٹوں میں حضرت بشیر شہید ہو گئے۔

آنحضور صلعم کو بڑا افسوس ہوا۔ آپ نے سلام کی طرف دیکھا۔ سلام ڈر گیا۔ اور اس نے دست بستہ ہو کر کہا۔ حضور اکرم میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کس بدبخت نے یہ نازیبا حرکت کی ہے۔ میرے خیال میں یہ کاروائی زینب کی ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا اپنی بیوی کو بلاؤ۔ ہم مسلمانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کر ڈالتا ہے اسے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ چاہیں اسے قتل کریں

چاہیے خون بہانے کو چھوڑ دیں۔"

فوراً زینب حاضر کی گئی۔ اس نے اقرار کیا کہ کھانے میں زہر ملایا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اور بشیر کی لاش کو لشکر اسلام میں لائے۔ اور زینب کو حضرت بشیر کے ورثاء کے سپرد کر دیا۔ زینب سمجھ گئی کہ وہ ضرور قتل کر ڈالی جائے گی۔ اس نے فوراً کہا میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ لہٰذا مجھے مسلمان کر کے قتل کرنا۔ چنانچہ اسے مسلمان کر لیا گیا۔ اس کے مسلمان ہونے پر حضرت بشیر کے ورثاء نے اس سے انتقام لینے سے انکار کر دیا اور کہدیا اب یہ مسلمان ہو گئی ہے ہم اس سے انتقام نہیں لے سکتے۔ زینب مسلمانوں کا یہ ایثار دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہودیوں کو بڑا تعجب ہوا کئی یہودی مسلمانوں کی اس کارروائی سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور دوسرے روز آنحضورؐ نے مع فاتح مسلمانوں کے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کر دیا۔

پندرھواں باب (۱۵)

ارشاداتِ عالیہ

مسلمانوں نے جب سے خیبر پر لشکر کشی کی تھی۔ اسوقت سے تمام عرب کی نگاہیں اس جنگ کے نتیجہ پر لگی ہوئی تھیں۔ خیبر کے یہودی نہایت مالدار اور کثیر التعداد تھے انکے قلعے مضبوط سامان حرب بافراط اور لشکر کافی تھا۔ بڑے بڑے دلاور اور جوشیلے لوگ لشکر میں موجود تھے۔ مدینہ کے منافقوں اور عرب کے مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ خیبر کے یہودی مسلمانوں کو شکست دیکر مدینہ منورہ اور تمام ان مقامات اور قلعہ جات پر قابض ہو جائینگے جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اور پھر یا تو مسلمان مرتد ہو کر یہودیوں کا مذہب اختیار کر لینگے یا بہت برے سے ہو جائیں گے۔ اور یا سرزمین عرب سے نکل جائیں گے۔

جس زمانہ کا حال ہم لکھ رہے ہیں۔ اس زمانہ میں پیغام رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا چند میلوں کے فاصلوں کی خبریں بھی مدتوں کے بعد پہنچتی تھیں۔ اور دور دراز کے فاصلے کی خبریں تو مہینوں اور برسوں میں پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ فتح خیبر کی خبریں بھی دیر میں مشتہر ہوئیں۔ لوگوں نے حیرت سے ان خبروں کو سنا۔

آنحضورؐ ابھی خیبر سے کچھ زیادہ دور نہ پہنچے تھے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ ملاقی ہوا یہ قافلہ

حبش سے آیا تھا۔ قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ آنحضورؐ نے مکہ سے روانہ ہونے سے قبل عمرو بن امیہ کو حبش روانہ کیا تھا۔ اور انھیں شاہ حبش کے نام ایک خط بھی لکھ کر دیا تھا۔

حضرت عمروؓ حبش سے ان مسلمانوں کو لے آئے تھے جو مکہ والوں کی دراز دستیوں سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تھے۔ ان واپس آنے والوں میں حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ کے بھائی اور انکی بیوی حضرت اسماءؓ نیز ان کے صاحبزادگان عبداللہ۔ عون۔ محمد۔ اور خالد بن سعید۔ ابوموسیٰ اشعری۔ طہم بن قیس۔ حرث بن خالد۔ محمیہ بن غدار۔ معمر بن عبداللہ۔ ابو حاطب بن عمر۔ اور ملک بن ربیعہ وغیرہ تھے۔

آنحضور صلعم اور تمام مسلمان ان مسلمانوں کو دیکھ کر کمال مسرور و محظوظ ہوئے وہ اپنے ان بچھڑے ستم زدہ بھائیوں سے اس طرح بغلگیر ہوئے جیسے کہ وہ ان کے حقیقی بھائی ہوں۔

دراصل اسلام کا یہ نوع انسان پر زبردست احسان ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اخوت و محبت کا ایسا بھائی چارہ قائم کیا ہے جو مرتے دم تک باقی رہتا ہے۔ مسلمان یورپ کا باشندہ ہو، افریقہ کا ہو، یا امریکہ کا، جاوا کا ہو یا کنیڈا کا، چین کا ہو یا جاپان کا روس کا ہو یا فرانس کا، ہندوستان کا ہو یا ترکستان کا غرضیکہ دنیا کے کسی گوشہ کا رہنے والا ہو ہر مسلمان سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔

خدا اور خدا کے رسول کا یہی حکم ہے۔ اور کوئی مسلمان اس حکم سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ان سے انحراف کرے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اسلام دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور امن و امان اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب مسلمان اخوت اور محبت سے رہیں۔

جو زبردست۔ طامع۔ خود غرض۔ ملوکیت دلدادہ عز و جاہ کے خواہشمند مسلمان کسی مسلمان کو ستاتے۔ یا کسی مسلمان حکمران پر یورش کرتے ہیں۔ وہ خدا اور خدا کے احکامات سے انحراف کر کے قہر الٰہی کے نزول کو دعوت دیتے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے۔ کہ مسلمانو! اسلام کی رسی کو ملکر مضبوط پکڑو اور متفق اور متحد ہو کر رہو ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ جو مسلمان کسی مسلمان کو ستاتا ہے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے وہ ہمارے نبی خدا کے عذاب کا انتظار کرے اس خدا کے ارشاد کے ہوتے ہوئے وہ کون بدبخت مسلمان ہے

جو کسی مسلمان کو ستائے
کسی مسلمان بادشاہ پر یورش کرے۔ کسی مسلمان کو قتل کرے یا کسی مسلمان کے خلاف کوئی سازش کرے اگر کوئی ایسا ہے تو وہ شیطان کا پیرو ہے۔ اسلام سے منحرف ہے خدا کا نافرمان بندہ ہے۔ حضور اکرم کا غدار امتی ہے۔ جب مسلمان بغلگیر ہو چکے تو عمرو نے ایک نوجوان کو آنحضور صلعم کی خدمت میں پیش کیا نوجوان نے نہایت ادب سے۔ حضورؐ کو سلام کیا۔ اور آپ نے اسے دعا دی۔

یہ نوجوان خوبرو تھا۔ بیش قیمت کپڑے پہنے تھا۔ اس کی ظاہری شان کہہ رہی تھی۔ کہ وہ کوئی شہزادہ ہے۔

آنحضور صلعم نے عمرو سے استفسار فرمایا۔ عمرو یہ نوجوان کون ہے۔ عمرو نے فرمایا یہ حبش کے بادشاہ اصحمہ کا بیٹا ہے۔ حضور اکرم کے سلام کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اس کا باپ مسلمان ہو گیا ہے۔ اور اس نے حضورؐ کے نام یہ خط دیا ہے۔

عمرو نے خط حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ حضور اکرم کو یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ عیسائی بادشاہ مسلمان ہو گیا ہے۔ آپ نے ارہا کے سر پر ہاتھ رکھ کے کہا نور چشم خدا تیری ہر خواہش کو پورا کرے۔

معلوم ہوتا ہے خدا نے آنحضور صلعم کی یہ دعا قبول کر لی تھی۔ چنانچہ ارہا کی ہر خواہش پوری ہوئی۔ اور تمام زندگی وہ افسردہ اور غمزدہ نہ ہوا۔

اب حضور اکرم نے صدیق اکبرؓ کو خط دیا اور کہا صدیق اس خط کو پڑھو۔ حضرت صدیق اکبر نے مہر توڑی خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

یہ عریضہ ہے نجاشی بن ابجر کی جانب سے جو حبش کا بادشاہ ہے۔ محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں۔ اے خدا کے نبی آپ پر اللہ کی سلامتی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور آپ خدا کے رسول ہیں۔ حضورؐ کا فرمان میرے پاس پہنچا۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں ہیں۔ عیسائی غلطی پر ہیں۔ اور دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو انہیں خدا کا بیٹا بناتے ہیں۔

پہلے میرا بھی عقیدہ تھا کس قدر غلط عقیدہ تھا میرا خدا

معاف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا نہیں ہیں
وہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ گویا خدا کے محبوب نبی میں نے آپ کے
فرمان کی بموجب مذہب اسلام اختیار کر لیا ہے۔ اور آپ کے چچا
زاد بھائی حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ افسوس ہے کہ
میں مسلمانوں کی خدمت نہ کر سکا کاش میں پہلے ہی مسلمان
ہو جاتا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ تا زندگی حضورؐ کا خادم بن کر رہوں گا۔
میں اظہار عقیدت اور مودت کے لئے اپنے بیٹے ارہا کو خدمت
اقدس میں روانہ کر رہا ہوں۔ اگر حضور انورؐ کا حکم ہو گا۔ تو میں بھی
حاضر دربار رسالت میں ہوں گا۔

مجھے بالکل یقین و اعتماد ہے۔ کہ حضور اکرمؐ جو کچھ فرماتے ہیں۔
وہ حق ہے۔ اے خدا کے رسول آپ پر سلام ایک بار نہیں
ہزار بار سلام۔

تمام مسلمان اس خط کو سن کر کمال مسرور ہوئے خصوصاً حبش کے بادشاہ کے
مسلمان ہو جانے سے انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے شہزادہ ارہا کی مدارات میں انتہا کر
دی۔ شہزادہ مسلمانوں کا جوش اخوت اور شوق تواضع دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ چونکہ
خیبر کی فتح کی شہرت خیبر کے قرب و جوار کے یہودیوں اور مشرکوں کو پہنچ چکی تھی۔ اس
لئے وہ مسلمانوں کی طرف سے اندیشہ ناک ہو رہے تھے۔

انہیں خوف ہو گیا تھا۔ کہ مسلمان ان کے قلعوں اور قصبوں پر قبضہ نہ کر لیں۔
اس لئے انہوں نے خود ہی مصالحت کے لئے پیش قدمی شروع کی تھی۔ خیبر کے قریب
ہی فدک ایک مقام تھا۔

نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ انگور۔ کھجوروں۔ نیز دوسرے میووں کے کثرت سے
باغ تھے۔ ان باغات اور سبزہ زار ہونے کی وجہ سے اسکا نام باغ فدک مشہور ہو گیا تھا۔
اس میں یہودی آباد تھے۔ اور یہودیوں کا اس پر قبضہ تھا۔

جب اسلامی لشکر فدک کے قریب پہنچا۔ تو وہاں کے معزز یہودی آنحضور صلعم کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ صرف ہماری جانوں کو امان دیجئے ہمارے اہل

رعایا کو پناہ دیجئے۔ ہم کو اپنی رعایا بنا لیجئے۔ مال و اسباب جس قدر ہے۔ وہ سب حضور کی نذر کرتے ہیں۔

فدک کے یہودیوں نے اہل خیبر کو امداد دی تھی۔ اس لئے انھیں خوف تھا کہ کہیں ان پر یورش کر کے ان کے زن و فرزند کو تہ تیغ نہ کر ڈالیں۔

چونکہ انھیں کسی طرف سے امداد کی توقع نہ تھی۔ اور وہ خود مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اپنی اور اپنے زن و فرزند کی جان کی امان پر ہی مصالحت کی استدعا کی۔

مسلمان نہیں چاہتے تھے۔ کہ ان سے مصالحت کی جائے۔ مگر آنحضور صلعم نے انکی درخواست منظور کر لی۔ باشندگان فدک کو امان دیدی گئی۔ ان سے زر نقد اور سامان عشرت لے لیا گیا۔

چونکہ فدک[1] بغیر حملہ کرنے یا خون کا ایک قطرہ بہنے کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اسلئے خدا اور اس کے رسول کی ملکیت سمجھا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فدک کی آمدنی کو بیت المال میں داخل کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کی آمدنی سے آنحضور صلعم کے وصال کے بعد سے حضرت فاطمہ بنت رسول اور حضرت علی المرتضیٰ (حضرت فاطمہ کے شوہر) مستفید ہوتے چلے آرہے تھے۔

اس مسئلہ پر اسلام کے دو زبردست فرقے اہل سنت اور اہل تشیع آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔ بحث و مباحثے کرتے ہیں۔ بزرگوں کی شان میں گستاخیوں پر اتر آتے ہیں۔ ایک دوسرے کو برا کہنے لگتے ہیں۔

افسوس نہیں سمجھتے اس بات کو کہ حضرت عمرؓ نے باغ فدک اپنے قبضہ میں کر کے اسکی آمدنی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس کی آمدنی بیت المال میں داخل کی۔

---

[1] چونکہ ہمارے ملک کے مسلمانوں کے سب فرقوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے ہم بحث سے گریز کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل کہ باغ فدک کی آمدنی بیت المال میں داخل کرنا شروع کر دیا تھا۔ جائز تھا یا نا... مسلمان سمجھ لیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ دونوں بزرگ تھے ہم پر انکا احترام واجب ہے۔

(صادق صدیقی)

بیت المال تمام مسلمانوں کا خزانہ سمجھا جاتا تھا۔ سارے مسلمان کو اس خزانہ سے تنخواہ اور روزینے دئے جاتے تھے۔

اگرچہ یہ صحیح ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ باغ فدک کے نکل جانے سے کچھ آزردہ خاطر ہوئے تھے۔ لیکن نہ وہ حضرت عمرؓ سے بدظن ہوئے اور نہ انہوں نے کسی سے شکایت کی بلکہ جس طرح سے وہ پہلے اسلام کی خدمت کرتے تھے۔ اسی طرح اس واقعہ کے بعد بھی کرتے رہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے کبھی دنیا کے مال و متاع پر نظر نہیں کی وہ صوفی منش اور درویش صفت تھے۔

دنیا اور دنیا کے مال و متاع کو ہیچ و ناکارہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مال غنیمت سے جو حصہ انکو ملتا تھا۔ وہ فقراء اور مساکین اور یتامیٰ میں تقسیم کر دیتے تھے۔ یہانتک کہ ایک وقت کے کھانے کیلئے بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ یہ اثر تھا اس تعلیم کا جو آنحضورؐ سے حاصل کی تھی۔

انہوں نے اکثر و بیشتر دیکھا تھا۔ کہ حضرت محمدؐ کے پاس جب کبھی تحائف آتے یا مال غنیمت ملتا۔ تو آپ اسے مساکین و فقراء معذوروں اور یتیموں میں تقسیم کر دیتے۔ اپنے پاس ایک حبہ تک نہ رکھتے تھے۔ آج مسلمان اس لئے باہم لڑتے ہیں۔ کہ باغ فدک حضرت علی المرتضیٰ کی ملکیت تھا اور حضرت عمرؓ نے اسے چھین لیا۔ حالانکہ اس واقعہ کو صدیاں گذر چکی ہیں۔ لیکن ہماری ذہنیت اس قدر خراب ہو رہی ہے کہ ایک یہی واقعہ ہم میں انقلاب اتفاق نہیں ہونے دیتا۔

ممکن تھا کہ مسلمان اس واقعہ کو بھول جاتے اور کبھی اس کا تذکرہ نہ کرتے لیکن عیسائی اس معمولی واقعہ کو بڑی آب و تاب سے ایسے لب و لہجہ میں لکھتے ہیں۔۔۔ کہ مسلمانوں کے ہر دو فریق دست و گریباں ہوتے ہیں۔۔

زمانہ کروٹ بدل رہا ہے۔ جو قومیں اتفاق و اتحاد کے نام سے بھی واقف نہ تھیں۔ وہ منفق و متحد ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر مسلمان جنھیں خدا نے متحد رہنے کا حکم دیا ہے نفاق کی بلا میں مبتلا ہو کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دنیا میں ذلت و نکبت اور عقبیٰ میں ندامت و عقوبت ہوگی۔

کاش خدا مسلمانوں کو عقل دے اور وہ ان تمام فروعات کو بھول کر اسلام کے

اصولوں پر کاربند ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کریں۔ مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک۔ اور پھر آپس میں کٹ مر رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ دنیا ان کی اس مضحکہ خیزی پر ہنس رہی ہے اور اسلام ان کی اس جہالت پر ماتم کر رہا ہے۔

دوسری قومیں آپس میں جھگڑے ختم کرکے متحد و متفق ہو کر ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں۔ دنیا میں ان کی دھاک بیٹھتی جاتی ہے۔ اور ہم ہیں۔ کہ ابھی تک بیوقوفوں کی طرح لڑتے چلے جا رہے ہیں۔ ذلیل ہو رہے ہیں۔ مگر احساس نہیں کرتے۔

ہم ننگ اسلام بن گئے ہیں۔ اور ہم نے اپنی قومی روایات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اسلامی لشکر فدک سے روانہ ہو کر وادی القریٰ میں پہنچا اس جگہ بھی یہودی آباد تھے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضورؐ نے مسلمانوں کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان بڑھے۔ نہایت جوش و غضب سے بڑھ کر بڑھے۔

یہودیوں نے تیر اندازی شروع کی بڑی کثرت سے تیر پھینکے مگر مسلمانوں کے سیلاب کو نہ روک سکے۔ دوسرے پہلے ہی ہلے میں قلعہ فتح ہو گیا۔ شکست خوردہ یہودیوں نے مصیبت کے بعد صلح کی استدعا کی۔ اگرچہ مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے تھے اب انہیں صلح کی استدعا پیش کرنے کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ مگر پھر بھی آنحضورؐ نے ان کی حسب آرزو صلح کر لی۔ اور قلعہ پھر انہیں قبضہ دیدیا۔ دنیا کے جہان کی کوئی فاتح قوم ایسی نظیر نہیں پیش کر سکتی کہ جس قلعہ کو بزور شمشیر فتح کیا گیا ہو۔

جو قوم متعدد مرتبہ دشمنی اور عداوت کر چکی ہو مفتوحہ قلعہ اسی قوم کے سپرد کر دیا گیا ہو۔ اس کی ابتداء مسلمانوں نے ہی کی وجہ یہ تھی کہ آنحضورؐ دل سے چاہتے تھے کہ تمام ملک میں امن قائم رہے۔ اور ہر قوم صلح و آشتی سے رہے۔

آنحضور صلعم وادی القریٰ سے بڑھ کر مقام تیما میں پہنچے۔ یہاں بھی یہودی آباد تھے اور انہوں نے بھی انہیں شرائط پر اطاعت قبول کر لی۔ جن پر شرائط پر وادی القریٰ کے متمکنہ والوں نے کی تھی۔

اب لشکر اسلام مقام تیما سے چل کر نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ یہاں مسلمانوں کو اس فاتح لشکر کی آمد سے خوشی ہوئی۔ وہاں منافقوں اور مشرکوں کو کمال رنج و افسوس ہوا۔

خصوصاً اس وجہ سے کہ فتح خیبر کے اموال غنیمت اور زرعی زمینوں وجہ سے مسلمانوں کا افلاس دور ہوگیا۔ ان کی پریشانی حالی جاتی رہی وہ فارغ البال ہو گئے تھے نیز اس وجہ سے بھی کہ مسلمانوں کے قبضہ میں متعدد قلعے اور سینکڑوں میل کا رقبہ آگیا تھا۔

اب ان کی مستقل حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اسلام کا سکہ ہر چاروں طرف بیٹھ گیا تھا اور چونکہ اسلام کا عروج کفر و شرک سے تنزل کے مترادف تھا۔ اس لئے مشرکوں کو اس سے بڑا صدمہ ہو رہا تھا۔

ابھی آنحضور صلعم کو مدینہ میں تشریف لائے چند ہی روز ہوئے تھے کہ حارثہ مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ میں داخل ہوا اور مسجد نبوی کے قریب فروکش ہو گیا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تحقیقات شروع کی اسے معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے بہتر انسان اور اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہے چنانچہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مع اپنی تمام جماعت کے مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے اپنا تمام واقعہ مسلمانوں کو سنایا۔

جمیلہ کا زندہ دفن کیا جانا اسکا نکالنا سلیمہ کا ملنا۔ اس کا سلیمہ اور جمیلہ کی پرورش کرنا تحصال ان کا عورتوں کو پکڑ لے جانا۔ اسکا تعاقب کرنا۔ وادی الموت کے جنگلوں میں پہنچنا غرضکہ جس قدر واقعات پیش آئے تھے یکے بعد دیگرے سب سنا دیئے اسکی داستان سنکر تمام مسلمانوں کو بڑا افسوس ہوا۔ انہیں اس سے اور اس کے ہمراہیوں سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی۔

ایک روز آنحضور صلعم نے تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام مسلمان آگئے تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے اور حمد باری تعالیٰ کے بعد ارشاد فرمایا مسلمانو! خدا کی عبادت کرو۔ نماز قلب کو تسکین دیتی ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی غمگین کیوں نہ ہو نماز اسے تسلی دیکر اسکے غم و فکر کا ازالہ کر دیتی ہے۔

نماز معبود اور بندے کے درمیان عبودیت کا رشتہ ہے۔ خدا ہر نماز پڑھنے والے بندے پر مہربانی کرتا ہے۔ جو خدا کو یاد کرے خدا اسے یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے یاد کرتا ہوں۔

سوچو اس سے زیادہ کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ خدا بندے کو یاد کرے قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ وہ مسلمان ٹوٹے میں رہیں گے جو نماز نہیں

پڑھتے یا انسا ہی بے وقت بے وقت پڑھتے ہیں۔ ایسے مسلمان دوزخ کا ایندھن بنیں گے
دوزخ بہت بری جگہ ہے جس میں آگ کے شرارے بلند ہیں۔ آگ کے سانپ
آگ کے بچھو اور آگ کے دوسرے ایسے جانور ہیں جن کے ڈنگ کا اثر کئی برس تک انسان
کی روح کو کھولاد اتار ہے گا۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہے جو نماز کو چھوڑ کر دوزخ
میں جانا پسند کرے گا۔

خدا اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ ایسا شخص جنت میں
داخل ہوگا جنت ایک پرفضا سبزہ زار اور راحت افگن باغ کا نام ہے۔ جس کی
نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

اس باغ میں عجیب دغریب خوش ذائقہ میوے پرتکلف مکانات میں بہترین
آرائشی ساز وسامان۔ نفیس غالیچے۔ عمدہ مسہریاں۔ خالص چاندی سونے کے تخت۔
بہترین خدمتگار جنہیں غلمان کہتے ہیں۔ خوبرو کنیزیں جو حوریں کہلاتی ہیں۔ نیز جن کی
خوبصورتی کو دنیا کی حسین سی حسین عورتیں نہیں پہنچ سکتیں موجود ہیں۔

سفید اور شیریں پانی کے چشمے جاری ہیں۔ جو بہشت میں داخل ہوا اس نے زندگی
کے ماحاصل کو پالیا۔ خدا پرستوں اور ہمسایہ سے نیکی کرو۔ والدین کی اطاعت
کرو۔ جو اولاد والدین کو ستاتی ہے اور برا کہتی ہے۔ یا جو عورت اپنے شوہر کو تکلیف دیتی
ہے۔ اسکی خدمت نہیں کرتی۔ اس کہنا نہیں مانتی۔ یا جو شوہر اپنی بیوی کو ایذا دیتا ہے
اس پر الزام لگاتا ہے۔ اسے کھانے پہننے کی تکلیف دیتا ہے یا جو باپ اپنی اولاد کی
تربیت اچھی طرح سے نہیں کرتا۔

یہ سب اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ لہذا ان سب کو دوزخ میں داخل کریگا
نیز جن لڑکیوں کو زندہ دفن کیا گیا ہے۔ خدا ان کے بے رحم والدین سے دریافت
کرے گا کہ تم نے کیوں ان معصوم بچیوں کو زندہ دفن کیا تھا۔

وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے۔ ایسے انسان بھی دوزخ کا ایندھن
بنیں گے۔

بعض نا سمجھ غریب اپنی اولاد کو۔ اس لیے قتل کر ڈالتے ہیں کہ وہ ان کی پرورش
کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ یہ بھی بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

ترجمہ۔ اے پیارے نبی کہو۔ آؤ میں پڑھوں۔ جو کچھ خدا نے تم پر حرام کیا ہے۔ سنو! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو! ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے نہ مار ڈالو! ہم انھیں اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

مسلمانو! ہمیشہ متحد و متفق ہو کر رہنا۔ نفاق بربادی کی جڑ ہے۔ تم سب آپس میں بھائی ہو بھائیوں کی لڑائی خاندان کو تباہ کر دیتی ہے۔ خدا تم سے خوش رہیگا۔ جب تک اتفاق سے رہو گے۔ زنا۔ جوا۔ شراب خوری۔ جمعیت چغلی خوری۔ چھپ کر کسی کی بات سننا نہایت مذموم باتیں ہیں! ان سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔

ان میں سے کوئی بات نہ کرنا۔ پرہیزگاری بڑی اچھی چیز ہے۔ تم نمونہ بنو نیکی کا تقویٰ اور خدا پرستی کا بیجا اسراف سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔ ہر بات میں اعتدال رکھو۔ بیمار کی تیمارداری کا بڑا ثواب ہے۔ اگر دو مسلمانوں میں کسی بات پر رنجش ہو جائے۔ تو جو اس رنجش کو مٹانے کی کوشش کرے گا خدا اسے دوگنا ثواب دے گا مگر جو مسلمان تین روز سے زیادہ ناخوش رہے گا اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور خدا اس سے بیزار ہو جائے گا۔

مسلمانو! تم مجسم اخلاق! نیکی کے نمونے اور پرہیزگاری کے پیکر بن جاؤ۔ کبھی حصول دنیا کی کوشش نہ کرو۔ جو دنیا میں پھنسا۔ خدا سے روگرداں ہوا۔ عشرت خدا کی یاد کو بھلا دیتی ہے۔ اور جو انسان خدا کو بھول جاتا ہے۔ خدا اسے بھول جاتا ہے۔ جسے خدا بھول جائے۔ اسکی ذلت و ہلاکت میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کرے۔ روزے رکھے۔ زکوٰۃ دے۔ حج کرے۔ اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔ ہمسایوں کو تکلیف نہ دے کسی کو بری نظر سے نہ دیکھے۔ زنا نہ کرے۔ شراب نہ پیئے۔ جوا نہ کھیلے۔ اور کوئی برا کام نہ کرے۔ والدین کی اطاعت کرتا ہے۔ بچوں کو محبت سے پالے۔ تعلیم دلائے۔ تربیت کرے۔ ادب سکھائے۔ وعدہ وفا کرے۔ میری دعا ہے۔ کہ خدا مسلمانوں کو بری باتوں سے بچائے اور نیک کام کرنے کی توفیق دے۔

آپ نے یہ تقریر فرما کر منبر سے نیچے آئے۔ مسلمانوں پر آپکی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا تمام مسلمانوں نے عہد کر لیا۔ کہ وہ خدا اور رسولؐ کے تمام احکام کی تعمیل کریں گے۔ چند روز کے بعد آنحضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ وہ مکہ چل کر حج کرنے کی تیاریاں کریں۔

حدیبیہ میں جو صلح ناہ کفار مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس میں یہی شرط بھی تھی کہ اس سال مسلمان حج نہ کریں۔ آئندہ سال آ کر حج کر لیں۔ اب سال ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی تیاریاں شروع کیں نہایت شوق اور بڑے جوش سے تیاریاں کی جانے لگیں ہر مسلمان تیاریوں میں مصروف آنے لگا۔

سولھواں باب (۱۶)

آفتاب عالم مکہ میں

حارثہ اور اس کے ہمراہی مسلمان ہو گئے تھے۔ بنی قحطان کے وہ قیدی بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ جو کہ حارثہ کی حراست میں تھے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی وہ آزاد ہو گئے اور انکو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جو مسلمانوں کو تھے۔

حارثہ نے بھی حج کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ سلمی اور جمیلہ کو بھی یاد وطن نے بے قرار کر دیا تھا۔ اور وہ بھی مکہ جانے کیلئے آمادہ ہو گئیں۔

جمیلہ اب جوان ہو گئی تھی۔ نسائیت کی تمام خوبیاں۔ حسن کی تمام شادابیاں۔ نزاکت کی تمام دلفریبیاں اس میں موجود تھیں۔ وہ پیکر حسن و جمال ہو گئی تھی۔

گلاب کے پھولوں میں وہ دلکشی۔ وہ شادابی۔ وہ رنگینی نہ تھی۔ جو اسکے عارض تاباں میں تھی۔ اس کا چہرہ ماہ چہاردہ سے زیادہ روشن۔ زیادہ دلکش۔ اور زیادہ ملیح تھا۔ اس کی مست و حسین آنکھیں دیدہ زیب روشنی سے منور تھیں۔

جو اسکو دیکھتا۔ گرویدہ اسکا ہو جاتا تھا۔ اور جسے وہ دیکھ لیتی تھی۔ وہ مخمور ہو کر اسے دیکھتا رہ جاتا تھا۔ رتبہ عدی کی بیٹی بھی شباب کی شادابیوں میں غرق اور حسن کی رنگینیوں میں مستغرق تھی۔

ان دونوں کی شادی کے پیغام آ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک حارثہ نے کسی کو زبان نہ دی تھی۔ وجہ تھی کہ وہ سلمی کی منشاء کے خلاف کوئی کام نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور سلمی کی ابھی ان دونوں کی شادی کرنے کی منشاء نہ تھی۔

اسی دوران میں آنحضرت صلعم نے حج کا حکم دے دیا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے حج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ذیقعدہ سنہ ۷ھ کے پہلے عشرہ میں آنحضور صلعم مکہ روانہ ہونے کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضور صلعم کے ہمراہ دو ہزار مسلمان تھے۔ بہت سی عورتیں اور بچے بھی شامل ہو گئے۔ سلمیٰ۔ جمیلہ اور رقیہ بھی ہمراہ ہو گئیں۔

آنحضور صلعم نے اس مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ کو مدینہ کا حاکم (گورنر) مقرر فرمایا۔ مسلمان بڑے شوق اور نہایت شان کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قربانی کے اونٹوں کی قطاریں۔ قافلہ کے آگے دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس راستہ سے زائرین کا یہ قافلہ گذرا مشرکین پر رعب و داب کا سکہ بٹھلاتا چلا گیا۔ چونکہ خیبر کی فتح کی خبریں اب تمام عرب میں مشہور ہو گئی تھیں۔ اس لئے مسلمان اب فاتح قوم شمار ہونے لگی تھی۔

اب مشرک مسلمانوں سے خائف ہو گئے۔ کہ جیسا کہ قاعدہ ہے۔ کہ فاتح قوم کی مدارات ہر قوم باعث فخر سمجھتی ہے ایسے ہی مشرکین عرب ہر منزل پر مسلمانوں کی مدارات کرنے لگے

جب یہ شاندار قافلہ مکہ کے قریب پہنچا تو اہل مکہ انہیں دیکھنے کیلئے امڈ آئے وہ مسلمانوں کی وافر جمعیت اور شاندار ساز و سامان دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مسلمان مفلس قوم تھی۔ یا اسلام مفلسوں سے شروع ہوا تھا۔ مگر خیبر کی فتح نے مسلمانوں کو غنی بنا دیا تھا۔ اور وہ اس وقت بڑی شان سے حج کرنے آئے تھے تمام مسلمان آلات حرب سے آراستہ تھے۔

کفار کا لشکر بدر۔ احد۔ اور مدینہ میں جس شان اور جس ساز و سامان سے جا چکا تھا مسلمانوں کے اس قافلہ کی شان اس سے دوبالا تھی۔ کفار مکہ مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر مرعوب و خائف ہو گئے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں کفار قریش بدعہدی کر کے اس مرتبہ بھی انھیں عمرہ سے نہ روکیں اس لئے وہ جملہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔

کفار مکہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو اس مرتبہ بھی حج کرنے سے روک دیتے لیکن مسلمانوں کی کثیر جمعیت اور سامان حرب کی فراوانی کو دیکھ کر انہیں جرات نہ ہوئی

جب زائرین کا یہ قافلہ مرالظہران میں پہنچ کر فروکش ہوا تو کفار مکہ کی جانب سے مکرز بن حفص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے نہایت ادب کے ساتھ آنحضور صلعم سے عرض کیا۔ یا محمد! جب آپ حج کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں تو یہ اسلحہ بندی کیوں ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اس لئے کہ کفار مکہ بدعہدی نہ کریں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ تم اطمینان سے رہو۔ یہ اسلحہ بندی تمکو نقصان نہیں پہنچائیگی میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ مگر جب واقعات مجبور کر دیتے ہیں تو حفاظت خود اختیاری کے لئے لڑنا پڑتا ہے۔ کفار مکہ سے کہدو کہ وہ خوف نہ کریں۔ ہم مسلمان ہیں۔ اور مسلمان کبھی نقض عہد نہیں کرتا۔

مکرز واپس چلا گیا۔ دوسرے روز آنحضور صلعم نے وہاں سے کوچ کیا۔ احرام باندھے اور قافلہ کو اس شان سے روانہ کیا۔ کہ میلوں لمبا ہو گیا۔ دور تک۔ اونٹوں اور گھوڑوں کی قطار پھیل گئی۔

چونکہ حج کا زمانہ تھا مشرکین عرب بھی حج کیا کرتے تھے۔ اس لئے اطراف و جوانب سے ہزار ہا اعرابی آئے تھے۔ مسلمانوں کو دیکھنے کیلئے مکہ کے راستوں پر دورویہ کھڑے ہو گئے تھے۔ عورتیں اور بچے مکانوں اور دوکانوں کی چھتوں پر جا کر چڑھے آخر مسلمان نہایت شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور بیت اللہ کی طرف بڑھنے لگے انہوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہی۔ اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز سن کر تمام کفار سراسیمہ اور پریشان ہو گئے۔

وہ گھبرائی اور سہمی ہوئی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے مگر مسلمان نہایت بے خوفی سے سر جھکائے ہوئے چل رہے تھے۔ قربانی کے اونٹ آگے تھے ان کے پیچھے تمام مسلمان چار چار کی قطار میں۔ احرام باندھے ہوئے۔ سپاہانہ انداز سے فوجوں کی شکل سے پیدل چل رہے تھے۔

ان کا تانتا دور تک لگا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے ان کی سواریوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں دور تک پھیلی ہوئی تھیں آج تک کوئی قافلہ اس شان و شکوہ سے حج کرنے کے ارادہ سے مکہ میں داخل نہیں ہوا تھا جس شان سے مسلمان داخل ہوئے۔ آنحضور صلعم مسلمانوں کے درمیان میں تھے۔ آپکے گرد آپکے جان باز و جان نثار تھے۔ خدا کی شان ہے کہ وہی مسلمان جن پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ کفار قریش نے بیہمانہ اور سنگدلانہ مظالم کئے تھے۔

جن کو تین سال تک بے آب و دانہ شعب ابی طالب میں محبوس رکھا گیا تھا جو ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ جن کے مکانات مشرکین مکہ نے ضبط کر کے اپنے قبضہ میں کر لیئے

تھے۔ نیز جن کا دشمن مکہ کا بچہ بچہ تھا۔

آج وہی مسلمان نہایت کروفر کے ساتھ اور بڑی شان سے مکہ کی گلیوں اور راستوں کو طے کر رہے تھے۔ اور سارا عرب حیرت انگیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کے فنا کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی۔ مگر باوجود تمام کوششوں کے اسلام پھیل گیا۔ اور مسلمان بڑھ رہے تھے۔ چنانچہ آج انکی اسقدر طاقت بڑھ گئی تھی۔ کہ کفار مکہ کو انہیں حج سے روکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مسلمان بڑھ کر بیت اللہ کے سامنے پہنچے۔ یہاں ہو چکر آنحضور صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ کندھوں کو برھنہ کرلو اور احرام کا کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر گردن کے گرد لپیٹ لو۔ اور نہایت مستعدی اور سرگرمی سے دوڑ کر طواف کرو۔ مسلمانوں نے فوراً ان کے احکام کی تعمیل کی۔ وہ تیزی سے دوڑ دوڑ کر طواف کرنے لگے۔ مشرکین عرب مسلمانوں کی جفاکشی مستعدی اور شوکت و قوت دیکھ کر حیران رہ گئے حضور اکرم اور تمام مسلمان مراسم حج سے فارغ ہو کر بیت اللہ کے سامنے والے میدان میں فروکش ہو گئے۔ اور وہیں قربانیاں کیں۔

حج سے اگلے دن بنی خزاعہ کے لوگ حاضر ہوئے۔ اور مصالحت کی درخواست کی ان میں سے ایک شخص نے کہا حضور ہمیں بنی بکر کی طرف سے اندیشہ ہے چونکہ آپ نے مصالحت کر لی ہے۔ اسلئے خوف ہے کہ کہیں وہ ہم کو برباد نہ کر دیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ بنی بکر اہل قریش کا حلیف ہے۔ قریش نے ہم سے دس سال کے لئے مصالحت کر لی ہے۔ عہد نامہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ قبیلہ جس قریش سے چاہے مصالحت کرے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ اور یہ حلیف قبائل بھی دس سال تک ہم عہد رہیں گے اسلئے بنی بکر سے اندیشہ نہ کرو۔

اور اگر انہوں نے نقض عہد کیا۔ اور قریش نے انہیں سزا نہ دی تو عہد نامہ ختم ہو جائیگا اور پھر ہم بد عہدی کرنے والوں کی گوشمالی کریں۔ بنی خزاعہ یہی چاہتے تھے۔ دراصل وہ بنو بکر سے خائف تھے۔ حضور کے اس ارشاد سے انہیں تسلی ہو گئی اور وہ چلے گئے۔

اسی روز مغرب کے وقت آنحضور حرم شریف میں پہنچے۔ آپنے حضرت بلال رض کو حکم دیا کہ مینار پر چڑھ کر اذان دے۔ حضرت بلال رض نے حکم کی تعمیل کی جب وہ اذان دے رہے تھے تو مشرکین عرب نہایت غیظ و غضب سے بھر کر حرم کی طرف چلے وہ کسی طرح سے

سے گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ کہ بیت الحرام میں بتوں کی موجودگی میں خدا کا نام پکارا جائے لیکن جب وہ حرم میں پہنچے اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع دیکھا تو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور خاموش کھڑے رہے۔

آذان کے بعد جماعت کھڑی ہوئی۔ آنحضور صلعم نے نماز پڑھانی شروع کی نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے لگے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص دونوں اب تک بحالت کفر تھے۔ دونوں آذان کی آواز سن کر مسلمانوں کو سرزنش کرنے آئے تھے۔ بڑے بہادر بڑے جانباز اور نڈر تھے۔ لیکن جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو آذان ختم ہو کر نماز ہو گئی تھی وہ ایک طرف کھڑے ہو کر مسلمانوں کو دیکھنے لگے اور قرآن مجید سننے لگے۔ حضور کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

ترجمہ:۔ یعنی سب کچھ فنا ہونے والا ہے صرف برابر قدرت پروردگار بڑے مرتبہ والا اور بڑی مہربانی والا باقی رہے گا۔ پس اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔ اہل زمین اور اہل آسمان اسی سے مانگتے ہیں۔ جو کچھ انکی خواہش ہوتی ہیں پس اے اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔

خالد نے کہا۔ عمرو! کیسا شیریں کلام ہے ہبل کی قسم میں نے اس سے پہلے ایسا شیریں کلام کبھی نہیں سنا۔ یہ کلام انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔

عمرو کلام پاک سننے میں محو رہے۔ انہوں نے چونک کر کہا واقعی نہایت شیریں فصیح اور نہایت پر اثر کلام ہے۔ محمد تو بالکل ان پڑھ ہے وہ ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے۔

خالد نے کہا آؤ لوٹ چلیں کہیں اس کلام کو سننے ہی ہم مسلمان نہ ہو جائیں عمرو نے کہا۔ ہاں چلو اگر تھوڑی دیر ہی اور رکے تو یقیناً مسلمان ہو جائیں گے۔ اف کیسا شیریں کلام ہے۔ کیسا رس ٹپکتا ہے۔ کیسا دل کی گہرائیوں میں اترا چلا جاتا ہے کیا ہبل کے علاوہ واقعی کوئی رب ہے۔

خالد نے کہا میں نہیں جانتا۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو کلام اسوقت پڑھا۔

جا رہا ہے۔ وہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

وہ دونوں جلدی سے لوٹے اور لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے چلے گئے۔ حضور نماز ختم کر کے اپنی جائے قیام پر آ گئے۔ تین روز تک اسی میدان میں فروکش رہے۔ چوتھے روز سہیل اور حویطب مشرکین مکہ آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ آج آپ کو تین دن ہو چکے ہیں۔ اب عہد نامہ کے بموجب آپ کو واپس چلے جانا چاہیئے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ تمہاری یاد دہانی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ میں خود ہی آج چلے جانے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور تمام مسلمان تیار ہو گئے۔

سب جس شان سے آئے تھے۔ اسی شان سے چلے۔ جب آپ مکہ سے باہر نکلے تو ایک خوبرو لڑکی دوڑتے ہوئے آئی۔ اور آنحضور صلعم کے پاس آ کر بولی۔ چچا جان مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

یہ بیکس معصومیت۔ یہ چھوٹی لڑکی حضرت امیر حمزہ سید الشہداء کی صاحبزادی تھی۔ آنحضور صلعم نے اسے گود میں اٹھا کر سینے سے لگایا بھینچا۔ اور پیار کیا۔ اتنے میں حضرت علی المرتضیٰ تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا۔ یا رسول اللہ یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ اس یتیم بچی کو میں پرورش کروں گا۔

حضرت زید بن حارث نے کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ امیر حمزہ میرے دینی بھائی تھے اس لئے اس لڑکی پر میرا حق ہے۔ اور یہ مجھے عطا فرمائی جائے۔ حضرت جعفر بن ابوطالب بھی کہیں سے آ گئے۔ انہوں نے فرمایا حضور اکرم۔ یہ لڑکی میری چچا زاد بہن ہے۔ میری بیوی اس کی خالہ ہے لہذا میرا حق سب سے فائق ہے۔

آنحضور صلعم نے سب کے دعوے سن کر فرمایا۔ بیشک تمہارا حق سب سے زیادہ ہے ایک وہ تمہارے چچا کی لڑکی ہے دوسرے اسکی خالہ تمہاری بیوی ہے۔ خالہ بجائے ماں کے ہوتی ہے۔ اور ماں کی طرح اپنی ہمشیرہ کی پرورش کرتی ہے اس لئے تم اس لڑکی کو لو۔ اور اس کی پرورش کرو لیکن سنو کبھی اسکا دل میلا نہ ہونے دینا اگر اس معصوم بچی کو ذرا تکلیف ہوگی تو اسکے باپ حمزہ کی روح بہشت میں بے قرار ہو جائیگی۔ اس بات کا خیال رکھنا۔ حضرت جعفر نے لڑکی کو گود میں لے لیا اور اپنے ہمراہ کو دوزخ میں بٹھا لیا اب یہ شاندار قافلہ منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

سترہواں باب (۱۷)

معاہدہ شکنی

جب مسلمان حسب معاہدہ حج کر کے چلے گئے۔ تو مشرکین مکہ کو اطمینان ہوا اور وہ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ لیکن خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ دونوں امرائے قریش سے تھے۔ دونوں رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے دونوں کو شکار کا شوق تھا۔ آئے دن شکار میں مشغول رہتے تھے۔

مگر جب انہوں نے قرآن شریف کی چند آیات سنی تھیں۔ اس وقت سے انکے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے اسلام کی عالمگیر جاذبیت اور قرآن مجید کی شیرینی اور مسلمانوں کی باہمی اخوت نے انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

چنانچہ ایک روز دونوں حرم شریف میں اکٹھے ہوئے تو خالد نے کہا عمرو! میرے دل کو کوئی طاقت اسلام کی طرف کھینچ رہی ہے تم اچھی طرح سے یہ جانتے ہو کہ میرا باپ زندگی بھر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا رہا میں بھی انکا دشمن رہا۔ احد کے مقام پر میں نے پہاڑی گھاٹی سے نکل کر ان پر حملہ کیا اور انھیں تباہ کرنے کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی لیکن اب اسلام اور مسلمانوں سے محبت ہو گئی ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ انقلاب میری طبیعت میں کیوں پیدا ہو گیا ہے۔

عمرو نے کہا۔ خالد! میری بھی بالکل ایسی ہی کیفیت ہے جیسی تم نے بیان کی ہے میرے باپ عاص اور میری اسلام دشمنی مشہور ہے مجھے مسلمانوں اور ان کے نبی سے خدائی بیر تھا مگر اب دشمنی خواب و خیال ہو گئی ہے۔ دشمنی کی جگہ نرمی نے لے لی ہے اگر مجھے یہ شرم دامن گیر نہ ہوتی کہ میرا باپ اور میں ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتے رہتے ہیں تو شاید اب تک میں مسلمان ہو گیا ہوتا۔

خالد نے کہا میں سوچتا ہوں کہ یہ بت جو صدیوں سے لگے۔ اس حرم میں رکھے ہوئے ہیں پوجے جاتے ہیں معبود نہیں ہیں پتھر کے مجسمے۔ دھاتوں کے پتلے۔ خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ بت نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ حرکت کرتے ہیں۔ یہ ہماری حاجت برابری کیا کر سکتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمارے بزرگوں نے یکسوئی سے عبادت کرنے کے لئے۔ بت بنائے تھے۔ اور دنیا

کا نام جس میں ہم تم رہتے ہیں، بستے ہیں۔ ان بتوں کے علاوہ کوئی اور ہی خالق ہے وہی زندگی اور موت پر قادر ہے۔

عمرو نے کہا۔ تم نے ٹھیک سمجھا خالد! میں بہت غور و خوض کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خدا وہی ہے جس کی پرستش کی محمد تلقین کرتا ہے دیکھو محمد اُمی ہے لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ مگر جو کلام وہ پڑھتا ہے وہ کیسا شیریں ہوتا ہے۔ پھر وہ برائیوں سے روکتا ہے۔ اور نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ میں بت پرستی سے اکتا گیا ہوں۔

خالد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اور میں بھی اکتا گیا ہوں۔ عمرو چلو۔ مدینہ چلو اور وہاں جا کر مسلمان ہو جاؤ جس خدا سے ہم آج تک سرکشی کرتے رہے جس خدا کو ہم برا کہتے رہے ہیں اسی خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دیں۔

عمرو نے کہا۔ یہ تو تم نے میرے دل کی بات کہدی۔

ایک آواز آئی۔ یہ چپکے چپکے کیا مشورہ کر رہے ہو تم! خالد اور عمرو نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا تو سامنے سے عثمان بن طلحہ مسکراتا ہوا آرہا تھا۔ یہ بھی مکہ کا رئیس تھا۔ خالد اور عمرو کا دوست تھا۔ وہ بھی آ کر ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ خالد نے کہا۔ عثمان ہم سوچ رہے ہیں کہ جس مذہب پر ہم قائم ہیں۔ کیا وہ مذہب حق ہے۔ کیا بت ہی دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں۔

عثمان نے کہا۔ میرے دماغ میں بھی یہی خیال موجزن ہے۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بت خدا نہیں ہیں۔ خدا کوئی اور ہستی ہے۔

عمرو نے جلدی سے دریافت کیا۔ کیا تم بھی اسی خدا کے قائل ہو جس کو مسلمان مانتے ہیں۔ اور کیا مسلمانوں کا مذہب سچا ہے۔

عثمان نے کہا۔ میرا ایسا خیال ہے۔ سوچو! ہمارے مذہب میں شراب حلال ہے حالانکہ شراب پینے والا اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا گندی نالیوں میں لوٹنے لگتا ہے۔

ماں بہن اور بیوی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جوا ہمارے یہاں جائز ہے۔ ایک قمار باز شخص اول درجہ کا بے حیا اور اوباش بن جاتا ہے۔ جب جوا کھیلنے والا ہارنے لگتا ہے تو بیوی بچوں تک کو داؤں لگا دیتا ہے اور پھر چوری اور ڈکیتی پر اتر آتا ہے کسی کو قتل کر ڈالنا اسکے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ کس قدر برا کام ہے یہ زنا جسکو ہم

برا نہیں سمجھتے۔ غرض دنیا بھر کی برائیاں ہم میں موجود ہیں یہ سب مذہب کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اسلام ان تمام باتوں سے روکتا ہے پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہے میرے خیال میں اسلام سچا مذہب ہے۔

خالد نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو کیوں نہ ہم تینوں چل کر مسلمان ہو جائیں۔

عثمان نے کہا۔ نہایت نیک صلاح ہے۔

تینوں اس بات پر متفق ہو گئے مگر چونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر مسلمان ہونے اور مدینہ جانے کا راز فاش ہو گیا تو قریش ان کے روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اس لئے انہوں نے خفیہ خفیہ تیاریاں شروع کیں۔ اور چند روز کے بعد ایک دن صبح صادق سے قبل تینوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی سے مکہ سے نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو لوگوں کو ان کی روانگی کا حال معلوم ہوا۔

مگر قریش یہ خوب جانتے تھے کہ وہ تینوں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ عداوت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ خیال ہی نہ ہوا کہ وہ مدینہ میں دربار رسالت میں حاضر ہونے کے لئے چلے گئے ہیں بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ تینوں شکار کے شوقین ہیں شکار کھیلنے کے لئے گئے ہیں۔ کفار مکہ نے بھی یہی خیال کر لیا۔ وہ دو چار دن میں شکار کھیل کر واپس آجائیں گے۔ مگر جب ہفتہ گزر جانے پر بھی وہ واپس نہ آئے تو ان کو بڑا فکر ہوا اور وہ ان کی تلاش میں اور تجسس میں مصروف ہوئے۔

ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ کفار نے بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے اور بنو بکر نے کفار سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے قبیلہ خزاعہ کمزور تھا اور قبیلہ بنو بکر طاقتور تھا۔ اس لئے بنو بکر والے اہل خزاعہ کے مٹا ڈالنے کی فکر میں رہتے تھے۔ مگر یہ دونوں قبیلے ہر دو فریق کے ہم عہد ہو گئے تھے۔ اسلئے انہیں دس سال تک صلح و آشتی سے رہنا تھا مگر اکثر کوتاہ اندیش انسان طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اہل بنو بکر یہ سمجھ کر کہ مسلمان مدینہ میں سینکڑوں میل کے فاصلے پر رہتے ہیں بنی خزاعہ کی امداد کیلئے نہیں آئیں گے۔ اہل خزاعہ پر چیرہ دستیاں کرنے لگے۔ ہر چند بنو خزاعہ نے انہیں سمجھایا کہ عہد نامہ کی طرف توجہ دلائی مسلمانوں کی عظمت اور قوت سے ڈرایا مگر وہ باز نہ آئے

اور اعلانیہ ان کو ستانے لگے۔

ایک روز محلہ وتیرہ میں جہاں بنو خزاعہ رہتے تھے بنو بکر کے چند اوباش پہنچے اور عورتوں کو چھیڑنے لگے بنو خزاعہ نے اب بھی صبر کیا اور طرح دیکر وقت کو گزارنا چاہا لیکن بنو بکر گویا لڑنے کیلئے آمادہ ہوگئے ان میں سے ایک شخص نے کہا تم مسلمانوں کے بھروسہ پر پھولے ہو کان کھول کر سن لو مسلمان ہمارا کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ایک مجنون ہے (نعوذ باللہ) ہم اسے اور اسکے ساتھیوں کو دم بھر میں پیس ڈالیں گے۔ بنو خزاعہ کے ایک شخص نے کہا اس قدر زیادہ گستاخی نہ کرو تمام عرب نے آج حضرت محمدؐ کو دنیا کا بزرگ ترین شخص مان لیا ہے مسلمانوں کی حکومت مدینہ میں قائم ہوگئی ہے سیکڑوں میل کے علاقہ میں انکی سلطنت پھیل گئی ہے۔ کسی کو برا کہنا انسانیت نہیں ہے۔

بنو بکر لڑنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے انھوں نے فوراً تلواریں کھینچ لیں اور بغیر کچھ کہے سنے بنو خزاعہ کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا بنو خزاعہ کمزور تھے بھاگ نکلے وتیرہ کا بازار بند ہوگیا لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہوکر بھاگنے لگے سنگدل اور اوباش بنو بکر نے بیس (۲۰) آدمیوں کو قتل کر ڈالا شام کے وقت وہ واپس لوٹے اور محلے میں امن وامان ہوا آفتاب غروب ہونے سے قبل بنو خزاعہ کے سربرآوردہ لوگ جمع ہوئے اور دن کے واقعہ پر اظہار تأسف کرکے اس بات پر متفق ہوگئے کہ نوفل سے چلکر شکایت کریں۔

نوفل بنو بکر کا سردار تھا۔ نہایت چالاک اور بے رحم شخص تھا۔ بنو خزاعہ اسکے مکان پر پہنچے اور اسی سے شکایت کی کہ اس قبیلہ والوں نے بلا وجہ ان کے بیس آدمی مار ڈالے نوفل نے تمام واقعہ سن کر کہا۔

بہت ہی اچھا ہوا تم مسلمانوں سے معاہدہ کرکے مغرور ہوگئے ہو اب مسلمانوں کو اپنی امداد کیلئے بلاؤ۔ بنو خزاعہ کے سردار نے کہا۔ لیکن آپ اہل قریش کے حلیف ہیں اور ان کا مسلمانوں سے معاہدہ ہے آپ بدعہدی کرکے آتش جنگ مشتعل نہ کریں نوفل نے ہنس کر کہا بے وقوفو! اس سے آتش جنگ مشتعل نہیں ہو سکتی ہم نے تہیہ کیا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے مصالحت کریں گے ان سب کو قتل کر ڈالیں گے کمینو! تم نے قریش چھوڑ کر مسلمانوں سے مصالحت کیوں کی اب اس کا مزہ دیکھو۔ ایک شخص بھی تمہارے قبیلہ کا زندہ نہ رہنے پائے گا۔

بنو خزاعہ مایوس ہوکر واپس لوٹے۔ جب وہ واپس لوٹے تو نوفل نے صفوان بن

امیہ عکرمہ بن ابو جہل بن عمرو وغیرہ کو بلاکر تمام واقعہ سنایا۔ اور کہا یہ موقع ہے کہ تم آج رات کو بنو خزاعہ پر شب خون ڈالیں گے۔ اس سے ان لوگوں پر جو مسلمانوں سے معاہدہ کر چکے تھے۔ اثر پڑے گا اور وہ ہماری طرف جھکیں گے اور پھر ہماری قوت بہت کچھ بڑھ جائے گی۔ صفوان نے کہا۔ بہت اچھی تدبیر ہے تم نے پہلے ہی یہ بات کیوں نہ سوچی۔ نوفل نے کہا۔

تمام لوگوں نے اپنے اپنے غلام بھیج کر لشکر بلا لئے۔ نوفل نے بھی اپنا لشکر بلا لیا تھا یہ سب سرکش بد عہد اور مکار لوگ۔ رات کی تاریکی میں اپنی ظالمانہ حرکات سے عہد نامہ کی دھجیاں اڑانے گھٹنے کر روانہ ہوئے۔ آدھی رات کے قریب محلہ وتیرہ میں پہنچے اندھیری رات تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی تھی۔ ستارے آسمان پر بکھرے ہوئے تھے۔ چمک رہے تھے کائنات کا ذرہ ذرہ خاموش تھا۔

بنو خزاعہ بے فکری سے گھروں میں گھسے آرام کی نیند سو رہے تھے۔ کہ دفعتاً دنیائے سکون مکدر ہو گئی۔ مختلف آوازوں سے محلہ گونج اٹھا۔ بنو بکر اور اہل قریش کی بے پناہ تلواریں مظلوم بنو خزاعہ کو قتل کرنے لگیں۔ مردوں عورتوں اور بچوں کی تخصیص نہ رہی جو سامنے آگیا بے دریغ قتل کر دیا گیا بنو خزاعہ اس اچانک افتاد سے سراسیمہ ہو گئے اور وہ گھبرا کر دوڑے اور حرم شریف میں جا چھپے عربوں کا یہ قانون پہلا تھا کہ جو شخص حرم میں پناہ لے لیتا تھا۔ اسے نہ قتل کیا جاتا تھا۔ خیال کرتے کہ وہ بتوں کی پناہ میں آگیا ہے۔ مگر بنو خزاعہ کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ وہ حرم میں بھی قتل کئے گئے۔ کفار مکہ کو اس بات پر غصہ تھا۔ کہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے کیوں مصالحت کی۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان سیکڑوں میل کے فاصلہ سے ان کی امداد کو نہ آئیں گے اسلئے ان پر انتہائی سنگدلانہ اور بے رحمانہ ستم کر رہے تھے۔

بدیل بن ورقہ قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ جب کفار مکہ اس کے گھر میں گھس کر اس کا سامان لوٹنے لگے تو اس نے بلند آواز سے کہا اے شہ مدینہ اے خاتم النبیین ہماری فریاد سنئے۔ ہم پر اسلئے ظلم کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ سے مصالحت کیوں کی۔ آئیے ہم کو ان بھیڑیوں سے بچائیے۔ اسی وقت ایک بارعب آواز آئی۔ لبیک لبیک اے بنو خزاعہ سب اس آواز کو سن کر حیران ہوئے کفار مکہ پر بھی رعب سا چھا گیا۔ انہوں نے قتل اور غارتگری بند کر دی۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گئے۔ جب صبح ہوئی آفتاب تباہ شدہ اور تاراج محلہ وتیرہ پر طلوع ہوا تو ہر گھر سے نالہ و شیون کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

مرد عورتیں اور بچے اپنے مقتول عزیزوں کو یاد کر کے رو رہے تھے چونکہ بیچارے کمزور تھے۔ دشمنوں سے انتقام نہ لے سکتے تھے۔ اس لئے آنسو بہا بہا کر جوش انتقام کی آگ کو سرد کر رہے تھے۔ بدیل بن ورقہ نے عمرو بن سالم کو بلا کر کہا یا عمرو بتاؤ۔ ہم کو کیا کرنا چاہیے ظالموں نے ہم کو بالکل برباد کر دیا ہے عمرو نے کہا کہ سوائے اس کے کہ ہم شاہ مدینہ کے حضورؐ میں فریادی جائیں گے۔ اور کیا کر سکتے ہیں۔ بدیل نے کہا یہی میرا ارادہ ہے۔ آؤ میں اور تم دونوں چلیں۔ عمرو نے کہا چلئے۔ اس کے دربار میں چلئے جو بڑا خلیق۔ بڑا رحم دل بنی نوع انسان کا ہمدرد ہے۔ دونوں نے جلد ہی جلدی تیاری کی۔ اور دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں محمدؐ کو اپنا حال زار سنانے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب (۱۸)

مجاہدین اسلام کا کوچ

آنحضور صلعم اور تمام مسلمان حج سے فارغ ہو کر بخیریت تمام مدینہ میں پہنچ گئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کے بدترین دشمن کفار مکہ اور یہودی تھے۔ یہودی تو مطیع ہو چکے تھے۔ اور کفار مکہ سے مصالحت ہو گئی تھی۔ اس لئے اب کسی دشمن کا خدشہ باقی نہ رہا تھا۔ مسلمانوں کو خیال ہونے لگا کہ اب وہ امن و چین سے رہ سکیں گے۔ مکہ کی معاہدت کے چند ہی روز کے بعد خالد عمرو بن العاص اور عثمان مدینہ میں پہنچے۔ چونکہ یہ تینوں جلیل القدر سردار تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے ان کی آمد کو حیرت سے دیکھا۔ یہ تینوں سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے حسب عادت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا جب وہ بیٹھ گئے تو آنحضورؐ نے دریافت کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! تم کس لئے آئے ہو۔

خالد نے کہا مسلمان ہونے کے لئے۔ یہ سنکر حضورؐ کا چہرہ شگفتہ ہو گیا اور آنکھوں سے مسرت کی چمک نکلنے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ مرحبا۔ اے رئیسان مکہ مرحبا۔ لیکن خالد! تم تینوں امیر ہو۔ رئیس ہو۔ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہو تم میں امارت کی بو ہے۔ خاندانی شرافت کا غرہ ہے اور اسلام امارت اور نسبی فخر کو مٹاتا ہے۔ کیا تم اس بات کو گوارا کر لو گے کہ نسبی فخر کو بھول جاؤ۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلم کو اپنا بھائی سمجھو فخر و غرور کو دل و دماغ سے نکال دو۔ خالد نے کہا نسب پر فخر اور امارت پر غرور

جاہلوں کا کام ہے ہم جہالت کی تاریکی کو چھوڑ کر اسلام کے زیرسایہ پناہ لینے آئے ہیں۔
حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ جب تو تم لائق صد ہزار تحسین ہو۔ اُس کے بعد آنحضورؐ نے
ان تینوں کو مسلمان کر لیا۔ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سے مسلمانوں میں بڑی مسرت ہوئی مدینہ
میں گھر گھر ان کے آنے اور مسلمان ہونے کی خبر پہنچ گئی ہر وہ مسلمان جو مکہ کا رہنے والا تھا ان
تینوں سے مصافحہ کرنے کیلئے دوڑ پڑا۔ ان کے بعد مدینہ والوں نے مصافحہ کئے۔ خالد۔ عمرو
اور عثمان مسلمانوں کا جوش اخوت دیکھ کر کمال محظوظ ہوئے۔ تمام مسلمانوں نے انکی دعوتیں
شروع کیں۔ عرصہ تک وہ مسلمانوں کے مہمان رہے۔

ایک شب کو حضورؐ ام المومنین حضرت میمونہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تہجد کی نماز پڑھنے
کے واسطے وضو کر رہے تھے۔ کہ آپ نے بنو خزاعہ کی آواز سنی۔ آپ نے بیساختہ فرمایا۔ لبیک
لبیک! یا بنو خزاعہ! حضرت میمونہ نے کسی کی آواز نہ سنی تھی۔ لہذا انھیں تعجب ہوا کہ حضورؐ
نے لبیک لبیک۔ یا بنو خزاعہ کیوں فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ نے
یہ لبیک کس کی صدا پر کی۔ آنحضورؐ کا چہرہ اس وقت کچھ متغیر تھا۔ جلال کے آثار ظاہر تھے۔
آپ نے کسی قدر ترش روئی سے فرمایا۔ میمونہ اہل قریش نے بد عہدی کی۔ آج انہوں نے بنو خزاعہ
پر دست ظلم دراز کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

مظلوم بنو خزاعہ نے مجھ سے فریاد کی ہے۔ اور میں نے ان کی فریاد پر لبیک کہا ہے حضرت
میمونہ نے دریافت کیا۔ کیا حضورؐ قریش پر لشکر کشی کریں گے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ عہد نامہ کی دھجیاں کرنے والوں کی دھجیاں اڑادونگا یہ کافر
خود بھی آرام سے نہیں رہتے اور ہمیں نیز ہمارے حلیفوں کو بھی آرام سے نہیں رہنے دیتے۔
اسکے بعد حضورؐ نماز پڑھنے لگے۔ جب صبح ہوگئی تو حضورؐ نے عائشہ صدیقہؓ سے کہا۔ افسوس
رات بنو بکر اور قریش نے مل کر بنو خزاعہ کو قتل کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ کیا حضور
کا گمان ہے کہ قریش بد عہدی کریں گے حضورؐ نے کسی قدر جوش بھرے لہجہ میں کہا۔ ہاں انہوں
نے بد عہدی کی۔ اور کمزور قبیلہ بنو خزاعہ کو کچل ڈالا۔

یہ بات تمام مدینہ میں عام ہوگئی۔ مسلمانوں کو خیال ہوگیا۔ کہ اب مکہ پر لشکر کشی کیجائیگی
چند روز کے بعد بدیل بن ورقہ و عمرو بن سالم پہنچے نہایت پریشان حال اور غمگین تھے۔ جس وقت
یہ دونوں مسجد نبوی میں پہنچے تو اس وقت مسلمان عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب وہ نماز
سے فارغ ہوئے تو دونوں حضور کے قریب گئے۔ سلام کیا اور پاس بیٹھ گئے۔

اور کہا حضور! ہم کو قریش نے پامال کر دیا۔ ہم آپ کے پاس فریادی آئے ہیں۔ حضور نے فرمایا! مجھے خداوند تعالیٰ نے پہلے ہی اطلاع دیدی ہے۔ کیا تم نے فریاد کے بعد میری آواز مکہ میں نہ سنی تھی۔ ہدیل نے کہا۔ حضور سنی تھی بدبخت قریش اور مغرور بنو بکر نے ہمکو کچل ڈالا۔ کہ ہم نے آپ سے کیوں مصالحت کی؟ عمرو بن سالم نے کہا۔ اے فریاد رس۔ اے شہ مدینہ ہماری فریاد سنئے۔ آہ ہم برباد کر دیے گئے۔

ان قریش اخلفوک الموعدا	ونقضوا میثاقک المؤکدا
قریش نے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی کی	اور انہوں نے اس مضبوط معاہدہ کو جو آپکے ساتھ کیا تھا توڑ دیا
ہجاوانی فی کل اعہصلا	وزعموا ان لست ادعو احدا۔
اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے	اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کیلئے کوئی نہ آئیگا
وھم اذل واقل عددا	ھم بیتونا بالوتیر ھجدا
اور وہ ذلیل ہیں قلیل تعداد میں ہیں	اور انہوں نے ہمارے محلہ وتیرہ میں سوتے میں حملہ کیا۔

اس اشعار کو سن کر تمام مسلمانوں پر رنج و افسوس کا گہرا اثر پڑا۔ حضور بہت زیادہ متاثر ہوئے آپ نے فرمایا اے مظلوم بنو خزاعہ اطمینان رکھو۔ تمہارا انتقام لیا جائیگا۔

ابوسفیان تجدید عہد کیلئے مکہ سے روانہ ہو چکا ہے۔ مگر وہ ناکام واپس جائیگا۔ اسلام امن و صلح کا پیغام لے کر آیا ہے۔ مسلمان بیکسوں اور مظلوموں کے حامی ہیں دنیا سے ظلم و ستم کی لعنت دور کی جائے گی ظالموں اور سرکشوں کو تلوار کے زور سے سیدھا کیا جائے گا۔ تم ٹھہرو۔ اور اس وقت کا انتظار کرو۔ جبکہ خدا کا حکم نازل ہو اور لشکر اسلام فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہو۔

ہدیل اور عمرو دونوں اس تسلی آمیز گفتگو کو سن کر مسرور و مطمئن ہو گئے دن گذرتے گئے اور بنو خزاعہ کے دونوں سردار مسلمانوں کے مہمان رہ کر ان کی معاشرت اور ان کے تمدن کا بنظر غور مطالعہ کرتے رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں سادگی ہے۔ انتہائی سادگی اگرچہ وہ مالدار ہیں۔ دولت ان کے قدموں پر پڑی ہوئی ہے ان کے بچے روپیہ اور اشرفیوں سے کھیلتے ہیں۔ مگر ان میں نمود کی بیجا نمائش نام کو بھی نہیں!

نہایت سادہ کپڑے پہنتے تھے۔ نہایت سادہ کھانا کھاتے تھے۔ اور نہایت سادہ طریقہ پر رہتے تھے۔ ہر مسلمان کمال خوش اخلاق بنی نوع انسان کا کمال ہمدرد اور کمال راستباز ہے آپس میں اسقدر محبت و اخوت ہے۔ کہ اگر ایک مسلمان کو ذرا سی بھی تکلیف

پہنچتی ہے تو سارے مسلمان بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اس کی تیمارداری کرنے لگتے ہیں۔ اور ہر شخص بیمار کا کام بڑے فخر اور بڑی دلچسپی سے کرتا ہے۔

کوئی غلام ہو یا آزاد۔ رئیس ہو یا غریب۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ گویا ایک دوسرے پر کچھ فوقیت نہیں ہے۔ سب خوش ہیں۔ اور ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہی شخص کی اولاد ہوں۔ پھر بھائی بھائی بھی کسی بات پر آپس میں تیز ہو جاتے ہیں اور جھگڑ پڑتے ہیں۔ مگر مسلمان ایسے بھائی تھے جو کبھی کسی سے تیز ہو کر بھی نہ بولتے تھے۔ نہایت نرمی اور ملائمت سے باتیں کرتے تھے۔ ان کے بچے آپس میں بڑے پیار اور محبت سے رہتے تھے۔ مستورات کا ان میں میل جول تھا۔ کہ بعینہ سگی بہنیں معلوم ہوتی تھیں۔

کوئی مسلمان متفکر یا مغموم نظر نہ آتا تھا۔ سب خوش تھے۔ ایسے خوش جیسے وہ دنیاوی تفکرات سے بے نیاز ہوں۔ دراصل جس قدر انسان دنیوی بکھیڑوں میں پھنسا رہتا ہے یا جس قدر دنیا اور دنیا کی دولت و عشرت کا حریص ہوتا جاتا ہے۔ اور ضروریات زندگی کو بڑھا لیتا ہے۔ اسی قدر پریشان اور متفکر رہنے لگتا ہے مسلمانوں کی ضروریات محدود تھیں وہ دنیوی عیش و عشرت سے کافی دور تھے۔ یا دور رہنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھیں کوئی پریشانی یا کوئی فکر نہ تھا۔ مسلمان ایک دوسرے سے محبت تو کرتے ہی تھے۔ مگر احترام بھی زیادہ کرتے تھے۔ ہر چھوٹی عمر کا بڑی عمر والوں کا کمال ادب و لحاظ کرتا تھا۔

جو کوئی بات بزرگ کہہ دیتا تھا۔ خورد اسے فوراً مان لیتا تھا۔ آنحضور صلعم کا تمام مسلمان اس قدر ادب کرتے تھے۔ کہ کوئی قوم کسی بادشاہ کا نہ کرتی ہوگی۔ جب آنحضور صلعم اپنے مکان سے نکلتے تھے۔ تو مشتاقان دید پروانوں کی طرح گرد ہو جاتے۔ حضور کی زیارت کے لئے ہجوم اس قدر ہو جاتا کہ راستے لبریز ہو جاتے کشادہ گلیاں تنگ ہو جاتیں۔ انسانوں کا سمندر لہریں لینے لگتا ہے۔ سب نہایت خاموش اور ادب سے حضورؐ کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ کبھی کوئی مسلمان حضورؐ کے آگے یا برابر چلنے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا۔

چونکہ اب مدینہ میں مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ اس لئے کئی مسجدیں بڑے بڑے محلوں میں تعمیر کر لی گئی تھیں۔ البتہ نماز جمعہ مسجد نبوی میں ہوتی تھی۔ تمام مسلمان آذان کی آواز سنتے ہی مسجدوں میں پہنچ جاتے تھے۔ کسی کو خواہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو آذان سنتے ہی تمام کام چھوڑ دیتا حتیٰ کہ دکاندار اگر کسی کو سودا تول کر دے رہا ہوتا تو دکان بند کر کے مسجد کی

طرف چل دیتا۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل کوئی مسلمان کوئی کام نہ کرتا۔ بازار بند اور سارے کاروبار معطل رہتے۔ صبح ہی سے مسلمان کپڑے بدلنے اور نہانے کی ایسی تیاریاں شروع کر دیتے جیسے اس زمانہ کے مسلمان عید کی تیاریاں کیا کرتے ہیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا تھا۔ جمعہ مومنوں کی عید ہے۔ مسلمان عید سے زیادہ اس دن کا احترام کرتے اور نماز جمعہ کے لئے بڑے شوق و شغف سے تیاریاں کیا کرتے تھے۔

ہدیل اور عمرو کو یہ بات نرالی اور بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ کوئی مسلمان احکام شرع سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہوتا تھا۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ ابو سفیان آیا ہے۔ اور معاہدے کی تجدید کرنا چاہتا ہے۔

چونکہ تمام مسلمانوں کو معلوم تھا۔ کہ قریش نے عہد توڑ ڈالا ہے اور مظلوم قبیلہ بنو خزاعہ کو نشانِ ستم بنایا ہے۔ اس لئے سارے مسلمان تمام قریش سے سخت بیزار اور ناخوش تھے۔

ابو سفیان حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ اور نہایت عاجزی کے لہجہ میں بولا حضورؐ قریش کے چند ناعاقبت اندیش نوجوانوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے تمام اہل مکہ کو ان کی نازیبا حرکت کا افسوس ہے۔ اور مجھے میری تمام قوم نے اپنا سفیر بنا کر تجدید عہد کے لئے خدمت اقدس میں روانہ کیا ہے۔ میں میثاق بین الاقوام کی میعاد دس سال سے زیادہ بڑھانا چاہتا ہوں۔

آنحضورؐ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ خاموش رہے ابو سفیان نے پھر کہا۔ شاید حضورؐ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ معاہدہ شکنی صرف قریش نے ہی کی ہے یہ بات نہیں ہے جھگڑے کی ابتدا بنو خزاعہ کی طرف سے ہوئی۔ مگر ہم پھر بھی اپنی طرف سے تجدید عہد کرنے پر تیار ہیں۔ اور اگر یہ منظور نہ ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عرب کا امن و امان ختم ہو جائے اور آتش جنگ پھر روشن ہو کر انسانوں کو جلا دے گی۔

اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی ہے مگر اتنی نہیں بڑھی ہے کہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر سکیں میرے خیال میں تو یہ بہتر ہے کہ مکہ و مدینہ میں صلح نامہ مرتب کر لیا جائے۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ ابو سفیان تم نے اور تمہاری قوم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اب تم دریدہ جنگ کی دھمکی دیتے ہو۔ اپنا رعب ڈال کر صلح کرنے آئے ہو یہ تمہارا خیال خام ہے تم نے بنو خزاعہ کو اس لئے مسل ڈالا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ یہ خیال کر لیا کہ مسلمان ان کی امداد نہ کریں گے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم بنو خزاعہ کی امداد کریں گے تم سے اور تمہاری قوم سے تمہاری

وحشیانہ اور بہیمانہ سنگدلی کا انتقام لیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تم پر لشکر کشی نہ کریں تو تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم بنو خزاعہ کو راضی کر لو۔

ابو سفیان نے قطع کلام کر کے کہا۔ بنو خزاعہ کو راضی کر لیں۔ گویا ان کی خوشامد کریں غیر ممکن ہے

آنحضورؐ نے کہا۔ بس تو تجدید معاہدہ بھی غیر ممکن ہے۔

ابو سفیان یہ سن کر کچھ مغموم سا ہو گیا۔ وہ اٹھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچا۔ اور ان سے کہا۔ اے ابو بکر! تم رحمدل اور نیک طینت انسان ہو۔ مکہ تمہارا وطن ہے اور اہل مکہ تمہارے ہم وطن ہیں۔ کیا یہ تم گوارہ کر لو گے کہ تمہارا وطن تاراج ہو جائے اور اہل وطن غارت و قتل ہو جائیں۔

صدیق اکبرؓ نے کہا۔ مجھے وطن اور اہل وطن سے محبت ہے۔ اگرچہ میرے وطن والوں نے مجھے نکال دیا ہے۔ وہ مجھے بھول گئے۔ مگر میں انہیں بھولا نہیں۔ لیکن تم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ عہد نامہ کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ بنو خزاعہ کو بلا قصور کچل ڈالا ہے۔ آنحضورؐ تم سے ناراض ہو گئے ہیں اب یہ کسی کی جرات نہیں کہ حضورؐ سے تمہاری سفارش کر سکے۔

ابو سفیان نے کہا۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری قوت اس قدر بڑھ گئی کہ تم مکہ پر لشکر کشی کر سکتے ہو۔ لیکن ابو بکرؓ ہمارے سب قبائل متحد ہو کر تمہارا مقابلہ کریں گے اور تم آسانی سے کبھی مکہ میں داخل نہ ہو سکو گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا۔ اسے خدا ہی جانتا ہے۔ کوئی مسلمان آئندہ کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ابو سفیان مایوس ہو کر اٹھا اور حضرت عمرؓ کے حضور میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ اسے دیکھتے ہی کبیدہ خاطر ہو گئے۔ ابو سفیان اگرچہ سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہیں تاہم اس نے کہا عمرؓ تم قریش کے قریبی ہو۔ اہل مکہ کے ہمیشہ مددگار رہے ہو۔ مکہ تمہارا وطن ہے سنتا ہوں کہ حضرت محمدؐ تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تم ہم پر اس قدر احسان کر سکتے ہو کہ حضورؐ سے تجدید عہد نامہ اور توسیع کی سفارش کر دو۔

حضرت عمرؓ نے قدرے درشت لہجہ میں کہا۔ ابو سفیان تم نے اور تمہاری قوم نے اپنی قوت و طاقت کے زعم میں ایک مظلوم قبیلہ کو پیس ڈالا۔ تم نے ہمیں اور ہمارے حلیفوں

کو ناچیز سمجھا۔ بے رحم انسان جب تمہارے اوباش اور سنگدل لوگ عہد نامے کے پرزے کرکے فضاؤں میں بکھیر رہے تھے۔ اور بے رحمی سے ایک بیکس قبیلہ کو کچل رہے تھے۔

اس وقت انجام کار پر کیوں نظر نہ کرلی تھی۔ کیوں نہ سمجھ لیا تھا کہ مسلمان تمہاری سرکوبی تمہارے دماغی توازن کی اصلاح کرنے کے لئے تمہارے سروں پر پہنچیں گے۔ اب آئے ہو عاجزی کرنے عہد نامہ کی تجدید کرنے بدبختو! عہد نامہ تمہارے لئے ایک نعمت تھی تم نے خود اس نعمت کی قدر نہ کی اور اسے اپنے سے دور کرکے لعنت مول لے لی۔ اب تمہارے ساتھ عہد نامہ نہیں کیا جاسکتا کسی شخص میں یہ طاقت یہ جرات یہ ہمت نہیں ہے کہ حضورؐ سے تمہاری سفارش کرسکے جاؤ۔ اور انتظار کرو کہ کب اسلامی لشکر تمہارے غرور وتکبر کا خاتمہ کرنے کے لئے مکہ کے سامنے پہنچتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔ عمرؓ تم میں بڑا جوش ہے بڑا غصہ ہے۔ مگر جانتے ہو۔ اس جوش اور غصہ کا کیا نتیجہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے غضبناک ہوکر ابوسفیان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ جانتا ہوں میری تلوار ہوگی اور تم جیسے خود سروں کے سر ہوں گے۔ خدا کی قسم اگر تم ہمارے مہمان نہ ہوتے تو تلوار تمہارے سر و تن کا فیصلہ کرچکی ہوتی۔

ابوسفیان جانتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ تیز مزاج اور بہادر ہیں اس لئے اور کچھ کہنے سننے کی جرات نہ ہوئی وہ اٹھ کر حضرت علی المرتضیٰ کی خدمت میں پہنچا۔ اور عاجزی کے لہجہ میں بولا حضرت علی کرم اللہ تم میری مدد کرو اور حضورؐ سے میری سفارش کردو۔ جن شرائط پر وہ صلح کرنا پسند فرمائیں کرلیں۔

حضرت علی کرم اللہ نے فرمایا۔ کسی شخص میں بھی یہ طاقت نہیں کہ حضورؐ اکرم سے تمہاری سفارش کرسکے۔ ابوسفیان نے دریافت کیا۔ پھر میں کیا کروں حضرت علی کرم اللہ نے مسکرا کر کہا۔ تم مسجد نبوی میں کھڑے ہوکر اعلان کردو کہ میں قریش کا سفیر ہوں تجدید عہد کیلئے آیا تھا مسلمان صلح نہیں کرتے مگر میں اپنی طرف سے صلح کئے جاتا ہوں۔

اگرچہ حضرت علی کرم اللہ نے یہ بات مذاقاً کہی تھی۔ مگر ابوسفیان نہ سمجھا۔ اور اس نے مسجد نبوی میں پہنچکر حسب ہدایت اعلان کردیا۔ اور اسی روز مکہ کی جانب روانہ ہوگیا۔

آنحضورؐ کو قریش کی بدعہدی پر ملال تھا آپ خاموش بیٹھے تھے۔ آپکی خاموشی سے مسلمانوں کو الجھن سی ہورہی تھی۔ مگر کسی کو کہنے اور دریافت کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔

آخر ایک روز صبح جبکہ مسلمان نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ مسلمان جنگ کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے فوراً تیاریاں شروع کر دیں اگرچہ مسلمان تیاریاں کر رہے تھے۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ کس طرف لشکر کشی ہونے والی ہے۔ چند روز کے بعد آنحضورؐ نے خود ہی فرما دیا کہ مکہ پر لشکر کشی کی جائے گی۔ بیت الحرام کو اصنام پرستی سے پاک کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ بدعہد اور بے رحم قریش کو ان کی سفاکی کی سزا دینا لازمی ہے۔ مسلمان اس اعلان سے نہایت مسرور ہوئے۔ اگرچہ جانتے تھے۔ کہ قریش اور ان کے حلیف قبائل کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے مگر ان کی چیرہ دستی اور سفاکی نے ان کی سرکوبی پر انہیں اکسا دیا تھا۔ اور اس لئے وہ خوش تھے۔ اور انہوں نے تیاریاں شروع کر دیں ہر مسلمان مصروف نظر آنے لگا۔ مدینہ منورہ میں چہل پہل شروع ہو گئی۔ جو لوگ نواح مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ طلب کر لئے گئے۔ ان کے آنے کی وجہ سے مدینہ کی رونق بہت بڑھ گئی تھی۔

ایک روز آنحضورؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علی کرم اللہ۔ حضرت زبیرؓ۔ اور دیگر اصحاب حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضورؐ کچھ خاموش تھے۔ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ صحابہ بھی چپ تھے۔ دفعتاً آپ نے سر اٹھایا۔ اور حضرت علی کرم اللہ اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا۔

مجھے خدا نے خبر دی ہے۔ کہ اس وقت ایک عورت مکہ جانے کیلئے قبا کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے پاس قریش کے نام ایک خط ہے۔ اسکو گرفتار کر لو۔

فوراً حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اٹھے۔ مسجد سے نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر قبا کی طرف دوڑے۔ تھوڑی ہی دور چل کر انہوں نے ایک عورت کو اونٹ پر سوار جاتے دیکھا۔ وہ قبا میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ کہ یہ دونوں بزرگ اسکے قریب پہنچے اور حضرت علی کرم اللہ نے ڈپٹ کر کہا۔ ٹھہر جا اغدارہ۔

عورت نے اونٹ روک لیا۔ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا تو اسکا چہرہ زرد ہو گیا۔ آنکھیں خوف سے اندر دھنس گئیں۔ چہرہ عرق آلود ہو گیا۔ حضرت علی کرم نے قریب پہنچ کر کہا۔ نکال وہ خط ہمارے حوالہ کر دو جو تم لیجا رہی ہو۔

عورت کانپ رہی تھی یا سنبھلی اور اس نے کہا خط میرے پاس کوئی خط نہیں ہے

خدا اور خدا کے رسول کا دشمن! دونوں نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس طرف سے حضرت عمرؓ لمبے لمبے قدم بھرتے ان کی طرف آ رہے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو حضرت عباسؓ نے فرمایا! یا عمرؓ! اس وقت ابو سفیان میری حفاظت میں ہے۔ حضرت عمرؓ کے کڑے تیور دیکھ کر حضرت عباسؓ کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کہیں وہ آگے ہی ابو سفیان کا خاتمہ ہی نہ کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی تھی اگر حضرت عباسؓ یہ نہ کہیں کہ وہ ان کی حفاظت میں ہے تو اب تک ابو سفیان کا سر تن سے جدا ہو گیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مگر تم نے اس دشمن اسلام کو اپنی حفاظت میں لیا ہی کیوں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا۔ یہ بات میں رسول خدا سے عرض کروں گا!

ابو سفیان خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ اپنی موت اسے سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی وہ حضرت عمرؓ سے اچھی طرح واقف تھا۔ انکی تند مزاجی اور غصہ سے ڈرتا تھا ہر لمحہ اسے اپنی موت کا یقین ہوتا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنا سر جھکا لیا وہ کچھ سوچنے لگے تھے۔ اس عرصہ میں ابو سفیان موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا دفعۃً حضرت عمرؓ نے سر اٹھایا۔ اور کہا اچھا۔ رسول خدا کے حضورؐ میں لے چلو! یہ سن کر ابو سفیان کی جان میں جان آئی۔ حضرت عباسؓ چلے اور ان کے ساتھ ساتھ ابو سفیان بھی چلا۔ حضرت عمرؓ بھی پیدل ہی ان کے پیچھے چلے۔

لشکر میں داخل ہو کر جب ابو سفیان نے چاروں طرف نظر کی تو اسے مسلمانوں کا ٹڈی دل لشکر نظر آیا۔ ہر مسلمان بڑی بے فکری سے آگ کے سامنے بیٹھا ہوا خود کھانا پکا رہا تھا۔ جو کھانا نہ پکا رہے تھے۔ وہ ہتھیار صیقل کر رہے تھے۔ کچھ لوگ جگہ جگہ کمبلوں کے فرش پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔

غرض کہ ہر مسلمان کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا تھا۔ نہ کوئی بیکار بیٹھا تھا اور نہ کوئی فضولیات میں مشغول تھا۔ ابو سفیان پر مسلمانوں کی سادہ معاشرت اور بے خوفی کا بڑا اثر ہوا۔ وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ آنحضورؐ کے خیمہ پر پہنچا حضورؐ کا خیمہ لشکر کے وسط میں تھا۔ جس کے خیمہ پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ اور آپ شاہانہ وقار کے ساتھ کمبل کے فرش پر بیٹھے تھے آپ کے گرد آپ کے جانثار صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا۔ حضرت عباسؓ اور ابو سفیان مرکبوں سے اترے اور آنحضورؐ کے سامنے پہنچے۔

ابو سفیان نے نہایت ادب سے جھک کر حضورؐ کو سلام کیا۔ آج پہلا موقع تھا کہ کفر اسلام کے آگے جھکا ایک ایسا کافر جو اسلام اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا خدا اور خدا کے رسول کا نام سننا بھی گوارہ نہ کرتا تھا۔ حضورؐ کے سلام کے سے جھک گیا۔ آپ نے مسکرا کر دریافت کیا۔ ابو سفیان کس لئے آئے ہو۔

ابو سفیان نے ندامت سے نظریں جھکا کر کہا۔ مسلمان ہونے کے لئے

حضورؐ نے فرمایا۔ کیا موت سے ڈر کر؟ ابو سفیان نے کہا نہیں اپنی خوشی سے

اس عرصہ میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ آپ نے آتے ہی فرمایا رسول اللہ یہ کافر بلا شرط آج قابو میں آ گیا ہے حکم دیجئے! میں اس کے وجود سے دنیا کو پاک کر دوں!

حضورؐ نے فرمایا۔ یہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے آہستہ سے کہا۔ جب تو مجبوری ہے۔ اب حضرت عباسؓ اور ابو سفیان دونوں بیٹھ گئے حضرت عمرؓ طلایہ گردی کے لئے چلے۔ حضورؐ نے ابو سفیان سے کہا۔ ابو سفیان میرے دل سے یہ بات نہیں نکلتی کہ تم موت کے ڈر سے مسلمان نہیں ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے۔ کہ تم مسلمانوں کا لشکر جرار دیکھ کر ڈر گئے ہو۔ اور ڈر کر مسلمان ہوئے ہو۔ سنو! ہم کسی کو ڈرا کر یا لالچ دیکر مسلمان نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔

ترجمہ (یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔ روشنی تاریکی سے علیحدہ ہو چکی ہے)

اب اس آدمی پر افسوس ہے جو روشنی کے ہوتے ہوئے اندھیرے کو پسند کرے اگرچہ تم مسلمان ہونے کے لئے میرے پاس آئے ہو۔ مگر میں تم کو ایک شب کی مہلت دیتا ہوں کہ تم اطمینان سے عباسؓ کے پاس رہو۔ اگر تم مسلمان نہ ہو گے تب بھی تم کو قتل نہ کیا جائے گا۔ بلکہ آزاد کر دیا جائے گا۔ جہاں جی چاہے چلے جانا اور اگر مسلمان ہونا چاہو گے۔ تو صبح کو مسلمان کر لیا جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر تم ہم مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے۔

ابو سفیان نے کہا جیسی حضورؐ کی مرضی۔

آنحضورؐ نے حضرت عباسؓ سے کہا! یا عم! تم ابو سفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس کی شایان شان اس کی مدارات کرنا۔ صبح اس سے دریافت کرنا کہ یہ مسلمان ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ مسلمان ہونا نہ چاہے تو اسے لشکر ۔ ۔

باہر نکال کر چھوڑ دو اور اگر مسلمان ہونا چاہے تو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت عباسؓ نے سر اطاعت خم کیا اور ابوسفیان کو ساتھ لے کر چلے اور اپنے خیمہ پر پہنچ کر اس کے لئے بستر بچھا دیا۔ وہ پڑ گیا اور رات بھر سوچتا رہا۔ کہ کیا آبائی مذہب چھوڑ دوں۔ کیا ان دیکھے خدا کا پرستار بن جاؤں۔ اس نے سوچا کہ اسلام اگر اچھا مذہب نہ ہوتا۔ تو وہ عرب جو بتوں کی بڑی بلند ومد سے عبادت کرتے تھے۔ بتوں کی توہین برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کیوں مسلمان ہو جاتے۔ کیوں ان بتوں کی مذمت کرتے۔

تمام بڑے بڑے لوگ مکہ اور مدینہ کے مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چھوٹے لوگوں نے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ صرف ایک خدا کی پرستش کرنا کسی کو اس کی خدائی میں شریک نہ کرنا۔ تمام برے کاموں کو چھوڑ دینا۔ یہ تو اچھی بات ہے دراصل آج تک میری آنکھوں پر کفر وضلالت کا پردہ پڑا رہا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برابر کوشش کرتا رہا۔ یہ کس قدر میرا احمقانہ فعل تھا۔ بس تو مجھے مسلمان ہی ہونا چاہئے۔ ابوسفیان نے یہ بات اپنے دل میں طے کر کے آرام کیا۔ صبح وہ جب بیدار ہوا تو اذان ہو رہی تھی۔

حضرت بلالؓ نہایت بلند آواز سے اذان دے رہے تھے۔ وہ خوش آواز تھے تمام لشکر گاہ ان کی خوش الحانی سے بھر گیا۔

ابوسفیان اٹھا خیمے سے باہر آیا۔ صبح کا سہانا سماں تھا۔ شرقی جانب سے روشنی بتدریج بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اجالا ہوتا جاتا تھا۔ ستارے پھیکے پڑتے پڑتے بالکل ماند پڑ گئے تھے۔ آسمان پر سفید چادر تننے لگی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ ریگزار کا ذرہ ذرہ وجد کی حالت میں تھا۔ کھجوروں کے درخت فخر و غرور سے تنے کھڑے تھے ان کی لمبی لمبی شاخیں اٹھکھیلیاں کر رہی تھیں اور طیور چہچہا رہے تھے۔ مسلمان ضرورت سے فراغت کر کے وضو کر رہے تھے۔ اور لشکر گاہ سے باہر کھلے ہوئے میدان میں جمع ہوتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں آنحضورؐ اس میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے مسلمانوں کو صفیں مرتب کرنے کا حکم دیا مسلمان جلدی جلدی صف بہ صف کھڑے ہو گئے۔ دور تک صفیں پھیل گئیں اور آنحضورؐ نے نماز پڑھانا شروع کی۔

ابوسفیان انھیں دیکھتا رہا۔ حیرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا اس نے آج

تک اتنے مسلمانوں کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل خدا پرستی کے جذبے سے برنر ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو وہ بڑھ کر حضرت عباس کے پاس پہنچا اور بولا عباس مجھے آنحضور کے پاس لے چلو۔ حضرت عباسؓ اسے اپنے ہمراہ لیکر آنحضور کی خدمت میں پہنچے قبل اس کے کہ آنحضورؐ کچھ دریافت کریں۔ ابوسفیان نے کہا۔ اے شہنشاہ عرب و عجم مجھے مسلمان کر لیجیے۔

حضورؐ نے استفسار فرمایا۔ ابوسفیان کیا تم خوشی سے مسلمان ہوتے ہو؟

ابوسفیان نے عرض کیا۔ ہاں خوشی سے! مجھے افسوس ہے کہ میں نے کیوں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی۔ اور کیوں اب تک مسلمان نہ ہو گیا۔

حضورؐ نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو حضرت عباسؓ کو خود رسول خدا کو بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگا۔ اس نعرہ سے تمام میدان گونج اٹھا۔ اور خوشی کی بات بھی تھی۔ ابوسفیان امیر العرب تھے۔ قریش کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ تمام عربستان میں انکی شہرت تھی۔ اہل مکہ ان کا کہنا مانتے تھے۔ جنگ بدر۔ جنگ احد۔ اور مدینہ میں انہوں نے سعی بلیغ کی تھی۔ ایسے شخص کا مسلمان ہونا بڑی تقویت کی بات تھی۔ حضرت عباسؓ نے آنحضورؐ سے کہا۔ یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک ذی جاہ شخص ہے۔ لہذا حضورؐ بھی اسے کوئی خاص عزت عطا فرمائیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اچھا تم لشکر اسلام میں اعلان کر دو کہ مکہ میں داخلہ کے وقت جو شخص کفار میں سے خانہ کعبہ میں پناہ لیگا اسے امان دیدی جائیگی۔ اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں ... پناہ لیگا اسے امان دی جائیگی اور جو شخص اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھا رہے گا۔ اسکو پناہ دی جائیگی اور جو شخص بغیر ہتھیار لگائے ملے گا۔ اسے بھی پناہ دی جائیگی۔ ابوسفیان اپنی اس عزت افزائی سے بکمال مسرور ہوا۔ انہوں نے آنحضور کا شکریہ ادا کیا اب آنحضورؐ نے حکم دیا۔ کہ تمام لشکر مسلح ہو کر مکہ پر یورش کرے۔ مسلمان اٹھے اور لشکرگاہ میں پہنچ کر مسلح ہو گئے خیمے جھولداریاں اور رسد کا سامان اونٹوں پر بار کر دیا گیا۔

چونکہ ابوسفیان مکہ میں جا کر یہ منادی کرنا چاہتے تھے کہ جو شخص انکے گھر میں پناہ لیگا۔ اسے امان دی جائیگی۔ اس لئے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور چل دیئے

ابھی وہ وادی کے سرے ہی پر پہنچے تھے۔ کہ لشکر اسلام کا سیلاب مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر لشکر اسلام کے کوچ کا نظارہ دیکھنے لگے۔ مجاہدین اسلام نہایت شان سے بڑی بے فکری کے ساتھ آہستہ آہستہ مکہ کی طرف کوچ کرتے رہے۔ راستہ جس پر لشکر رواں تھا وسیع تھا۔

آٹھ آٹھ آدمیوں کی قطار میں مجاہدین کوچ کر رہے تھے۔ سب سے آگے حضرت خالد بن الولید اسلامی علم ہاتھ میں لیے بڑے فخر کے ساتھ پانچسو آدمیوں کے دستہ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے حضرت عمرؓ علم ہاتھ میں لئے پانچسو مجاہدوں کے ساتھ کوچ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ اور ان کے بعد سعد بن معاذؓ ان کے بعد حضرت عباسؓ پانچسو آدمیوں کے دستوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔

ہر سردار کے پاس علم تھا۔ دور تک فضا میں علم لہراتے بڑی شان سے چلے جا رہے تھے۔ درمیان میں آنحضورؐ تھے۔ آپکے برابر میں حضرت بلالؓ حبشی غلام جو مسلمان ہو کر آزاد ہو گئے تھے۔ ایک بڑا علم ہاتھ میں لئے گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے۔ حضورؐ کے پیچھے حضرت زید بن حارث۔ ابو جندلؓ۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح اور دوسرے مہاجرین والانصار کی سپہ سالاری میں لشکر کوچ کر رہا تھا۔

ہر سردار کے ہاتھ میں علم تھا کھلے ہوئے میدان میں دور تک علموں کے پھریرے ہوا میں لہراتے نظر آ رہے تھے۔ لشکر اسلام بجنسہ پانی کے سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا۔ چونکہ لشکر دس ہزار تھا۔ اس لیے اتنا لمبا ہو گیا تھا۔ کہ اس کے دونوں طرف دونوں سرے افق میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔

ابو سفیان۔ اسلامی لشکر کے کوچ کا شاندار منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے شاندار لشکر دیکھے تھے۔ عربوں کے پر جوش عساکر کو ملاحظہ کیا تھا۔ خود سپہ سالار تھے۔ اپنے لشکر کو کوچ کرتے دیکھا تھا۔ مگر جس شان۔ جس متانت جس ضبط و اہتمام سے یہ اسلامی لشکر چل رہا تھا۔ اس سے پہلے ایک لشکر کو بھی اس طرح سے کوچ کرتے نہ دیکھا تھا۔

انہوں نے آہستہ سے کہا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا شاندار لشکر اس شان و دبدبہ کے ساتھ کوچ کرتے کوئی نہیں دیکھا تھا۔ بے شک یہ لشکر مکہ کو فتح کرے گا تمام عربستان

پر قابض ہو جائے گا۔ اور آنحضورؐ کی یہ پیشنگوئی کہ فارس اور ملک شام و یمن کی کنجیاں حضورؐ کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں ملک مسخر ہو کر اسلامی قلمرو میں داخل ہو جائیں گے۔ پوری ہو کر رہے گی۔

ابو سفیان۔ ٹیلہ سے نیچے اترے اور ایک نزدیکی پگڈنڈی پر تیزی سے چل پڑے یہ راستہ قریب تھا۔ وہ بہت جلد مکہ میں داخل ہو گئے۔ مکہ والے مشوش و متفکر تھے۔ انہوں نے ابو سفیان کو دیکھا وہ دوڑ کر ان کے پاس آئے۔ پوچھا کیا واقعی مسلمان چڑھ آئے ہیں۔ حکیم کہتا ہے کہ بے شمار لشکر لائے ہیں۔

ابو سفیان نے کہا سچ ہے مسلمان ایسا عظیم الشان اور شاندار لشکر لائے ہیں نیز اس لشکر میں ایسے ایسے بہادر ہیں۔ کہ وہ ایک حملہ میں مکہ کو فتح کر لیں گے اور لڑنے والوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالیں گے۔ میرے خیال میں لڑنا فضول ہے۔ مسلمانوں کی اطاعت کر لینے میں ہی فلاح ہے۔ لوگوں نے برا سا منہ بنا کر کہا ابوحیات کیا تم مسلمانوں سے مل گئے ہو۔ کیا انہوں نے رشوت دی ہے۔ اور اس لئے تم مسلمانوں کی ہیبت دل پر بٹھانا چاہتے ہو۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے۔ کہ زندگی کے آخری سانس تک لڑیں گے ہمارے جیتے جی مسلمان مکہ میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

ابو سفیان نے جلدی سے کہا بس تو تمہاری زندگیوں کا خاتمہ قریب ہے کوئی شبہ نہیں کہ تم تمہاری اولاد۔ تمہاری بیویاں سب قتل کر ڈالے جائیں گے اسلامی لشکر کے سیلاب کو روکنا مکہ والوں کی طاقت سے باہر ہے۔

ایک شخص نے کہا مگر ہم قسمت آزمائی کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ دیکھو ہمارا شاندار لشکر مسلمانوں کے کچل ڈالنے کے لئے عکرمہ۔ صفوان اور سہیل وغیرہ کی قیادت میں جا رہا ہے۔ ابو سفیان نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے لشکر کفار کوچ کرتا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے کہا یہ غلطی ہے زبردست غلطی اس سے قوم تباہ ہو جائے گی۔ خاندان مٹ جائیں گے۔ اور قریش تباہ ہو جائیں گے۔

ایک اعرابی نے کہا۔ تم فکر مت کرو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ مسلمانوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ابو سفیان نے کہا۔ اچھا تم لوگ نہیں مانتے تو سنو! مسلمانوں کے سردار اعظم شہنشاہِ عرب حضرت محمد مصطفےٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا جو شخص میرے

مکان میں جا چھپے گا جو شخص اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھا رہے گا۔ جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راستے میں ملے گا اسے امن دیا جائے گا۔

چند لوگوں نے ہنس کر کہا۔ اطمینان رکھو ہمیں امان مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے باوجود ابو سفیان نے تمام مکہ میں منادی کرا دی!

کفار کا لشکر مکہ کے راستہ طے کر کے باہر نکل رہا تھا۔ عکرمہ، صفوان۔ اور سہیل اس لشکر کے سردار تھے۔ مکہ سے نکل کر یہ لشکر موضع جعدیہ پہنچا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صف بستہ ہو گیا۔

سامنے سے لشکرِ اسلام آتا ہوا نظر آیا۔ سب سے آگے حضرت خالدؓ ہاتھ میں علم لئے جوش و شجاعت سے جھومتے ہوئے بڑھے چلے آرہے تھے۔

حضرت خالدؓ بڑے بہادر تھے۔ آج تک بیسیوں لڑائیاں کفار کی جانب سے شریک ہو کر لڑ چکے تھے۔ وہ کفار کا لشکر صف بستہ دیکھتے ہی رکے اور اپنے دستہ کو صف بستہ کرنے لگے۔

انہوں نے بہت جلد صفوں کی ترتیب دیکر تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی نہایت دلیرانہ اور بڑے جوش و خروش سے حملہ کر دیا ان کا دستہ شیروں کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑا۔

کفار پہلے ہی سے اس بات کے خواہش مند تھے۔ لہٰذا انہوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں اور بڑے جوش و غضب سے لڑنے لگے۔ جنگ شروع ہو گئی تلواریں اٹھ اٹھ کر آفتاب کی شعاعوں میں چمکنے اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگیں۔ ہر دو لشکر تصادم ہوتے ہی خاموش فضا میں شور و غل سے ایک تلاطم سا پیدا ہونے لگا۔ شوخی نعروں کی آواز اور جانبازوں کی للکار و پکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔ کفار نہایت جوش و خروش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے عکرمہ، صفوان۔ اور سہیل انہیں جوش دلا رہے تھے۔ انکے حملہ کے آثار و اطوار کہہ رہے تھے کہ وہ تمام لشکرِ اسلام کو شکست دینے کا عزم کر چکے ہیں مگر مسلمان کچھ اس بے باکی سے مصروفِ پیکار و جدال تھے۔ کہ کفار کا جوش انکے سامنے طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتا تھا۔

ہر مسلمان سر جھکائے۔ ڈاڑھی دانتوں میں دبائے بڑی بے جگری اور بہادری کا ثبوت دیتے لڑ رہا تھا۔ ہر مجاہد کی تلوار خونخوار بنی ہوئی تھی۔ جس کافر کے سر پر پڑتی تھی اسکے

کے سر کے دو ٹکڑے کر کے پار حلق تک اتر جاتی تھی۔ اور پھر یا تو ایک خوفناک چیخ کی آواز سنائی دیتی یا خرخراہٹ کی خوفناک و ہولناک آواز بلند ہوتی۔

میدان جنگ نہایت ہولناک ہو گیا تھا۔ دور تک صفیں پھیل گئی تھیں۔ اور چونکہ جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی تھی۔ مسلمان کفار میں اور کفار مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ اس لئے کوئی نظام کوئی ضابطہ وغیرہ قائم نہ رہا تھا۔

گویا ہر شخص اپنے مقابل سے الجھا ہوا تھا۔ جنگ بڑی روز و شور سے ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کی روانگی میں رکاوٹ ہو گئی تھی۔ اور راستہ بند ہو گیا تھا۔ اگرچہ تمام مجاہدین اسلام لڑنے کے لئے بے قرار سے ہو رہے تھے۔ اور نہایت اضطراب سے حملے کا حکم ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن یہ اس قدر میدان تھا جس میں تمام لشکر صف بستہ ہو سکتا نہ اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ کفار کا لشکر زیادہ سے زیادہ چھ ہزار تھا۔ اور اتنے لشکر کے لئے سارے اسلامی لشکر کا جنگ میں نبرد آزما ہونا عبث تھا۔

اس وجہ سے حضرت خالدؓ، حضرت عمرؓ۔ اور حضرت علی المرتضیٰؓ پانچ پانچ سو دستوں کے ساتھ مصروف پیکار تھے۔ گویا چھ ہزار کفار کے مقابلہ میں صرف ڈیڑھ ہزار مسلمان مناسب سمجھے گئے۔ اور وہی جنگ کر رہے تھے۔

دو فریق بڑی بہادری اور بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ ہر مسلم سردار علم ہاتھ میں لئے۔ بڑی جرأت و دلیری سے لڑ رہا تھا۔ حضرت خالدؓ اس بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ کہ انکو اپنے تن بدن تک کا ہوش نہ تھا گویا جو انکے سامنے آجاتا۔ اس کے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔

جس پر وہ جھپٹ کر حملہ کرتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے انکی خون آشام تلوار کفار کے پرخچے اڑا رہی تھی۔ وہ اپنے مرکب تازی کے مہمیز لگا لگا کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

وہ جس صف پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اسے درہم برہم کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے کفار ان کا جوش۔ ان کی دلیری دیکھ کر اور اسلوب جنگ دیکھ دیکھ کر ان سے خوفزدہ اور متوحش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ بھی کمال جانبازی اور شدید ترین شجاعت سے سرفروشانہ حملے کر رہے تھے۔ آسیائے جنگ نہایت زور شور سے رواں تھی۔ کفار مسلمانوں کو مغلوب و پسپا کرنے۔

کرنے کی فکر میں تھے اور مسلمان کفار کو شکست دینے کے خیال میں سر جھکائے معروف جنگ ہو رہے تھے۔

حضرت عمرؓ جس طرف نکل جاتے تھے۔ جس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اور جس گروہ پر تلوار لیکر ٹوٹتے تھے۔ کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جاتے تھے۔ وہ قتل کرنے میں ایسے حریص ہو گئے تھے۔ کہ سارے لشکر کفار کو خود ہی قتل کرنا چاہتے تھے جس مسلمان کو آپ نرغے میں دیکھتے دور ہی سے ڈپٹ کر جا پہنچتے۔ کفار کو قتل کرتے اور مسلمانوں کو نرغۂ اعدا سے بچا لیتے۔

کفار پر ان کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ سے ایسے ڈرنے لگے تھے۔ کہ پہلو تہی کرنے لگ گئے تھے۔ نیز انہیں شمشیر بکف دیکھ کر انکے سامنے سے کترا جاتے تھے۔ لیکن وہ خود ایک ایک کافر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر واصل جہنم کر رہے تھے۔ انہیں اپنے سر و پا تک کا ہوش نہ تھا۔ بائیں ہاتھ میں علم لئے اور داہنے ہاتھ سے قتل کرتے پھر رہے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ بھی اس شان سے معروف جدال و قتال تھے۔ کہ کفار گویا سب سے زیادہ آپ ہی ڈرتے تھے۔ آپ کی شمشیر خارا شگاف جس شخص کے سر پر پڑتی تھی سینہ تک اترتی چلی جاتی تھی۔ اور جس کے شانے پر پڑتی سر کو ککڑی کی طرح سے کاٹ کر دوسری طرف نکل جاتی۔

آپ گھوڑے کو کودا کر جس گروہ پر ٹوٹتے جبتک اس گروہ کے سارے آدمیوں کو قتل نہ کر ڈالتے۔ واپس نہ لوٹتے تھے۔ آپ نے بھی کشتوں کے انبار لگا دیئے تھے بڑے بڑے سرکش اور مدمنع و بہادر کافروں کو قتل کر کے موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔

آپ عکرمہ اور صفوان میں سے ایک یا اگر موقع ملے تو دونوں کو قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ اس لئے بڑے جوش اور بڑی قوت سے حملے کر رہے تھے۔ کفار کو مارتے کاٹتے ان دونوں سرداروں کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

اس لشکر کے ساتھ کچھ ایسے لڑکے بھی آئے تھے۔ جن کی عمریں سولہ سولہ سترہ سترہ سال کی تھیں۔ جوش شجاعت اور شوق شہادت انہیں انکے گھروں سے نکال لایا تھا۔ انہوں نے آنحضورؐ سے جنگ کی اجازت لی آپ نے جنگ کی اجازت دی وہ گھوڑے دوڑاتے آئے اور کفار پر اس طرح سے ٹوٹ پڑے۔ جس طرح سے بھیڑوں کے گلے پر بھیڑیئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔

انہوں نے کفار کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ اس بے جگری اور ایسے جوش سے حملہ کیا کہ باوجود کفار کی مدافعت اور مزاحمت کے مشرکین کو قتل کر کے انہیں پیچھے ڈھکیلتے چلے گئے۔

ان لڑکوں نے اپنے کئی دستے بنا لیے۔ اور ہر دستہ کمال دلیری اور بڑی بہادری سے لڑنے لگا۔ وہ بے دھڑک کفار کی صفوں میں گھس گئے اور اپنی چھوٹی چھوٹی خون آشام تلواروں سے بڑے بڑے بہادر کافروں کو قتل کر کے فرش زمین پر گراتے چلے گئے۔

ان ہونہار مگر کم عمر والے بچوں کی جنگ نے کفار کو کمال متحیر کر دیا ان کی فہم و ادراک میں نہ آیا کہ کس چیز نے انہیں اس قدر جوشیلا کر دیا ہے اور کیوں وہ اس قدر بے باکانہ انداز سے مصروف پیکار ہیں۔

جب کفار کی حیرت کم ہوئی تو انہوں نے طیش میں آ کر لڑکوں پر بڑے جوش سے یورش کر دی اور انکو اپنے نرغے میں لیکر ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔

لڑکوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور نہایت جوش و خروش سے چاروں طرف حملے شروع کر دیئے بڑی بے خوفی اور بڑی بے جگری سے لڑنے لگے ان معصوم چہروں سے جوش و غضب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ کمال دلیری سے لڑ رہے تھے انہوں نے بہت جلد حملہ آوروں کو یا تو مار مار کر بچھا دیا یا انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

جب لڑکوں نے اپنے گرد سے مشرکین کو ہٹا دیا۔ اور انہوں نے مل کر ایک پر جوش حملہ کیا۔ اسوقت انہوں نے لشکر کفار میں ایک شور عظیم سنا یہ شور قلب لشکر میں ہوا تھا۔

وہ حیرت سے اس طرف دیکھنے لگے انہوں نے کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھا قلب لشکر پر حضرت خالدؓ نے حملہ کیا تھا۔ کفار ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ میمنہ میں حضرت علی کرم اللہ اور حضرت عمرؓ تھے۔

ان دونوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ کفار گویا ان کے حملہ کا انتظار ہی کر رہے تھے اور حملہ آور ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب میسرہ رہ گیا۔ لڑکوں نے میسرہ پر پر جوش حملہ کر دیا۔

چونکہ مشرکین کا قلب اور میمنہ شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔ اب میسرہ فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ دور نکل گیا۔ تو مسلمان واپس لوٹے اور اپنی ترتیب قائم کر کے مکہ کی طرف بڑھے۔

کفار کا ہزیمت خوردہ لشکر کچھ مسلمانوں کے خوف اور کچھ شکست کی ندامت کی وجہ سے مکہ نہ گیا۔ بلکہ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلا۔

لشکر اسلام نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ روانہ ہو کر مکہ کے سامنے پہنچا اور رک گیا۔ آنحضور ؐ نے حضرت خالدؓ سے کہلا دیا۔ کہ تا وقتیکہ اشد ضرورت لاحق نہ ہو مکہ کے اندر خونریزی نہ کی جائے۔

بات یہ تھی۔ کہ مکہ میں بیت الحرام تھا۔ بیت الحرام میں جنگ کرنا مناسب نہ تھی آنحضور کی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ خانہ کعبہ میں جو خدا کا گھر کہلاتا ہے۔ خون نہ بہایا جائے۔ اس لئے حضور اکرم نے حضرت خالدؓ اور تمام مسلمانوں کو بغیر اشد ضرورت کے لڑائی سے منع کر دیا۔

مسلمانوں کا خیال تھا۔ کہ مشرکین مکہ کے سامنے ضرور لڑیں گے اس لئے لشکر اسلام مکہ کے سامنے آ کر رک گیا تھا۔ لیکن دیر تک انتظار کرنے پر بھی کوئی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ تو حضرت خالدؓ نے اپنے دستہ کو بڑھایا۔

آپ نے حکم دیا کہ تمام لشکر برہنہ شمشیریں ہاتھ میں لے کر مکہ میں داخل ہو تاکہ کفار پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ جائے۔

چنانچہ حضرت خالدؓ کی حسب ہدایات ان کے دستہ نے تلواریں علم کیں اور مکہ میں داخل ہوئے۔

مکہ میں داخل ہونے پر انہوں نے دیکھا کہ تمام راستے اور گلیاں سنسان پڑی ہیں۔ انسان تو انسان چڑیا تک کا پتہ نہ تھا۔ وہ شاندار طریقہ پر فاتحانہ انداز سے بڑھے اور بیت الحرام کے سامنے جا کر رکے اور ایک طرف صف بستہ ہو گئے۔ اب اسلامی لشکر کا ہر دستہ آ آ کر بیت اللہ شریف کے سامنے والے وسیع میدان میں صفیں باندھ باندھ کر کھڑا ہوتا گیا۔

آنحضور ؐ کی سواری شاہانہ جلال و عظمت کے ساتھ تمام راستوں اور گلیوں سے گذر کر خانہ کعبہ کے سامنے پہنچی اس وقت آنحضور صلعم کا چہرہ انور جوش مسرت سے

سرخ ہو رہا تھا۔

ایک دن وہ تھا جب کفار مکہ نے آپ کو اور آپکے جانثار صحابہ کو اس قدر تنگ کیا تھا کہ سب کو ہجرت کرنی پڑی تھی۔ آج وہ دن آیا کہ حضورؐ مع صحابہ کرام کے شاہانہ عظمت و شوکت کے ساتھ ایک بے نظیر فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

یہ بات کچھ کم حیرت انگیز ہے اور باعث مسرت نہ تھی۔ آنحضورؐ نے سواری پر چڑھے ہی چڑھے سات بار خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

چونکہ بیت الحرام میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس لئے آنحضور صلعم نے کنجی بردار کو طلب کیا اور شہر میں منادی کرادی کہ تمام اہل مکہ کو امان دیا گیا۔ کسی سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔

لوگ اس منادی کی آواز سن کر گھروں سے نکلے اور لشکر اسلام کے پاس آ آ کر ندامت و شرم سے سر جھکا جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

عثمان بن طلحہ جاجب یا کنجی بردار تھا۔ اس نے آتے ہی آنحضور صلعم کو سلام کیا اور کنجی حضور صلعم کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

یارسول اللہ! اے شاہ عرب۔ اور اے فاتح مکہ۔ مکہ کی فتح مبارک ہو۔ یہ بیت الحرام کی کنجی حاضر ہے۔ صدیوں سے ہمارا خاندان کنجی برداری کے معزز عہدے پر ممتاز رہا تھا۔ یقین ہے کہ حضور اکرم بھی مجھے اس مرتبہ پر بدستور قائم رکھکر میری عزت افزائی فرمائیں گے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ بیت الحرام خدا کا گھر ہے۔ خدا کے گھر میں تالے اور کنجی کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ ایام جاہلیت کی ایک بیہودہ رسم ہے میں اس رسم کو توڑتا ہوں خانہ کعبہ ہر شخص کے لئے ہر وقت کھلا رہے گا۔

آپنے کنجی نے کر تالا کھولا۔ اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ صرف چند صحابہ آپکے ساتھ گئے۔ اور باقی تمام لشکر باہر کھڑا رہا۔

آپ نے اندر جاتے ہی خود بتوں کو گرانا اور توڑنا شروع کر دیا۔ آنحضور صلعم کو اس کام میں معروف دیکھ کر تمام صحابہ بھی بت شکنی کرنے لگے سارے بت ایک ایک کر کے توڑ ڈالے گئے۔ اور یہ ٹوٹے ہوئے بت باہر پھینک دئے گئے۔

بت پرست آپنے خداؤں کی ان خداؤں کی جن کی وہ خود اور ان کے باپ

دادا ابرستش کرتے چلے آئے تھے۔ یہ کیفیت دیکھکر کمال ملول و غمگین ہوئے انکا خیال تھا کہ بت ناخوش ہوکر بت شکنوں کو فنا کردیں گے۔ اور کوئی گردک دار آواز ان سبکو مار ڈالے گی لیکن جب دیکھا کہ کسی بت شکن کا کان تک بھی نہ گرم ہوا تو وہ کچھ شرمسار سے ہوگئے۔

جب تمام بت توڑ توڑ کر باہر پھینک دیئے گئے۔ اور خانہ کعبہ بتوں کے وجود سے پاک و صاف ہوگیا۔ تو آنحضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور نماز سے فارغ ہوکر آپ باہر آئے۔

اس وقت ہزاروں قریشی اور دوسرے قبائل کے مشرکین لشکر اسلام کے قریب آکر کھڑے ہوگئے تھے۔ آپ نے باہر آتے ہی ایک تقریر فرمائی۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ یا معشر القریش! میں نے تم سے کہا تھا کہ خدا ایک ہے۔ بت خدا نہیں ہیں۔ دختر کشی برا فعل ہے۔ زنا۔ جوا۔ شراب خوری۔ اور دوسری مذموم رسمیں چھوڑ دو۔ لیکن تم نے۔ ہاں! تم نے مجھے اذیت دی۔

میرے صحابہ کرام کو اس قدر تکلیف دی۔ اذیت پہنچائی۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر جام شہادت نوش کر گئے۔ اور باقی ماندہ ہجرت کر گئے تم سمجھتے تھے کہ خدا ہی نہیں ہے اور نہ خدا میری استعانت فرمائے گا۔

دیکھو خداوند کریم نے میری امداد کی۔ اور اس نے اپنا اقرار صحیح ثابت کردیا آج سارے گروہ اور تمام قبائل شکست کھا کر فرار ہوگئے۔ سنو اور گوش سے سنو! آج مکہ مکرمہ سے کفر زائل ہوگیا۔ کفار ذلیل و خوار ہو گئے۔ صدیوں کے بعد خانہ کعبہ بتوں کے وجود سے پاک ہوگیا۔ اور اب کسی قوم کو یہ جائز نہیں ہے کہ خانہ کعبہ میں خونریزی کرے۔

یہ بیت الحرام ہے اور اس جگہ کا احترام واجب اور لازم ہے اور اس جگہ کا اتنا احترام کرنا چاہیئے کہ اس جگہ کا سرسبز درخت تک نہ کاٹا جائے۔

یا اہل مکہ! آج خدا وحدہٗ لاشریک نے مسلمانوں کے ذریعہ جاہلیت کی تمام رسوم کو پامال کردیا ہے۔

صرف کعبہ کے مجاوری اور حاجیوں کو آب زمزم کا پانی پلانا باقی رکھا گیا ہے۔

یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اے گروہ قریش! آج ایام جاہلیت کا تکبر اور نسبی فخر بھی مٹ گئے ہیں۔

خاندانی شرافت یا قومی نجابت کوئی چیز نہیں رہی بلکہ اب شریف اور نجیب وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار اور خدا کا عبادت گذار ہو۔

یاد رکھو! تمام آدمی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا مٹی کے پتلے کو فخر و غرور زیبا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں و فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے۔

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر ٥

ترجمہ:۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم کے کنبے قبیلے کئے تاکہ ایک دوسرے پہچانو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور خبردار ہے۔

آنحضورؐ نے یہ تقریر فرما کر اہل قریش سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اے گروہ قریش! تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے لگا۔

یہ سنتے ہی تمام اہل قریش کے چہروں سے دہشت کے آثار ظاہر ہو گئے اور خوف و ہراس بھری نگاہوں سے آنحضور صلعم کے روئے مبارک کی طرف دیکھنے لگے۔

چند معزز لوگوں نے کہا۔

حضور اکرم! ہم آپ سے خیر و برکت کے طلبگار ہیں۔ کیونکہ آپ ستودہ خصائل رکھتے ہیں۔ آپ قریش کے سب سے بڑے بزرگ قبیلہ بنو ہاشم سے ہیں۔ اور اس قبیلہ کے سب سے بزرگ و معزز انسان ہیں۔

آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔

سنو! آج میں تم سے وہی کرتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔۔۔ لہٰذا تم سب کے سب لوگ آزاد ہو!

اہل قریش یہ سن کر کمال مسرور ہوئے ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔ یا محمد! تم بیشک خدا کے سچے رسول ہو۔ یہ حلیمی یہ کرمی یہ مہربانیاں پیغمبرانہ ہی کی عنایان شان ہیں۔!

یہ امر واقع ہے کہ ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی ایسی اذیتیں دیں جو آج تک کسی نے کسی کو بھی نہ دی ہونگی۔ ہم کو خوف تھا۔ کہ آنحضور صلعم ہم سے انتقام لیں گے لیکن حضور اکرم نے ہماری توقعات کے خلاف ہم کو معاف کر دیا۔ جس کے لئے ہم آپ کے مشکور و ممنون ہیں۔

حضور اکرم نے متبسم و تمکنت کے لہجہ میں فرمایا۔ جاؤ اور بے فکری سے اپنے کاروبار کرو۔

چنانچہ اہل قریش بصد تشکر و اطمینان وہاں رخصت ہو گئے اور حضورؐ نے لشکر اسلام کو بھی آرام کرنے کا حکم دیا۔

لشکر اسی جگہ مقیم ہو گیا۔ جن مسلمانوں کے مکہ معظمہ میں مکانات تھے اور ان مکانات پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے اپنے مکانوں میں جا کر آرام کرنے لگے۔ مگر سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم خیمہ ہی میں آرام فرماتے رہے

چند روز گذرنے بعد حارث نے۔ سلمیٰ۔ جمیلہ۔ رقیہ۔ اور دوسرے اپنے ہمراہیوں کو بھی مکہ میں بلا لیا۔

جب وہ تمام مکہ آ گئے تو سلمیٰ اپنے مکان پر گئی۔ اپنے مکان پر جانے سے اسے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ایک مدت گذر چکی ہے جبکہ وہ فوت ہو چکا ہے اگرچہ اسے اپنے شوہر سے کچھ بھی محبت و پیار باقی نہ رہا تھا تاہم اسکی موت کی خبر سن کر اسے افسوس ہوا۔

کچھ عرصہ کے بعد جمیلہ۔ اور رقیہ۔ کی شادیاں معزز مسلمانوں کے ساتھ کر دی گئیں اور سب خوش و خرم رہ کر زندگی کے باقی ماندہ دن آرام و آسائش سے بسر کرنے لگے۔

اس طرح سے ایک تنہا ہستی نے عرب میں وہ انقلاب پیدا کر دیا جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

صد ہا سالہ بت پرستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر خدا پرستی کا سکہ جما دیا جو آج تک بھی عرب کے کونے اور گوشہ میں رائج ہے۔

چند ہی روز میں تمام قبائل عرب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے اور مکہ میں۔ ایک بھی کافر نہ رہا۔ جس قدر بت خانے تھے منہدم کر دیئے گئے اور جس قدر بت تھے۔

توڑ کر مکہ سے باہر پھینک دیئے گئے۔

صدہا سالہ بت پرستی کے بعد مکہ معظمہ میں خدا پرستی کا دور دورہ شروع ہوا اور ایام جاہلیت کی تمام بیہودہ رسوم کا خاتمہ کر دیا گیا۔

گویا نیرِ اسلام نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر اپنی ضیا بار کرنوں سے کفر و گمراہی کی تاریکی کو دور کر دیا تھا۔ اب مکہ کے در و دیوار اس روشنی سے جگمگا اٹھے تھے۔

یہ واقعات ہیں۔ جو تاریخوں میں مرقوم و محفوظ ہیں اُن واقعات کو پڑھ کر بھی کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

اگر اب بھی کوئی شخص یہی کہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو اس کے ناقص العقل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ختم شد